حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کی حالاتِ زندگی پر خوبصورت کتاب

سیرت

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

تالیف

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی

ایم اے ۔ ایم ۔ ٹی ۔ ایچ پی ۔ ایچ ۔ ڈی

انس پبلیکیشنز لاہور

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کی حالاتِ زندگی پر خوبصورت کتاب

سیرت

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

تالیف

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی

ایم اے، ایم۔ ٹی۔ ایچ، پی۔ ایچ۔ ڈی

انس پبلیکیشنز

40-اُردو بازار، لاہور

Mob: 0300-8852283

کتاب	:	حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
مولف	:	مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی ایم۔اے، ایم۔ٹی۔ایچ، پی۔ایچ۔ڈی
پروف ریڈنگ	:	مولوی نعیم الاسلام قادری شمسی، مولوی محمد عثمان شمسی مولوی محمد حسان شمسی، مولوی محمد احسان شمسی
سن اشاعت	:	۲۰۱۵ء
تعداد	:	٦٠٠
صفحات	:	۳٦٨
ناشر	:	محمد اکبر قادری
قیمت	:	-/300 روپے

انس پبلیکیشنز
40-اردو بازار، لاہور
Mob: 0300-4852283

فہرست

منقبت

از

حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان صاحب سالکؔ نعیمی علیہ الرحمہ

ہمارے آقا ہمارے مولیٰ امام اعظم ابو حنیفہ
ہمارے ملجا ہمارے ماویٰ امام اعظم ابو حنیفہ

زمانہ بھر نے زمانہ بھر میں بہت تجسس کیا و لیکن
ملا نہ کوئی امام تم سا امام اعظم ابو حنیفہ

تمہارے آگے تمام عالم نہ کیوں کرے زانوئے ادب خم
کہ پیشوایان دیں نے مانا امام اعظم ابو حنیفہ

نہ کیوں کریں ناز اہل سنت کہ تم سے چمکا نصیب امت
سراج امت ملا جو تم سا امام اعظم ابو حنیفہ

ہوا اولی الامر سے یہ ثابت کہ تیری طاعت ہے ہم پہ واجب
خدا نے ہم کو کیا تمہارا امام اعظم ابو حنیفہ

کسی کی آنکھوں کا تو ہے تارا کسی کے دل کا بنا سہارا
مگر کسی کے جگر میں آرا امام اعظم ابو حنیفہ

جو تیری تقلید شرک ہوتی محدثین سارے ہوتے مشرک
بخاری، مسلم و ابن ماجہ امام اعظم ابو حنیفہ

کہ جتنے فقہا محدثین ہیں تمہارے خرمن سے خوشہ چیں ہیں
ہوں واسطے سے کہ بے وسیلہ امام اعظم ابو حنیفہ

سراج تو ہے بغیر تیرے جو کوئی سمجھے حدیث و قرآں
پھرے بھٹکتا نہ پائے رستہ امام اعظم ابو حنیفہ

خبر لے اے دستگیر امت ہے سالک بے خبر پہ شدت
وہ تیرا ہو کر پھرے بھٹکتا امام اعظم ابو حنیفہ

نقوش حیات

نام ونسب

اسم گرامی نعمان، کنیت ابوحنیفہ اور لقب امام اعظم اور سراج الامہ۔

صاحب حدائق الحنفیہ نے نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان بن ثابت بن قیس بن یزدگرد بن شہریار بن پرویز بن نوشیرواں۔ (حدائق الحنفیہ ص ۴۲)

لیکن جمہور ائمہ اور مورخین کے نزدیک متفق علیہ سلسلہ نسب یہ ہے:

نعمان بن ثابت بن زوطی (نعمان) بن ماہ (مرزبان) (وفیات الاعیان ج ۵ ص ۴۰۵)

اسم گرامی نعمان کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

اتفقوا علی انه النعمان وفیه سر لطیف اذ اصل النعمان الدم الذی به قوام البدن ومن ثمه ذهب بعضهم الی انه الروح فابوحنیفة رحمه الله به قوام الفقه ومنه منشأ مدارکه وعویصاته او نبت احمر طیب الروح الشقیق او الارجوان بضم الهمزة فابوحنیفة رحمه الله طابت خلاله وبلغ الغایة کماله او فعلان من النعمة فابوحنیفة نعمة الله علی خلقه۔

(الخیرات الحسان ص ۴۱)

ائمہ اس پر متفق ہیں، کہ آپ کا نام نعمان ہے اور اس میں ایک لطیف راز ہے، نعمان کی اصل ایسا خون ہے، جس سے بدن (کاڈھانچہ) قائم ہوتا

ہے، اسی وجہ سے بعض نے کہا، کہ نعمان کا معنی روح ہے، پس امام ابوحنیفہ کی وجہ سے فقہ اسلامی کا ڈھانچہ قائم ہے اور آپ ہی فقہ یعنی تمام اسلامی احکام کے دلائل اور مشکلات کے حل کی بنیاد ہیں یا نعمان کا معنی سرخ خوشبودار گھاس ہے یا ارغوان کے رنگ کو نعمان کہتے ہیں، اس معنی کی رو سے امام ابو حنیفہ کی عادات مبارکہ اچھی ہوئیں اور آپ کا کمال انتہا کو پہنچا یا نعمان کا لفظ نعمت سے فعلان کے وزن پر ہے پس امام ابوحنیفہ مخلوق پر اللہ کی نعمت ہیں۔

آپ کی شخصیت اسم با مسمیٰ تھی۔

کنیت ابوحنیفہ کسی صاحبزادی کی وجہ سے نہیں تھی، کیوں کہ آپ کی اولاد میں صرف ایک صاحبزادے حماد ہیں۔ یہ کنیت معنی وصفی کے لحاظ سے ہے۔ خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ (آل عمران:۳/۹۵)

فرمادو! اللہ نے سچ کہا، تم ابراہیم کے دین کی پیروی کرو، جو ہر باطل سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کے ہو گئے تھے۔

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

وعلیٰ ان كنيته ابو حنيفة مؤنث حنيف وهو الناسك او المسلم لان الحنف الميل والمسلم مائل الى الدين الحق۔

(الخیرات الحسان ص ۴۱)

آپ کی کنیت ابوحنیفہ ہونے پر اتفاق ہے، جو حنیف کا مونث ہے۔ حنیف کا معنی ناسک (عبادت گزار) یا مسلم ہے کیوں کہ حنف کا معنی مائل ہونا ہے اور مسلم دین حق کی طرف مائل ہوتا ہے۔

ولادت

امام اعظم کی ولادت کے بارے میں تین اقوال ہیں۔ (۱) ۸۰ھ (۲) ۷۰ھ (۳)

۶۱ھ جمہور ائمہ کے نزدیک قول مقبول و معروف ومختار ۸۰ھ ہے، جس کے قائل اسماعیل بن حماد بن ابوحنیفہ نعمان، ابونعیم، ابراہیم بن علی شیرازی، محمد بن طاہر قیسرانی، امام ابن جوزی، امام ذہبی عبدالقاہر بن ابی الوفاء قرشی، ابن حجر مکی اور احمد بن محمد ہیں۔ ۷۰ھ کا قول کرنے والے امام ابن حبان، ابوالقاسم سمنانی، امام سمعانی، بدرالدین عینی ہیں۔ ۶۱ھ کا قول کرنے والے امام مزاحم ہیں۔

ابن خلکان نے اول کو اصح بتایا ہے۔ (وفیات ابن خلکان: ۵/۴۱۴)

خاندان اور آباواجداد

امام اعظم کے آباواجداد فارسی الاصل تھے۔ ان کے وطن کے بارے میں مورخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں، انبار کے رہنے والے تھے اور بعض بابل کا باشندہ قرار دیتے ہیں، یہی زیادہ صحیح ہے۔ امام عبدالرحمٰن مقری فرماتے ہیں:

كان ابوحنيفة من اهل بابل. (تاریخ بغداد ج۱۳ ص۳۲۵)

ابوحنیفہ اہل بابل سے ہیں۔

خطیب کی ایک روایت میں جو عمر بن حماد سے ہے زوطی کا وطن کابل قرار دیا گیا ہے:

فاما زوطى فانه من اهل كابل. (ایضاً)

قاضی بہلول الحسان التوخی کا قول ہے:

ثابت والد ابى حنيفة من اهل الانبار. (تہذیب الاسماء واللغات ج۲ ص۵۰۲)

آبائی وطن کے سلسلے میں مختلف روایات کی تطبیق اس طرح بھی ہو سکتی ہے، کہ امام صاحب کے اجداد نے مختلف مقامات پر قیام کیا ہو، آخر میں بابل کو وطن بنایا، جہاں سے زوطی قبول اسلام کے بعد کوفہ منتقل ہو گئے۔

آپ کے دادا زوطی نے اسلام قبول کیا، جن کا اسلامی نام نعمان رکھا گیا، نعمان نے قبول اسلام کے بعد کوفہ میں سکونت اختیار کی جو اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ

الکریم کا دار الخلافہ تھا اور وہ کبھی کبھی بارگاہ امیر المومنین میں عقیدت وارادت کے ساتھ حاضر ہوا کرتے تھے۔

ایک بار نوروز کے موقع پر جو ایرانیوں کی عید کا دن ہے، فالودہ بطور نذر پیش کیا، حضرت علی نے ارشاد فرمایا:

نوروزنا کل یوم۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ اص ۳۲۶)

ہمارے یہاں ہر روز نوروز ہے۔

جب امام صاحب کے والد ثابت کی ولادت ہوئی، تو نعمان ان کو حضرت علی کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے آپ نے ثابت اور ان کی اولاد کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ مدینۃ العلم حضرت علی کی دعا ہی کا اثر ہے، کہ ثابت کے گھر دنیائے اسلام کے عظیم مجتہد، جلیل القدر فقیہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد کا بیان ہے:

انا اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان من ابناء فارس الاحرار واللّٰہ ماوقع علینا رق قط ولد جدی فی سنة ثمانین وذھب ثابت الی علی بن ابی طالب وھو صغیر ودعالہ بالبرکة وفی ذریتہ ونحن نرجو من اللّٰہ ذلك ان یکون قد استجاب اللّٰہ ذلك لعلی بن ابی طالب فینا۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ اص ۳۲۶)

میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان از اولاد فرس احرار ہوں، اللہ کی قسم ہم پر کبھی غلامی نہیں آئی ہے، میرے دادا (حضرت ابوحنیفہ) کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی۔ (ان کے والد) ثابت چھوٹی عمر میں حضرت علی بن ابی طالب کے پاس گئے، حضرت علی نے ان کے لیے اور

ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا کی اور ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کی دعا ہمارے حق میں قبول فرمائی۔

امام صاحب کے معاندین نے تنقیص شان کی غرض سے یہ روایت بیان کی کہ آپ کے والد بنی تیم اللہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، ستم ظریفی یہ ہے کہ اس روایت نے خوب شہرت پائی، حالاں کہ اس قسم کی غلامی ثابت بھی ہو تو کسر شان کی بات نہیں، اسلام کے نظام مساوات نے تو آقائی غلامی کی تمیز مٹا دی اور صدر اسلام ہی میں ایسے مقتدر اصحاب علم غلاموں کی بڑی جماعت نظر آتی ہے، جو اپنی علمی و دینی وجاہت کے سبب بڑے بڑے احرار پر فوقیت رکھتے تھے۔ حضرت حسن بصری، ابن سیرین، طاؤس، نافع، عکرمہ، مکحول جو اپنے عہد کے مقتدائے عالم تھے وہ خود یا ان کے باپ دادا غلام رہ چکے تھے، اس لیے زوطی کا غلام ہونا ثابت بھی ہو جائے تو کچھ عار نہیں، لیکن تمام قوی شہادتیں اس کے خلاف ہیں۔

زوطی اول اول مسلمان ہو کر اسلامی معاشرہ میں شامل ہوئے ہوں گے تو معاشرتی ضرورتوں نے زوطی کو مجبور کیا ہوگا، کہ وہاں کے رہنے والوں سے دوستانہ تعلق پیدا کریں، یہ طریقہ عرب میں عام طور پر جاری تھا اور اس قسم کے تعلق کو ولاء کہتے ہیں جس کا مشتق مولیٰ ہے، مولیٰ غلام کو کہتے ہیں اس طرح لفظی مشارکت سے بعضوں نے زوطی کو غلام سمجھ لیا اور رفتہ رفتہ یہ خیال روایت کی شکل اختیار کر کے کسی قدر عام ہو گیا، جس کی وجہ سے اسماعیل کو واضح کرنا پڑا کہ "واللہ ہمارا خاندان کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آیا"۔

سچ تو یہ ہے، کہ زوطی نے قبول اسلام کے بعد کوفہ کے مشہور عرب خاندان قبیلہ بنی تیم اللہ ثعلبہ سے تعلقات اور مراسم قائم کیے اس خاندان کے افراد نجابت و شرافت کی وجہ سے "مصابیح الظلم" یعنی ظلمتوں کے چراغ کہلاتے تھے، زوطی نے ان سے تیمناً نسبت ولاء قائم کر لی اور اسی سے مشہور ہوئے۔

امام اعظم کے شاگردوں میں ابو عبداللہ بن عبداللہ بن یزید مقری مکی مولیٰ آل عمر

متوفی رجب ۲۱۲ھ ہیں ان کا واقعہ امام طحاوی نے انہیں کی زبان میں بیان کیا ہے، کہ میں جب امام ابوحنیفہ کی خدمت میں گیا، تو انہوں نے کہا، کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا، میں ایسا شخص ہوں، جس پر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق دے کر احسان کیا۔ اس پر امام صاحب نے کہا:

لاتقل هكذا ولكن ذالِ بعض هولاء الاحياء ثم انتم اليهم فاني كنت كذالك. (مشكل الآثار ج ٤ ص ٥٤)

تم ایسا نہ کہو، بلکہ تم ان قبائل میں سے کسی کی ولاء میں آجاؤ پھر ان کی طرف اپنی نسبت کرو میں بھی ایسی ہی نسبت رکھتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا، کہ امام اعظم کا خاندان بنی تیم اللہ کا مملوک اور غلام نہیں تھا، نہ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا، بلکہ عجم کے دیگر مسلم خاندانوں کی طرح یہ خاندان بھی ایک شریف قبیلے سے رشتہ ولاء قائم کر کے اس طرف منسوب ہوا اور یہ روایت بے اصل ہے، کہ امام صاحب کے والد کابل سے گرفتار کر کے کوفہ لائے گئے جہاں قبیلہ تیم اللہ کی ایک عورت نے ان کو خرید کر آزاد کیا، یا ان کے دادا اس قبیلے کے غلام تھے، اسی طرح یہ قول بھی بے اصل ہے، کہ امام صاحب خالص عربی النسل تھے، غالباً یہ بات امام صاحب کو عجمی غلام کہنے والوں کے جواب میں کہی گئی ہے۔

کوفہ کے مشرقی علاقہ میں یمنی قبائل آباد تھے، امام صاحب کے دادا نے اسی علاقے میں بودوباش اختیار کی تھی۔

وسیع تجارت

امام اعظم نے مرکز علم کوفہ میں آنکھ کھولی تھی، آپ کے والد صاحب حیثیت شرفا میں تھے، اس لیے آپ نے شعور کی منزل میں قدم رکھنے کے بعد کوچہ علم کی طرف رخ کیا، تذکرہ نگاروں نے ابتدائی تعلیم کے بارے میں کوئی صراحت نہیں کی ہے، لیکن یہ بعید از قیاس ہے، کہ وہ اوائل جوانی میں علم سے بے بہرہ رہے ہوں، آپ نے مروجہ علوم

وفنون کی درسگاہوں سے کسب فیض کیا، ہاں آپ کی معاشی اور تجارتی مصروفیات نے ابتدائی تعلیم کے بعد مزید تعلیم کے لیے موقع نہ دیا، تجارتی امور میں دینی وشرعی اصول کے مطابق عمل پیرا ہونا صاف طور پر ظاہر کرتا ہے، کہ آپ نے امور تجارت اور معاملات کو شرعی نہج پر انجام دینے کی صلاحیت پیدا کرلی تھی۔

امام صاحب نے کسب معاش کے لیے ریشمی کپڑوں کا کاروبار شروع کیا، ان کے یہاں خزبافی کا ایک کارخانہ تھا۔ خطیب بغدادی کا بیان ہے:

کان ابوحنیفة خزازا ودکانه معروف فی دار عمرو بن حریث.

(ج ۱۳ ص ۳۲۵)

ابوحنیفہ خز کپڑے کے تاجر تھے، ان کی دوکان عمرو بن حریث کی کوٹھی میں عام طور پر مشہور ومعروف تھی۔

دار عمرو بن حریث کوئی چھوٹا سا مکان نہیں تھا، بلکہ ایک بڑا کمپاؤنڈ تھا، جس میں متعدد عمارتیں تھیں اور انہیں عمارتوں میں خزبافی کے کارخانے تھے، کام کرنے والے بھی اسی احاطے میں قیام کرتے تھے، یا یہ بھی ممکن ہے، کہ خزبافوں کی جماعت انفرادی طور پر یہ کام کرتی تھی اور تیار شدہ خز کے تھان امام اعظم کے ہاتھوں فروخت کرتی تھی، امام صاحب اپنے کارخانے کے تیار شدہ مال کے علاوہ دوسرے شہروں کے تیار شدہ کپڑے بھی خرید کیا کرتے تھے، کبھی ایسا ہوتا کہ ایک ایک شخص سے آٹھ آٹھ ہزار درہم کے کپڑے خریدے جاتے۔ (موفق ج ا ص ۲۲)

امام صاحب کی تجارتی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگانا آسان ہوگا، کہ کوفہ سے سیکڑوں میل دور شہروں میں بھی آپ کی تجارتی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں، بصرہ، مرو، نیشاپور اور بغداد میں آپ کے تجارتی نمائندے ہوتے جہاں امام صاحب کا مال جاتا اور ان جگہوں سے بھی آپ کے پاس مال تجارت آتا۔

حسن بن ربیع کہتے ہیں:

كان قيس ابن الربيع يحدثني عن ابى حنيفة انه كان يبعث بالبضائع الى بغداد فيشترى بها الامتعة ويحملها الى الكوفة

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۶۰)

قیس بن ربیع ہم سے ابوحنیفہ کے متعلق روایت بیان کرتے تھے کہ ابوحنیفہ بغداد سرمایۂ تجارت بھیجتے تھے اور وہاں کی چیز اس سرمایہ سے خریدی جاتی تھی وہی کوفہ لاد کر روانہ کی جاتی تھی۔

معجم المصنفین میں تبییض الصحیفہ کے حوالے سے نقل کیا ہے:

قد تواترعنه رحمه الله انه كان يتجر فى الخز مسعودا ماهرا فيه وله دكان فى الكوفة وشركائه يسافرون له فى شراء ذلك وبيعه۔ (ج ۲ ص ۱۷۵)

امام ابوحنیفہ کے متعلق بتواتر یہ بات منقول ہے، کہ وہ خز کے ایک بڑے کامیاب تاجر تھے اور اس میں ان کو خاص مہارت حاصل تھی، کوفہ میں ان کی دکان تھی اور تجارتی کاروبار میں ان کے بہت سے شرکا تھے جو خز کی خرید وفرخت کے لیے سفر کرتے تھے۔

آپ کے شرکائے تجارت میں حفص بن غیاث کا نام بہت مشہور ہے جو تیس سال تک آپ کے شریک تجارت رہے خود حفص کا بیان ہے:

كنت شريك ابى حنيفة ثلاثين سنة (موفق ج ۱ ص ۲۲)

میں تیس سال تک ابوحنیفہ کے ساتھ شریک رہا۔

امام اعظم تجارت میں حد درجہ دیانت دار اور صادق القول واقع ہوئے تھے، آپ چار ایسی صفات سے متصف تھے، جن کا تعلق معاملات سے ہے، ان اوصاف کی بنا پر آپ ایک کامل اور ماہر تاجر بنے۔ (۱) آپ کا نفس غنی تھا لالچ کا اثر کسی وقت بھی آپ پر ظاہر نہیں ہوا حالاں کہ لالچ کا اثر اکثر نفوس پر غالب آجاتا ہے۔ (۲) نہایت درجہ

امانت دار تھے۔ (۳) عفو و درگزر آپ کی خصلت تھی، نفس کی دنائت سے اللہ نے آپ کو محفوظ فرمایا تھا۔ (۴) آپ بڑے دیندار شریعت کے احکام پر سختی سے عمل پیرا، دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات کو عبادت کرتے تھے۔

ان اوصاف عالیہ کا اجتماعی طور پر جو اثر تجارتی معاملات پر مرتب ہوا، اس کی وجہ سے تاجروں کے طبقے میں آپ کو انفرادی مقام حاصل ہوا، بیشتر افراد نے آپ کی تجارت کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تجارت سے تشبیہ دی ہے۔

خرید و فروخت کے وقت امانت داری کے طریقے پر عامل ہوتے تھے۔ امام صاحب بیچنے والے کی غفلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے، بلکہ صحیح کیفیت کی ہدایت فرماتے تھے۔

ایک عورت آپ کے پاس ریشمی کپڑا بیچنے کے واسطے لائی، آپ نے اس سے دام پوچھے، اس نے ایک سو بتایا، آپ نے فرمایا، کہ یہ زیادہ کا ہے، تم کیا کہتی ہو، اس نے ایک سو بڑھائے اور اسی طریقے پر چار سو تک پہنچی، آپ نے فرمایا کہ یہ چار سو سے زیادہ کا ہے، وہ بولی تم مجھ سے مذاق کرتے ہو آپ نے فرمایا کسی شخص کو لاؤ کہ وہ اس کے دام لگائے چنانچہ وہ ایک شخص کو لائی اور اس نے پانچ سو دام لگایا، امام صاحب نے اسے خرید لیا۔ (الخیرات الحسان ص ۸۷)

اگر مال میں کوئی عیب ہوتا، تو اسے خریدار کو دکھا کر فروخت کرتے۔ خطیب بغدادی بیان کرتے ہیں:

ایک کپڑے میں کچھ عیب تھا، آپ نے اپنے شریک حفص بن عبدالرحمٰن کو وہ عیب دکھایا اور ان سے کہا، اس کپڑے کو فروخت کرتے وقت یہ عیب گاہک کو دکھا دینا، حفص مال لے گئے اور اس کو بیچ کر روپیہ لے آئے، لیکن اس عیب دار کپڑے کا عیب گاہک کو بتانا بھول گئے، جب امام ابوحنیفہ کو اس کا علم ہوا، آپ نے ساری رقم صدقہ کر دی۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۵۸)

اسی صدق وامانت نے آپ کی تجارت کو خوب فروغ دیا۔

مدینہ کا سفر

ایک دن امام صاحب دکان پر نہ تھے، کسی کارندے نے ایک خریدار کو مقررہ قیمت سے زیادہ پر کپڑا فروخت کر دیا، امام صاحب نے آکر جب حساب دیکھا، تو معلوم ہوا، کہ قیمت زیادہ لی گئی ہے، فروخت کرنے والے کو آپ نے غصہ سے دیکھا اور فرمایا:

تغر الناس وانت معی فی دکانی۔

تم لوگوں کو دھوکہ دیتے ہو حالاں کہ تم دکان میں میرے ساتھ رہتے ہو۔

بیان کیا جاتا ہے، کہ خریدار مدینہ منورہ کا رہنے والا تھا، کپڑا لے کر وہ مدینہ روانہ ہو چکا تھا، امام صاحب کے لیے یہ خیال اذیت ناک تھا، کہ دھوکے سے زیادہ قیمت لے لی گئی، امام صاحب نے صرف خریدار کو زائد قیمت لوٹانے کے لیے مدینہ منورہ کا سفر کیا، مشکل یہ تھی، کہ خریدار کو پہچانتے نہ تھے، ایک دن مسجد میں بیٹھے، تو ایک شخص کو نماز کی حالت میں دیکھا، جو آپ کی دکان کا کپڑا پہنے ہوئے تھا، جب وہ نماز سے فارغ ہوا، تو امام صاحب نے اس سے کہا:

هذا الثوب الذی علیك هو ثوبی۔

یہ کپڑا جو تم نے پہن رکھا ہے میرا ہے۔

اس شخص نے کہا، آپ یہ بات کیسے کہتے ہیں، میں نے تو اسے کوفہ میں ابوحنیفہ کی دکان سے ایک ہزار درہم میں خریدا ہے، تو امام صاحب نے کہا، تم ابوحنیفہ کو دیکھو گے، تو پہچان لو گے؟ اس نے کہا، ہاں! امام صاحب نے کہا، میں ابوحنیفہ ہوں، تم نے یہ کپڑا مجھی سے خریدا ہے، اس نے جواب دیا نہیں، امام صاحب نے کہا کہ تم اس کی قیمت لے لو کپڑا مجھے واپس کر دو اس شخص نے کہا میں اسے چند بار پہن چکا ہوں، مناسب نہیں سمجھتا کہ واپس کروں، اگر آپ چاہیں مزید قیمت ادا کر دوں، امام صاحب نے فرمایا، میں قیمت میں اضافہ نہیں چاہتا یہ کپڑا تو چار سو درہم کا ہے اگر تم چاہو تو چھ سو درہم میں لوٹا دوں اور

کپڑا تم پہنو یا اپنے ہزار درہم لے لو اور کپڑا واپس کر دو تم نے جو اسے بار بار پہنا ہے یہ تمہارے لیے حلال ہے، تو اس آدمی نے کپڑا نہیں لوٹایا اور ایک ہزار درہم قیمت ہی پر راضی ہو گیا ابو حنیفہ نے انکار کیا تو اس شخص نے کہا اگر ایسا ہے تو آپ مجھے چھ سو درہم واپس کر دیجیے آپ نے چھ سو درہم واپس کر دیے اور کوفہ لوٹ آئے۔ (موفق ج ا ص ۱۹۹)

امام صاحب نے تقاضائے دیانت پورا کرنے کے لیے کوفہ سے مدینہ منورہ کا سفر کیا اور زائد قیمت لوٹانے کے بعد انہیں سکون نصیب ہوا۔

منافع تجارت کا مصرف

امام صاحب کا وسیع وعریض کاروبار تجارت جائز ذریعہ معاش اور اس فارغ البالی کی بنا پر ائمہ وامرا کے تحفوں سے خود کو محفوظ کرنا تھا اور ساتھ ہی ساتھ منافع تجارت سے علما، فقہا، ضرورت مند تلامذہ اور دوسرے مفلوک الحال حاجت مندوں کی امداد اور حاجت روائی تھا، یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ امام صاحب نے بڑے پیمانے پر جو تجارت کی، اس کا مقصد جلب منفعت اور ذخیرہ اندوزی تھا، انہوں نے تجارت کی منفعتوں کو کبھی محفوظ نہیں رکھا، بلکہ اسے اہل حاجت پر سال بسال خرچ کرتے رہے، علما کی مدد معاش کے لیے وہ تجارت کا ایک حصہ خاص کر دیتے اور اس کی کل آمدنی ان کی نذر کر دیتے تا کہ علمائے حق پوری فراغت اور دلجمعی کے ساتھ علم دین کی خدمت انجام دیتے رہیں، ہدیوں کا یہ سلسلہ پورے سال جاری رہتا، آخر میں جو رقم بچ جاتی، وہ اساتذہ محدثین اور فقہا کی ضروریات پر خرچ کرتے اور فرماتے میں نے اپنے مال سے کچھ نہیں دیا ہے، یہ سب اللہ کا مال ہے اس نے اپنے فضل وکرم سے تمہارے واسطے مجھے دیا ہے، جو میں پیش کرتا ہوں۔

انفقوا فی حوائجکم ولاتحمدوا الا اللہ فانی لا اعطیکم من مالی شیئا ولکن من فضل اللہ علی فیکم وھذہ ارباح بضاعتکم فانہ ھو واللہ مما یجریہ اللہ لکم علی یدی فمافی رزق اللہ حول لغیرہ۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۶۰)

تم لوگ اسے اپنی ضروریات میں خرچ کرو اور صرف اللہ کا شکر ادا کرو، کیوں کہ میں نے تم کو اپنے مال سے کچھ نہیں دیا ہے بلکہ یہ میرے اوپر اللہ کا فضل ہے تمہاری بابت اور یہ تمہارے سامان کے منافع ہیں خدا کی قسم اللہ تمہارے لیے اس کو میرے ہاتھ سے جاری فرماتا ہے، اللہ کے مال میں غیر کی گنجائش نہیں۔

امام صاحب آخر دور تک علمی مصروفیات اور مشاغل کے باوجود کسب معاش کے لیے تجارت سے وابستہ رہے، جس کی بنا پر آپ نے خود اعتمادی، بے لوث خدمت اور حق کے لیے جرأت و بے باکی کا ملکہ پیدا کیا اور امرا و خلفا کے تحائف اور نذرانوں کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔

تحصیل علم کی تحریک

امام اعظم کا وطن کوفہ علم وفن کا مرکز تھا اور اس شہر کی علمی فضا کو معلم امت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور مدینۃ العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر صحابہ وتابعین کی سرپرستی کا شرف حاصل تھا، جامع کوفہ کی ہر محراب کسی نہ کسی شیخ کی درسگاہ تھی، سیاسی لحاظ سے حضرت امام اعظم کی ابتدائی زندگی کا زمانہ فتنہ وفساد کا زمانہ تھا، مختار ثقفی اور عبداللہ بن زبیر کی بساط سلطنت الٹ چکی تھی اور اموی اقتدار اپنے بال و پر پھیلا رہا تھا، شخصی حکومت کے استحکام کی راہ میں سخت دشواریاں تھیں، چنانچہ ان مشکلات پر قابو پانے کے لیے ظالم وجابر عمال وامرا شہروں اور صوبوں میں مقرر کیے جا رہے تھے، چنانچہ عبد الملک بن مروان کی طرف سے حجاج بن یوسف عراق کا والی تھا، جس کے شدائد و مظالم کا نشانہ زیادہ تر خیار امت اور علمائے ملت تھے جو علم وفضل کے لحاظ سے مقتدائے عالم تھے، حجاج کی سفاکیوں کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا:

> ”اگر تمام پیغمبروں کی امتیں مل کر اپنے اپنے زمانہ کے ظالموں کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو مقابلہ میں لائیں، تو واللہ ہمارا پلہ بھاری رہے گا“۔

ولید اور حجاج کے زمانے تک تو امام صاحب باقاعدہ تحصیل علم کی طرف توجہ نہ کر سکے، ضرورت کے مطابق کچھ پڑھنے لکھنے کے بعد اپنے آبائی پیشہ خزبافی سے منسلک ہو گئے اور خزبافی کا ایک کارخانہ کھول لیا اپنی تجارت کو خوب چمکایا مگر قدرت کو آپ سے فروغ علم اور تدوین فقہ کا مہتم بالشان کام لینا تھا، اس لیے فطری طور پر تحصیل علم کا ذوق بیدار ہونا لازمی بات تھی، بغرض خرید وفروخت بازار آنا ہر روز کا معمول تھا، راستے میں کوفہ کے مشہور امام حدیث عامر شعبی کا مکان تھا، وہ ان کو ادھر سے آتے جاتے دیکھا کرتے تھے، ایک دن طالب علم سمجھ کر پوچھا: ''تم کہاں جارہے ہو؟'' امام صاحب کا بیان ہے، میں نے کہا بازار فلاں کے پاس جاتا ہوں اور میں نے اس کا نام بتایا انہوں نے کہا میرے پوچھنے کا مقصد بازار کا جانا نہ تھا، بلکہ علما کے پاس جانے کا تھا، میں نے کہا علما کے پاس میرا جانا کم ہے انہوں نے کہا:

لاتغفل وعليك بالنظر فی العلم ومجالسة العلماء فانی ارىٰ فيك يقظة وحركة. (عقود الجمان ص ١٦٠)

تم غفلت میں نہ پڑو، علم میں اپنے کو لگاؤ، علما کی مجلسوں میں جایا کرو، میں تم میں بیدار مغزی اور کھوج لگانے کا مادہ پاتا ہوں۔

آپ نے یہ فرما کر کہا:

فوقع فی قلبی من قوله تركت الاختلاف الى السوق واخذت فی العلم فنفعنی الله تعالىٰ۔(ایضا)

شعبی کی بات کا میرے دل پر اثر ہوا میں نے بازار جانا چھوڑ دیا اور کسب علم کی راہ اختیار کی تو اللہ نے مجھ کو فائدہ پہنچایا۔

علم کلام

امام شعبی کی تحریک پر امام صاحب نے ادب ولغت کے ساتھ علم کلام کی طرف خاص توجہ دی وجہ یہ تھی، کہ اس دور میں باطل فرقے سر اٹھا رہے تھے اور اسلام کے

بنیادی عقائد میں ناروا موشگافیوں کے ذریعہ باطل افکار و آرا کو فروغ دے رہے تھے۔

قرآن حکیم میں خدا کی ذات وصفات، مبدأو معاد وغیرہ کے بارے میں جو کچھ مذکور ہے، عرب والوں نے اسے اجمالی نگاہ سے دیکھا اور خلوص واعتقاد کے لیے اتنا ہی کافی تھا، مگر جب اسلام فارس اور شام میں داخل ہوا اور وہاں کی متمدن قوموں نے اسلام قبول کیا تو ان لوگوں نے اعتقادی مسائل کو فلسفیانہ نقطہ نگاہ سے دیکھنا اور پرکھنا شروع کیا، چنانچہ استعارہ وتشبیہ، صفات الٰہی کی عینیت وغیریت، حدوث وقدم غرض اس قسم کے بہت سارے مضامین عقلا و علما کی تحقیق وجستجو کا موضوع بن گئے، جن کو بحث وتدقیق کی وسعت نے مستقل فن بنادیا اور اعتقادی مسائل میں موشگافیوں کا آغاز ہوا، پھر مختلف اعتقادی فرقے وجود میں آنے لگے، جو قدری، مرجی، معتزلی، جہمی، خارجی، رافضی کہلائے، وہ فتنہ اس قدر عام ہوا، کہ اہل حق متکلمین کے باطل افکار و آرا کی تردید کے لیے اس طرف متوجہ ہوئے اور علم کلام وجود میں آیا۔

امام صاحب نے جس شہر میں آنکھ کھولی تھی، وہ عرب وعجم کے مختلف قبائل اور متعدد رنگ ونسل رکھنے والوں کا مسکن تھا، جہاں اعتقادی مسائل ہمیشہ زیر بحث آیا کرتے تھے، چونکہ آپ کی طبیعت میں جولانی تھی، مسائل کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت تھی، اس لیے انہوں نے علم کلام کے کوچہ میں قدم رکھا اور جلد ہی اس فن میں ایسا کمال پیدا کیا، کہ بڑے بڑے اساطین فن آپ کے ساتھ بحث کرنے سے جی چرانے لگے۔ بغرض تجارت اکثر بصرہ جایا کرتے، جو تمام جدید فرقوں کا مرکز تھا، اباضیہ، صفریہ، حشویہ، معتزلہ وغیرہ سے اکثر بحثیں کیں اور ہمیشہ ان پر غالب آئے۔

ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

اخذ فی علم الکلام وبلغ فیه مبلغا یشار الیه فیه بالاصابع واعطی فیه جدلا فمضی علیه زمن به یخاصم وعنه یناضل حتی دخل البصرة نیفا وعشرین مرة یقیم فی بعض المرات

سنة او اكثر ينازع اولئك الفرق۔ (الخيرات الحسان ص ۵۵)

امام اعظم ابو حنیفہ نے علم کلام حاصل کیا اور اس میں ایسا کمال پیدا کیا، کہ آپ کی طرف لوگ انگلیوں سے اشارہ کرتے تھے اور آپ ایک زمانہ تک اس میں مناظرہ کرتے اور اس فن سے اعتراضات دفع کرتے یہاں تک کہ آپ اس غرض سے بصرہ تقریبا بیس مرتبہ گئے (کیوں کہ وہ باطل فرقوں کی آماجگاہ تھا) بعض مرتبہ آپ وہاں سال سال بھر یا اس سے زیادہ اقامت اختیار کرتے اور ان فرقوں سے مناظرہ فرمایا کرتے تھے۔

تحصیل فقہ

امام اعظم نے ابتدا میں مروجہ علوم و فنون کے مبادیات پر اکتفا کیا اور علم الکلام کو اپنی فکری جولانگاہ قرار دیا اس دور کے فلسفیانہ اور منطقی مباحث اور اختلاف مذاہب کے متعلق بھی کافی واقفیت حاصل کی، جو علم میں مہارت کے لیے ناگزیر تھی، فقہ کی طرف متوجہ ہونے کے بعد مسائل شرعیہ کی تخریج و استنباط میں منطقی استدلال کا جو کمال دکھایا وہ اسی نظری و فکری تربیت کا اثر تھا۔

ایک زمانے تک بحث و مناظرہ اور جدل و مناقشہ میں منہمک رہنے کے بعد دل کلامی جھگڑوں سے اچاٹ ہو گیا اور انہوں نے تحصیل فقہ اسلامی کی طرف توجہ کی۔

یحیٰ بن شیبان روایت کرتے ہیں، کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا، مجھے جدل و مناظرہ سے خصوصی لگاؤ تھا، میں کافی عرصہ تک اس میں لگا رہا علم الکلام کے اسلحہ سے لڑتا اور انہی سے مدافعت کرتا، ان دنوں بصرہ جدل و مناظرہ کا اکھاڑہ تھا، میں بیس سے زائد مرتبہ بصرہ گیا، کبھی ایک سال قیام کرتا اور کبھی کم و بیش، خوارج کے فرقہ اباضیہ و صفریہ سے کئی مرتبہ جھڑپیں ہو چکی تھیں، علم الکلام میرے نزدیک افضل العلوم تھا، میں کہا کرتا تھا، کہ علم الکلام کا تعلق اصول دین سے ہے، طویل غور و فکر اور کافی عمر گزرنے کے بعد میرے اس نظریہ میں تبدیلی رونما ہوئی، میں نے کہا، متقدمین صحابہ اور تابعین سے کوئی ایسی بات

نہیں رہ گئی تھی، جسے ہم نے نہ پالیا ہو، وہ شرعی امور پر زیادہ قادر، ان سے زیادہ واقف اور ان کے حقائق سے بخوبی آگاہ تھے۔ مگر بایں ہمہ انہوں نے جدل ومناظرہ کا بازار گرم نہیں کیا اور نہ غور وخوض کی ضرورت سمجھی، خود اس سے اجتناب کیا اور دوسروں کو سخت پرہیز کی تلقین کی، وہ صرف شرائع واحکام اور فقہی مسائل میں غور وتامل کے عادی تھے، وہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا اور اسی کی طرف لوگوں کو رغبت دلاتے، وہ لوگوں کو پڑھاتے اور تحصیل علم کی ترغیب دیتے تھے، پھر تابعین نے اسی کی پیروی کی، اس بات کے واضح ہونے پر ہم نے جدل ومناظرہ اور علم الکلام کو خیر باد کہہ کر اس سرسری جان پہچان کو کافی سمجھا اور اپنا رخ طریق سلف صالحین کی طرف موڑ دیا، اب ہم جادہ اسلاف پر گامزن ہوئے، انہی کے اعمال وافعال کو اپنانا شروع کیا اور اس راہ کے واقف کار لوگوں کی ہم نشینی کا شیوہ اختیار کیا، میں بھانپ گیا کہ متکلمین اور اصحاب اصول کا چہرہ مہرہ متقدین کا سا نہیں اور سلف صالحین کے جادہ مستقیم سے بھی انہیں کوئی سروکار نہیں، یہ دل کے سخت، کتاب وسنت کے مخالف، سلف صالحین سے منحرف اور ورع و تقویٰ سے بے بہرہ ہیں۔

تحصیل فقہ کے داعیہ کے لیے یہ روایت بھی مشہور ہے، جس کے راوی آپ کے تلمیذ زفر بن ہذیل ہیں، وہ کہتے ہیں میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا فرماتے تھے میں علم الکلام پڑھتا پڑھاتا تھا، یہاں تک کہ اس میں خاصی شہرت حاصل کر لی، ہماری نشست گاہ حماد بن ابی سلیمان کے حلقہ سے زیادہ دور نہ تھی ایک روز کسی عورت نے آکر پوچھا، ایک شخص نے ایک لونڈی سے نکاح کر رکھا ہے اور وہ اسے طلاق سنت دینا چاہتا ہے وہ کتنی طلاق دے، میں نے کہا، حماد سے پوچھیے اور جو جواب دیں اس سے آگاہ کیجیے، سائلہ نے حماد سے پوچھا، انہوں نے جواب دیا، حیض وجماع سے طہارت کی حالت میں اسے طلاق دے، جب دو حیض آنے کے بعد وہ غسل طہارت کرے، تو دوسرے ازواج کے لے حلال ہو جائے گی، اس نے یہ فتویٰ مجھے بتایا، میں نے کہا، مجھے علم الکلام کی کوئی ضرورت نہیں اپنی جوتیاں پہنیں اور سیدھا حماد کے حلقہ درس میں شامل ہوا، میں آپ کے

مسائل سنتا اور انہیں یاد رکھتا، اگلی صبح جب اعادہ کرتے تو مجھے تو وہ مسائل جوں کے توں ازبر ہوتے مگر ان کے دوسرے تلامذہ غلطیاں کر جاتے چنانچہ آپ نے یہاں تک فرما دیا، کہ "صدر حلقہ میں میرے روبرو ابوحنیفہ کے سوا کوئی نہ بیٹھے"۔

اس سلسلے کی مزید روایت یہ بھی ہے، ایک رات خواب دیکھا، کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کھود رہے ہیں، تعبیر خواب کے زبردست عالم امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی، تو انہوں نے یہ تعبیر بیان کی، کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وسنن سے ایسے مسائل کا استخراج اور ایسے امور کی عقدہ کشائی کریں گے، جو آپ سے قبل کسی نے نہیں کی ہوگی، اس تعبیر کو اشارہ غیبی قرار دے کر امام اعظم نے پوری توجہ اور استغراق سے علم فقہ کی تحصیل شروع کی۔

(مناقب امام اعظم ج ا ص ٦٧)

فقہ کی تحصیل کے لیے امام صاحب نے حضرت حماد کی درسگاہ کا انتخاب کیا، ابتدا میں امام صاحب حلقہ درس کی بائیں صف میں بیٹھتے رہے، مگر چند روز کے بعد جب حضرت حماد کو تجربہ سے معلوم ہوا، کہ پورے حلقہ درس میں کوئی تلمیذ حافظہ اور ذہانت میں آپ کا ہمسر نہیں ہے، تو حکم دیا کہ ابوحنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں، حضرت حماد کی درسگاہ میں فقہ کی تحصیل کے ساتھ کوفہ کے دوسرے شیوخ سے حدیث وسنن کا درس بھی لیتے رہے۔

حصول علم کے لیے رحلت وسفر ناگزیر ہے، چنانچہ امام صاحب نے ذوق علم کی تسکین کے لیے بصرہ، مکہ، مدینہ کے متعدد سفر کیے، حرمین شریفین میں کافی دنوں تک قیام کیا، جو علما ومشائخ کے گہوارے اور حدیث وفقہ کے عظیم مرکز تھے، ایام حج میں تمام بلاد وامصار اسلام کے مشائخ اور ماہرین علوم کا یہاں اجتماع ہوتا تھا، امام صاحب نے پچپن حج کیے اور انہوں نے ائمہ حدیث وفقہ سے خوب خوب استفادہ کیا، چنانچہ خود بیان فرماتے ہیں:

میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے اصحاب وتلامذہ کی فقہ حاصل کر چکا ہوں۔

(حیات امام ابوحنیفہ ص ٦٧)

اساتذہ

امام صاحب کے مشائخ واساتذہ کی تعداد چار ہزار بتائی جاتی ہے، علامہ موفق نے لکھا ہے:

امام احمد بن حفص معروف بہ ابوحفص کبیر شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی کے صاحبزادے ابوحفص صغیر ابوعبداللہ محمد بن احمد کے زمانے میں شافعیہ اور حنفیہ میں معارضہ ہوا، کہ ابوحنیفہ اور شافعی میں افضل کون ہے؟ ابوحفص صغیر نے کہا، دونوں حضرات کے مشائخ کا شمار کرلیا جائے، جس کے مشائخ زیادہ ہوں وہ افضل ہے، امام شافعی کے اسی مشائخ شمار میں آئے اور ابوحنیفہ کے چار ہزار۔ (مناقب ج ا ص ۳۸)

محمد بن یوسف صالحی نے امام صاحب کے مشائخ کے اسمائے گرامی لکھے ہیں، جو کہ ۳۲۴ ہیں اور حضرت امام سے روایت کرنے والوں کے نام لکھے ہیں، جو کہ ۹۳۴ ہیں۔

خطیب بغدادی آپ کے اہم شیوخ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رأى انس بن مالك وسمع عطابن ابى رباح وابا اسحق السبيعى ومحارب بن دثار وحماد بن ابى سليمان والهيثم بن حبيب صواف وقيس بن مسلم ومحمد بن منكدر ونافع مولىٰ ابن عمر وهشام بن عروه ويزيد الفقير وسماك بن حرب وعلقمه بن مرثد وعطية العوفى وعبدالعزيز بن رفيع وعبد الكريم ابا امية وغيرهم (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۴)

امام اعظم نے انس بن مالک کو دیکھا اور عطا بن ابی رباح، ابواسحٰق سبیعی، محارب بن دثار، حماد بن ابی سلیمان، ہیثم بن حبیب صواف، قیس بن

مسلم، محمد بن منکدر، نافع مولیٰ ابن عمر، ہشام بن عروہ، یزید الفقیر، سماک بن حرب، علقمہ بن مرثد، عطیۃ العوفی، عبدالعزیز بن رفیع، عبد الکریم ابوامیۃ وغیرہم سے سماع حدیث کیا۔

صاحب حدائق الحنفیہ نے شیوخ واساتذہ کے ناموں کی یہ فہرست درج کی ہے:

ابراہیم بن عبدالرحمٰن سکسکی، ابراہیم بن محمد بن منتشر الاجدع الہمدانی الکوفی، ابراہیم بن مسلم العبدی الہجری، ابراہیم بن مہاجر بن مہاجر بن جابر البجلی الکوفی، ابراہیم بن یزید الخوری المکی، ابان بن ابی عیاش فیروز البصری، ابوعبیدہ بن المعتب الصینی، ابو یعفور، ابوالسوار قال ابومحمد البخاری الصواب، ابوالمالیہ، ابوخویطر بن طریق، ابی ماجد، آدم بن علی البکری، اسحٰق بن ثابت بن عبیدۃ الانصاری، اسقیل بن بہلول بن عمرو الصیرفی المعروف بالمجنون، اسمٰعیل بن عبدالملک، اسمٰعیل بن ابی خالد الاحمصی، اسمٰعیل ابن عیاش الحمصی، اسمٰعیل بن امیہ، اسمٰعیل بن مسلم المکی، ایوب بن عائذ کوفی، ایوب بن تمیمہ، کیسان السختیانی، بشر بن قرہ کوفی، بشیر بن سلمان الکوفی، بلال بن مرداس الفزاری، بیان بن بشر الکوفی تمیم بن سلمہ کوفی ثابت بن اسلم البنانی، جابر بن یزید الجوفی، جامع بن ابی راشد کوفی، جامع بن شداد المحاربی الکوفی، جبلہ بن سحیم الکوفی، جریر بن سعد الکوفی، امام جعفر صادق بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، حاتم بن دردان بصری، حارث بن عبدالرحمٰن الہمدانی الکوفی، حبیب بن ابی ثابت بن قیس، حبیب بن ابی عمرہ الکوفی، حجاج بن ارطاۃ الکوفی، حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب، حسن بن الحر بن الحکم الکوفی، حسن بن سعد الکوفی مولیٰ امام حسن بن عبداللہ الکوفی، حسن بن عبیداللہ الکوفی، حصین بن عبدالرحمٰن الکوفی، حکم بن عتیبہ الکوفی، حکیم بن جبیر الکوفی، حماد بن ابراہیم، حماد بن ابی سلیمان الکوفی، حمید بن ابی حمید الطویل البصری، حمید بن قیس الاعرج المکی، خالد بن عبدالاعلیٰ، خالد بن علقمہ، خالد بن سعید الشعبی المدنی، خارجہ بن عبداللہ الانصاری، خیثم بن عراک بن مالک مدنی، خثیم بن عبدالرحمٰن، خلف بن یاسین، خوات بن عبداللہ بن التیمی، داؤد بن عبدالرحمٰن مکی مدنی، وز بن عبداللہ المرہبی، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن الرائی،

زبید بن الحارث الکوفی، زیاد بن ابی زیاد مدنی، زیاد بن علاقہ کوفی، زیاد بن کلیب الکوفی، زید بن اسلم العدی المدنی، زید بن ابی انیسہ، زید بن عبدالحمید بن عبدالرحمٰن المدنی، زید بن علی بن حسین بن ابی طالب، زید بن الولید، سالم بن عجلان، الافطس الدموی، سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب، سعد بن طارق الکوفی، سعید بن مسروق الثوری، سعید بن یسار، سعید بن مرزبان مولیٰ حذیفہ بن الیمان العبسی، البقال الکوفی، سعید بن ابی سعید بن مرزبان نعار، سفیان بن سعید الثوری، سلمہ بن عبیط الکوفی، سلمہ بن کہیل الکوفی، سلیمان بن سلیمان الکوفی، سلیم شیبانی، سلیمان بن یسار الہلالی، سلیمان بن مہران الاعمش الکوفی، سلیمان بن مغیرہ القیسی، سماک بن حرب الکوفی، سہیل بن ابی صالح، سیار بن سلامۃ الریاحی، شداد بن عبدالرحمٰن، شرحبیل بن مسلم، شعبہ بن دینار الکوفی، شیبان بن عبدالملک، شیبہ بن مسافر بصری، صالح بن حیان القرشی الکوفی، صلت بن بہرم، طاؤس بن کیسان الیمانی، طریف بن شہاب، طلحہ بن نافع، طلحہ بن مطرف الیامی الکوفی، عاصم بن ابی النجود الکوفی، عاصم بن کلیب، عامر بن السمط الکوفی، عاصم بن الاحوص حکیم، عامر بن شرحبیل الشعبی، عامر بن ابی موسیٰ، عبداللہ بن قیس الاشعری، عبداللہ بن ابی زیاد القطوانی الکوفی عبداللہ بن دینار العدوی، عبداللہ بن خیثمہ، عبداللہ بن مواہب القرشی الشامی، عبداللہ بن ابی حبیبہ المدنی، عبداللہ بن عمر العمری المدنی، عبداللہ بن میسرۃ الکوفی، عبداللہ بن ابی الجہم العدوی، عبداللہ بن سعید بن ابی سعید المقبری، عبداللہ بن حمید بن عبید الانصاری الکوفی، عبداللہ بن داؤد الہمدانی الکوفی، عبداللہ بن عثمان بن خثیم، عبیداللہ بن عمر بن حفص المدنی، عبدالرحمٰن بن حزام یعنی عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابت بن منذر بن عمرو بن حزام الانصاری، عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج المدنی، عبدالرحمٰن بن شرحبیل، عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی، عبدالملک بن ایاس الشیبانی الکوفی، عبدالملک بن عمیر الکوفی، عبدالرحمٰن بن عمرو بن قیس الانصاری، عبدالملک بن میسرہ الہلالی الکوفی، عبدالکریم بن ابی معقل، عبدالکریم المخارق، عبدالاعلیٰ بن عامر ثعلبی کوفی، عبدالعزیز بن رفیع المکی نزیل کوفہ، عبدالعزیز بن ابی رواد، عتبہ بن عبداللہ الکوفی، عثمان بن راشد، عثمان بن عبداللہ بن

موہب التیمی، عثمان بن عاصم الکوفی، عدی بن ثابت الانصاری الکوفی، عدی بن سعد، عطا بن ابی رباح، عطا بن یسار الہلالی، عطا بن العجلان البصری، عطا بن السائب الکوفی، عطیہ العوفی، عطیہ بن الحارث الکوفی، عکرمہ بن عبداللہ مولیٰ بن عباس، علقمہ بن مرثد الکوفی، علی بن اقمر الکوفی، علی بن الحسن الراد المدنی، علی بن بذیمہ، علاء بن زہیر بن عبداللہ الکوفی، عمرو بن عبداللہ الہمدانی، عمرو بن مرہ بن عبداللہ الکوفی، عمرو بن شعیب بن عبداللہ، عمرو بن ذر الہمدانی الکوفی، فراس بن یحیی الہمدانی الکوفی، فرات بن ابی عبدالرحمٰن الکوفی، فلان بن داود، قابوس بن ابی ظبیان الکوفی، قتادہ بن دعامہ البصری، قیس بن مسلم الجدلی الکوفی، قیس بن مسلم المدحجی، کثیر الرماح الاصم الکوفی، کدام بن عبدالرحمٰن الاسلمی، لاحق بن غیزار الیمانی، لیث بن ابی سلیمان الاموی الکوفی، سارک بن فضالہ البصری، مجالد بن ابی سعید بن عمیر الہمدانی الکوفی، محارب بن دثار الکوفی، محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد زرارہ، محمد بن بشر الکوفی، محمد بن السائب الکلبی الکوفی، محمد بن مسلم بن تدرس المکی، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، محمد بن یزید الحنفی الکوفی العطار، محمد بن عبیداللہ بن سلیمان الکوفی، محمد بن عمرو بن الحسن بن علی بن ابی طالب، محمد بن المنکدر، محمد بن مالک بن المنتصر الہمدانی، محمد بن عبداللہ الثقفی، محمد بن قیس بن مخرمۃ الہمدانی، محمد بن الزبیر الحنظلی، محمد بن سوقۃ الکوفی، مخول بن راشد الکوفی، مزروق التیمی الکوفی، مزاحم بن زفر بن الحارث الکوفی، مسعر بن حبیب الجرمی البصری، مسلم بن سالم الکوفی، مسلم بن صبیح الہمدانی الکوفی، مسلم بن کیسان الضبی الکوفی، مسلم بن عمران البطین الکوفی، معاویہ بن اسحق بن طلحہ، معن بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود الکوفی، مقسم مولی ابن عباس، مکحول الشامی، منصور بن المعتمر الکوفی، منصور بن زاذان، منذر بن عبداللہ المنذر، منصور بن دینار، منہال بن الجراح الشامی الزہری، منہال بن عمرو الکوفی، منہال بن خلیفہ الکوفی، موسیٰ بن ابی کثیر الانصاری، موسیٰ بن ابی عائشہ الہمدانی الکوفی، موسیٰ بن مسلم الکوفی، موسیٰ بن طلحہ بن عبیداللہ التیمی، میمون الاعور، میمون بن سیاہ البصری، ناصح بن عجلان، ناصح بن محمد، نافذ مولیٰ بن عباس، نمیر بن حکیم بن معاویہ، نوبۃ بن عبداللہ،

وائل بن داؤد التیمی الکوفی، واصل بن حبان الاسدی، الکوفی، ولید بن سریع الکوفی، ولید بن عبداللہ بن جمیع الزہری المکی، ولید بن سریع مولیٰ عمر بن الخطاب، ہاشم بن ہاشم بن عتبہ، ہثیم بن حبیب الصیر فی الکوفی، ہثیم الصراف، ہثیم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود، ہشام بن عروہ بن زبیر، ہشام بن عائذ بن نصیر الاسدی الکوفی، یزید بن صہیب الفقیر الکوفی، یزید بن ابی یزید الرشک البصری، یزید بن عبدالرحمٰن بن ابی مالک الہمدانی، یزید بن ابی ربیعہ، یزید بن عبید الاسلمی، یعلی بن عطار الطائفی، یونس بن محمد بن مسلم البغدادی، یونس بن زہران، یونس عبیداللہ بن ابی فروہ، یحیٰ بن عمرو بن سلمہ، یحیٰ بن سعید بن عبداللہ قیس الانصاری، یحیٰ بن عبداللہ جابر الکوفی، یحییٰ بن عبدالحمید الکوفی، یحییٰ بن عامر الکوفی الحمیری، یحییٰ بن حبیب بن ثابت الاسدی الکاہلی الکوفی، یحییٰ بن ابی حیہ، یحییٰ بن عبداللہ بن معاویہ المعروف باجلح ابی حجیہ۔ (حدائق الحنفیہ ص ۴۴ تا ۴۶)

کوفہ ایک اہم علمی مرکز

اسلامی لشکر نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی زیر قیادت جنگ قادسیہ ۱۷ھ میں فتح پائی، اس کے بعد ایرانی دارالسلطنت مدائن اور جلولہ، حلوان، تکریت زیر نگیں کر لیے، ان شہروں میں مسلمان آباد ہونے لگے، مگر یہاں کی آب و ہوا مسلمانوں کو راس نہ آئی اور ان کی صحت پر منفی اثر پڑنے لگا، جسے مدنظر رکھتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص کو حکم دیا، عربوں کو وہی آب و ہوا راس آئے گی جو ان کے اونٹوں کو آئے گی، لہٰذا کوئی ایسا خطہ تلاش کرو، جسے خشکی اور تری سے یکساں تعلق ہو اور میرے اور اس کے درمیان کوئی دریا حائل نہ ہو، حضرت سعد نے حضرت سلمان فارسی اور حضرت حذیفہ بن یمان کو کسی مناسب مقام کی تجویز کا حکم دیا، چنانچہ ان دونوں حضرات نے حیرہ کے قریب دریائے فرات سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک سرسبز و شاداب مقام منتخب کیا، جسے حضرت عمر نے پسند فرمایا، حضرت سعد نے ۱۷ھ میں وہاں ایک شاندار مسجد تعمیر فرمائی اس کے قریب بازار قائم کیا اور پھر عرب قبائل نے اپنی اپنی پسند کے مطابق محلے آباد کیے، مسجد سے قریب ہی ایک محل تعمیر کیا گیا، جو بیت المال بھی تھا اور امیر کوفہ کی اقامت گاہ بھی، کوفہ کی آب و ہوا عربوں کو راس آئی، کچھ ہی دنوں بعد کوفہ ایک بڑا مرکزی شہر بن گیا اور حیرہ و مدائن کی ساری عظمتیں خاک میں مل گئیں۔

حضرت عمر نے یمن کے بارہ ہزار افراد اور نزار کے آٹھ ہزار افراد کو کوفہ بھیجا، ان سب کے واسطے آپ نے روزینہ مقرر کیا، کوفہ کی آبادی میں بہت سرعت سے اضافہ ہوا، وہاں تین سو افراد بیعت رضوان والے اور ستر افراد غزوہ بدر والے وارد ہوئے، ایک ہزار

سے زیادہ اصحاب رسول نے اسے اپنا وطن بنایا اور حضرت عمر نے حضرت عمار بن یاسر کو امیر کوفہ اور معلم امت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا قاضی اور بیت المال کا منتظم بنا کر بھیجا، کوفہ والوں کو لکھا:

انی بعثت الیکم عمار بن یاسر امیرا وابن مسعود معلما ووزیرا وقد جعلت ابن مسعود علی بیت مالکم وانهما لمن النجباء من اصحاب محمد من اهل بدر فاسمعوا لهما واطیعوهما.

(اعلام الموقعین فصل ۸۶ص ۲۱۸)

بیشک میں نے عمار بن یاسر کو تمہارا امیر اور عبداللہ بن مسعود کو استاذ ووزیر بنا کر بھیجا ہے اور بیت المال کی ذمے داری بھی عبداللہ بن مسعود کے سپرد کی ہے، یہ دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدری صحابہ میں خاص عظمت وشرف کے حامل ہیں، ان کی سنو اور مانو!

اس کے بعد نہایت اہم ارشاد ہے:

قد آثرتکم بابن ام عبد علیٰ نفسی۔ (ایضا)

ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعود کے علم وفضل وتفقہ وتدبر سے میں بھی مستغنی نہیں لیکن میں نے ایثار کر کے ان کو تمہارے پاس بھیجا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور دیگر اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سکونت اور ان کی تعلیم وتربیت نے شہر کوفہ کو اسلامی علوم وفنون کا مرکز بنا دیا، اس شہر کی علمی بساط سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود نے آراستہ کی، آپ کی مجلس میں بیک وقت چار ہزار طالبان علم حاضر ہوا کرتے، جب حضرت علی کوفہ تشریف لائے اور حضرت ابن مسعود کے تلامذہ ان کے استقبال کے لیے آئے، تو سارا میدان بھر گیا، حضرت علی نے خوش ہو کر فرمایا:

رحم الله ابن ام عبد قد ملأ هذه القریة علما وفی لفظ

اصحاب ابن مسعود سرج هذه القرية۔ (ایضا)

اللہ تعالیٰ ابن مسعود پر رحم فرمائے کہ انہوں نے کوفہ کو علم سے مالا مال کر دیا ایک روایت میں یوں ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے شاگرد تو اس شہر کے چراغ ہیں۔

۲۰ھ سے ۳۰ھ تک ابن مسعود نے پورے انہماک کے ساتھ تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور ۳۵ھ میں حضرت علی نے اس شہر کو مرکز خلافت بنایا تو اس کی علمی رونق میں چار چاند لگ گئے، حضرت علی کے بعد دیگر اصحاب رسول اور تابعین و تبع تابعین نے اپنی مساعی جمیلہ سے کوفہ کے چپے چپے کو علم و عرفان کا گہوارہ بنا دیا اور اس سرزمین سے علوم وفنون کے چشمے پھوٹے۔

کوفہ کی آبادی کو ابھی سو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اس مبارک سرزمین میں ایسے ایسے افراد ظاہر ہوئے جنہوں نے عقد ثریا کے روشن تاروں کی طرح تمام عالم اسلام کو شرقاً غرباً جنوباً شمالاً منور کر دیا، ان حضرات نے ایسے ایسے دقائق حل کیے اور ایسے ایسے علوم وفنون ایجاد کیے کہ دنیا محو حیرت ہے۔

اس مرکز علم میں حدیث و فقہ کے ایسے عظیم اساطین صدیوں تک رہے، جن سے کسب فیض کے لیے لوگ دور دراز ملکوں سے بار بار آتے تھے، امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس مرکز علم سے اکتساب فیض کے لیے بار بار حاضر ہوئے وہ خود کہتے ہیں:

لا احصی کم دخلت الی الکوفة وبغداد مع المحدثین۔

میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں کوفہ اور بغداد محدثین کے ساتھ کتنی مرتبہ گیا۔

کوفہ کی علمی و دینی مرکزیت کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شہر کو ''رمح اللہ'' (اللہ کا نیزہ) ''کنز الایمان'' (ایمان کا خزانہ) اور ''جمجمة العرب'' (عرب کی کھوپڑی) کے القاب سے یاد کیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

نے ''قبۃ الاسلام'' (اسلام کا گھر) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ''کنز الایمان'' (ایمان کا خزانہ) ''رأس الاسلام'' (اسلام کا سر) اور ''سیف اللہ'' (اللہ کی تلوار) کا لقب دیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۵)

معلم امت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا دبستان فقہ

یوں تو شہر کوفہ میں باختلاف روایت ایک ہزار یا پندرہ سو اصحاب رسول وارد ہوئے ان میں ستر بدری صحابہ اور تین سو بیعت رضوان میں شرکت کرنے والے عظیم صحابہ تھے، حضرت علی، حضرت عمار بن یاسر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوموسیٰ اشعری کوفہ تشریف لائے یہاں قیام کیا اور ان کی علمی وروحانی شخصیتوں سے اہل کوفہ فیض یاب ہوئے لیکن جس عظیم علمی شخصیت نے یہاں دس گیارہ سال تک مسلسل طالبان علوم اسلامیہ کو مالا مال کیا وہ معلم امت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات ہے، اہل کوفہ پر ان کا سب سے بڑا احسان ہے، امام شعبی کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی صحابی کوفہ میں نہیں آیا، جو اہل کوفہ کے حق میں عبداللہ بن مسعود سے زیادہ نافع ہو، صحابہ کے بعد میں نے ان کے شاگردوں سے حلیم وبردبار اور خون خرابہ سے دور رہنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۷)

آپ کے حلقہ درس میں قرآن وحدیث وفقہ وفتاویٰ کی تدریس ہوتی تھی، لیکن وہ علم شریعت کے لیے زیادہ مشہور رہا، ان کے حلقہ درس کی فقہی خصوصیت ان کے بعد بھی قائم رہی، ان کے شاگردوں نے اپنے شیخ کی فقہی امانت دوسروں تک پہنچانے کے مہتم بالشان خدمت انجام دی، یوں تو ابن مسعود کے ہزاروں تلامذہ ہیں لیکن ان میں چھ حضرات خصوصیت کے ساتھ آپ کی فقہ کے ترجمان وناشر ہیں (۱) علقمہ بن قیس (۲) اسود بن یزید (۳) مسروق بن اجدع (۴) عبیدہ سلمانی (۵) حارث بن قیس (۶) عمرو بن شرجبیل۔

ابن مسعود کے شاگردوں نے اپنے شیخ کے علاوہ حضرت علی کی فقہی آرا کو بھی جمع

کیا، مغیرہ کا بیان ہے کہ حضرت علی کے فقہی اقوال و آرا کے بارے میں عبداللہ بن مسعود کے شاگرد سب سے زیادہ ثقہ و صادق تھے۔

اس طرح ابن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے فقہی اقوال و آرا کی روشنی میں جو مکتب فقہ وجود میں آیا اسے ابن مسعود کا ''دبستان فقہ'' سے تعبیر کیا گیا۔

ابن مسعود ان فقہائے صحابہ میں سے ہیں جن کا فقہی مسلک ان کے شاگردوں نے عام کیا، ابن جریر کا بیان ہے حضرات صحابہ میں عبداللہ بن مسعود کے علاوہ کسی صحابی کے تلامذہ نے اپنے شیخ کے فقہی مسلک و فتاوی کو نہیں لکھا۔

دعائے رسول

آپ نے عہد رسالت کے ابتدائی ایام میں قبول اسلام کا شرف حاصل کیا، ایک دن مکہ کی وادی میں بکریاں چرا رہے تھے، دھوپ سخت تھی، اتفاقاً سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر کے ہمراہ اس جانب تشریف لائے، حضرت ابو بکر نے ابن مسعود سے کہا: فرزند تمہارے پاس دودھ ہے، جس سے ہم اپنی پیاس بجھائیں، انہوں نے جواب دیا، میں بکریوں کا مالک نہیں، امین ہوں، آپ کو دودھ دینے سے قاصر ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تیرے پاس کوئی ایسی بکری بھی ہے، جس کا ابھی تک نر سے ملاپ نہ ہوا ہو؟ جواب دیا، ہاں! ایک ایسی بکری موجود ہے، لاکر حاضر خدمت کیا، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے تھن پر ہاتھ پھیرا، دعا فرمائی، خشک تھن چشمہ شیر بن کر چھلکنے لگا، صدیق اکبر نے دودھ دوہنا شروع کیا، پہلے سرکار پھر ابو بکر اور ابن مسعود نے شکم سیر ہوکر دودھ نوش کیا، یہ معجزہ دیکھ کر ابن مسعود نے خدمت اقدس میں درخواست کی کہ یہ بات مجھے بھی تعلیم فرمائیں تو حضور نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا:

انك غلام معلم ۔ تم بہتوں کو پڑھانے والے لڑکے ہو۔

اس واقعہ سے متاثر ہوکر ابن مسعود نے فوراً اسلام قبول کرلیا، اس وقت آپ کی عمر پندرہ برس سے متجاوز تھی۔ (استیعاب ج ۳ ص ۹۸۸، مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹)

قبول اسلام کے بعد ابن مسعود خدمت نبوی سے اس طرح وابستہ ہو گئے کہ رسول گرامی کی پوری حیات ظاہری میں جدا نہ ہوئے، سفر و حضر ہر جگہ انہیں معیت رسول کا شرف حاصل رہا۔

خانوادہ رسالت سے تعلق وتقرب دیکھ کر لوگ آپ کو خاندان رسالت ہی کا ایک فرد سمجھتے تھے، چنانچہ ابوموسیٰ اشعری کا بیان ہے کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک (مدینہ میں) رہے، ہم نے عبداللہ بن مسعود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو (عرصہ تک) خاندان رسالت کا ایک رکن گمان کرتے رہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۳)

الغرض اس خدمت گزاری اور ہر وقت کی حاضر باشی نے ان کو قدرتاً بہت زیادہ خرمن کمال کے خوشہ چینی کا موقع دیا۔

ابن مسعود سابقین اولین میں سے تھے، بعض لوگوں نے انہیں چھٹا مسلمان لکھا ہے، بعض نے ۱۹/واں اور بعض نے ۲۳/واں، بہر حال انہوں نے اس نازک اور پر آشوب دور میں اسلام قبول کیا تھا، جب اسلام کا اظہار واعلان کفار ومشرکین کا تختہ مشق بننے کے مترادف تھا۔

ابن مسعود نے حبشہ اور مدینہ دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا، عہد رسالت کے تقریباً تمام اہم معرکوں میں پوری جرأت و بے باکی کے ساتھ شریک ہوئے، اسلام کی حمایت میں شجاعت کے جوہر دکھائے، آپ کی تلوار حمایت حق کے لیے ہمیشہ بے نیام رہی۔

حلقہ درس

ابن مسعود پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ عہدہ قضا کے فرائض منصبی انجام دیتے اور قرآن وتفسیر، حدیث وفقہ کی تدریس میں معلم امت کی حیثیت سے مصروف ہو گئے اور عرصہ دراز تک اہم دینی خدمات انجام دیتے رہے، ہزاروں تشنگان علوم اس

چشمہ علم وہدایت سے فیضیاب ہوتے رہے۔

نوجوان طالب علم جب آپ کی مجلس میں آتے تو مرحبا کہہ کران کا استقبال کرتے اور کہتے لوگ حکمت کے سرچشمے اور ظلمتوں کے چراغ ہیں، ان کے کپڑے پرانے دل نئے ہیں، اپنے گھر کی زینت اور قبیلوں کے گل بوٹے ہیں۔

شاگردوں کی تعداد کے بارے میں اسرار الانوار میں ہے:

كان ابن مسعود بالكوفة وله اربعة آلاف تلميذ يتعلمون بين يديه.

ابن مسعود کوفہ میں تھے اور ان کے تلامذہ کی تعداد چار ہزار تھی، جو آپ سے علم سیکھتے تھے۔

ابراہیم تیمی کہتے ہیں: ہمارے یہاں عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ میں ساٹھ ہزار مشائخ تھے۔

حافظ ذہبی طبقات القراء میں لکھتے ہیں:

وتفقه به خلق كثير وكانوا لايفضلون احدا في العلم.

ابن مسعود سے خلق کثیر نے فقہی استفادہ کیا، وہ علم میں کسی کو ابن مسعود پر فوقیت نہیں دیتے تھے۔

علامہ نووی تہذیب الاسماء واللغات میں لکھتے ہیں:

سمع عنه خلائق لايحصون من كبار التابعين.

بے شمار اکابر تابعین نے آپ سے حدیث کا سماع کیا۔

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وكان من علماء الصحابة ومن اشتهر علمه بكثرة اصحابه الآخذين عنه.

ابن مسعود علمائے صحابہ سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کا علم

اصحاب وتلامذہ کی کثرت کی وجہ سے پھیلا۔ (فتح الباری ۷، ص ۱۰)

ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

لم یکن احد له اصحاب معروفون حرروا فتیاه ومذاهبه فی الفقه غیر ابن مسعود

ابن مسعود کے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہوا، جس کے معروف ومشہور تلامذہ نے اس کے فتاویٰ اور فقہی مذہب کو تحریر کیا ہو۔

حضرت علی نے آپ کے شاگردوں کو دیکھ کر فرمایا تھا ''سرج هذه القرية'' یہ لوگ اس آبادی کے چراغ ہیں۔

حالات کی نیرنگیوں کے باعث کوفہ کے گورنروں کا تبادلہ ہوتا رہا، مگر ابن مسعود اپنی عالمانہ جلالت وذہانت، تقویٰ، حق گوئی، بے باکی اور علم اسلامی کی نشر واشاعت کے ساتھ عہدہ قضا پر قائم رہے۔

عہد عثمانی مین معزول ہوئے، تو ابن مسعود نے مدینۃ الرسول میں سیاسی وملکی معاملات سے کنارہ کش ہو کر تنہائی اختیار کر لیا ورا پنے اوقات عبادت وریاضت، ذکر وفکر اور طالبان علم کے جذبہ تحصیل کی تکمیل کے لیے وقف کر دیے۔

ابن مسعود ۳۲ھ میں بیمار پڑے اور تقریباً ساٹھ سال کی عمر پا کر رحلت فرمائی۔

بارگاہ رسالت کی حاضری ذات نبوت سے تقرب خاص اور بے پایاں ذوق علم نے ابن مسعود کا علمی پایہ، بہت بلند کر دیا تھا، وہ قرآن اور علوم قرآن کے زبردست عالم حدیث وسنت، فقہ واجتہاد میں درجہ امامت پر فائز تھے، چنانچہ آپ علم میں حضرت عمر اور حضرت علی کے ہم پلہ خیال کیئے جاتے تھے۔

قرآن اور متعلقات قرآن میں ابن مسعود کافی درک رکھتے تھے، وہ فرمایا کرتے تھے، میں نے ستر سورتیں زبان رسالت سے سن کر یاد کی تھیں، وہ فرمایا کرتے تھے:

والذی لااله غیره مانزلت سورة من كتاب الله الا وانا اعلم

این نزلت ولا انزلت آیۃ من کتاب اللّٰہ تعالٰی الا وانا اعلم فیما انزلت ولو اعلم احدا اعلم منی بکتاب اللّٰہ تعالٰی تبلغہ الابل لرکبت الیہ۔ (بخاری ومسلم، تلخیص الصحاح ج ۵ ص ۸۴)

قسم اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی بندگی کے لائق نہیں، قرآن مجید میں کوئی سورت نازل نہیں ہوئی، مگر میں اس کے اترنے کی جگہ جانتا ہوں کہ وہ کہاں اتری اور قرآن کی کوئی آیت نہیں اتری جس کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کب اور کہاں اور کس بارے میں اتری ہے۔ اگر میں کسی کو خود سے زیادہ قرآن کا جاننے والا پاتا اور ان تک اونٹ پہنچ جائے تو میں ضرور سوار ہو کر اس کے پاس جاتا۔

فقہ

ارشاد رسول ہے:

تمسکوا من ابن ام عبد۔ (ایضا)

ابن ام عبد یعنی ابن مسعود کی ہدایت اور حکم کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔

ابن مسعود ان صحابہ میں سے ہیں، جو علم وفقہ کے بانی ومؤسس خیال کیے جاتے ہیں، چنانچہ فقہ حنفی کا پورا ایوان تقریباً انہیں کی فقہ کے بنیادی پتھر پر قائم ہے، کوفہ کے زمانہ قضا میں ابن مسعود نے تعلیم وتربیت کے لیے جو حلقہ درس قائم کیا یا مسائل دینی کا استفسار کرنے والوں کو سیر حاصل جوابات سے نوازنے کا اہتمام کیا، اسے ان کے تلمیذ رشید ابراہیم نخعی نے محفوظ کر لیا تھا، چنانچہ ان کے پاس ابن مسعود کے فتاوے کا کافی ذخیرہ موجود تھا، جو حماد کے واسطے سے امام اعظم ابوحنیفہ تک پہنچا، جسے آپ نے اپنے علم واجتہاد سے وسعت دے کر ایک مستقل فقہی دبستان بنا دیا، امام شعبی کہا کرتے تھے، صحابہ میں عبداللہ بن مسعود سے زیادہ عالم وفقیہ کوئی شخص کوفہ نہیں آیا۔

خدمت حدیث

آپ کی بارگاہ علوم اسلامی کی درس گاہ تھی، آپ کوفہ کی علمی مجلس کے بانی اور اس کی روشن شمع تھے، جس کی ضیا پاشیوں نے ہزاروں قلب ودماغ کو علم وفن کا ظرف بنادیا، آپ کے تبحر علمی کا ذکر کرتے ہوئے مسروق فرماتے ہیں:

میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صحبت اٹھائی ہے، وہ تالابوں کے مثل تھے، کسی تالاب سے ایک سوار سیراب ہوجاتا ہے، کوئی اتنا بڑا ہوتا ہے، جو دوسواروں کو سیراب کرتا ہے اور کوئی منبع اتنا بڑا ہوتا ہے، کہ ساری دنیا کے لوگ اس پر وارد ہوں تو سب کو سیراب کردے، عبداللہ بن مسعود ایسے ہی چشمہ ہیں۔ (سیر الاعلام النبلاء بحوالہ ابن مسعود ص ۸۹)

لوگوں نے حضرت حذیفہ بن یمان سے عرض کیا کہ آپ ہمیں وہ شخص بتائیں جو ہدایت اور حسن سیرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہوتا کہ ہم اس سے کچھ حاصل کریں اور حدیث سنیں انہوں نے فرمایا، ہر طور طریقہ اور سیرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔

کان اقرب الناس هديا ودلا وسمتا برسول الله صلى الله عليه وسلم ابن مسعود (ترمذی ج ۲ ابواب المناقب)

ہدایت، طور طریقے اور سیرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب حضرت ابن مسعود تھے۔

تمیمہ بن حرام کا بیان ہے: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مجلسوں میں بیٹھا عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ دنیا سے بے نیاز آخرت کا طالب اور صلاح وتقویٰ میں قابل تقلید کسی کو نہیں دیکھا۔ (اصابہ ج ۴ ص ۱۳۰)

ابوموسیٰ کا بیان ہے: عبداللہ بن مسعود کی ایک مجلس میں حاضری میرے نزدیک ایک سال کے عمل سے افضل ہے۔ (ایضاً)

مالک بن یمامہ کہتے ہیں: جب معاذ بن جبل کا وقت آخر آیا تو شاگردوں کو وصیت کی کہ ابن مسعود کے پاس پہنچ جائیں ان کی ہم نشینی اختیار کریں اور ان سے علم حاصل کریں۔ (اعلام الموقعین ج اص ۱۴)

ارشاد رسول ہے:

ماحدثکم ابن مسعود فصدقوا ۔ (ترمذی ج ۲ ابواب المناقب ص ۹۵)

ابن مسعود جب کوئی حدیث بیان کریں، تو اس کی تصدیق کرو۔

حدیث کی روایت اور اس کی حفاظت وصیانت میں آپ کا نمایاں حصہ ہے، حدیث رسول کے ساتھ فطری لگاؤ اور شیفتگی تھی، مجلسوں میں خود احادیث کی روایت کرتے اور دوسرے صحابہ سے سنتے، احادیث کے معانی ومطالب پر غور کرتے اور دوسروں کو بھی غور وفکر کی دعوت دیتے، کبھی کبھی شوق حدیث میں اپنے دوستوں اور شاگردوں کے یہاں مذاکرہ کے لیے خود پہنچ جاتے، اپنے علم سے انہیں بہرہ ور کرتے اور ان سے کوئی حدیث یا حدیث سے متعلق کوئی بات معلوم ہوتی، تو اس سے استفادہ کرتے۔

فقیہ عراق علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ

علقمہ، ابن مسعود کے شاگرد خاص، ان کے علم کے ناشر اور ان کی علمی زندگی کا پرتو ہیں، انہوں نے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابو درداء وغیرہ سے روایت کی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

علقمة بن قیس بن عبداللہ من کبراء التابعین ولد فی حیاة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وسمع من عمر وعثمان وابن مسعود وعلی وابی الدرداء (وزاد فی الخلاصه عن ابی بکر وحذیفه) وجود القرآن علی ابن مسعود وتفقه به کان من انبل اصحابه قال عبدالرحمن بن یزید قال ابن مسعود ما اقرأ شیئا وما اعلم شیئا الا وعلقمة یقرء ہ ویعلمه قال

قابوس بن ابی ظبیان قلت لابی لای شیئ کنت تدع الصحابة وتاتی علقمة قال ادرکت ناسا من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم وهم یسئلون علقمة ویستفتونه.قلت کان فقیها اماما بارعا طیب الصوت بالقرآن ثبتا فیما ینقل صاحب خیر وورع کان یشبه ابن مسعود فی هدیه ودله وسمته وفضله مات سنة اثنتین وستین۔ (تذکرة الحفاظ ج۱ ص ٤٥)

حضرت علقمہ بن قیس بن عبداللہ کبرائے تابعین میں سے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیدا ہوئے، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابن مسعود، حضرت علی اور حضرت ابو درداء رضوان للہ علیہم اجمعین سے روایتیں سنیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس تجوید سے قرآن پڑھا، انہیں سے تفقہ بھی حاصل کیا، حضرت عبداللہ بن مسعود کے سب سے جلیل القدر شاگرد ہیں، عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں، کہ میں جو کچھ پڑھتا اور جانتا ہوں عبداللہ بن مسعود بھی پڑھتے اور جانتے ہیں، قابوس بن ابی ظبیان کا بیان ہے، کہ میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ کیا بات ہے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس جاتے ہیں تو انہوں نے کہا اس لیے کہ میں نے بہت سے صحابہ کو ان سے مسائل اور فتاوی دریافت کرتے ہوئے پایا ہے۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ وہ فقیہ، امام، اچھی آواز میں قرآن پڑھنے والے، ثبت فی الحدیث خیر وورع کے حامل تھے، عادات واطوار، فضل وکمال میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے مشابہ تھے ۶۲ھ میں وصال کیا۔

علامہ ذہبی ان کی فقاہت وامامت، حسن صوت اور خیر وورع اور ان کے متثبت فی النقل ہونے کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں تمام عادات وفضل میں عبداللہ بن مسعود

کے مشابہ تھے گویا حضرت ابن مسعود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو خصوصیت تھی وہی خصوصیت حضرت علقمہ کو ابن مسعود کے ساتھ تھی، جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود اخلاق واعمال، سیرت وکردار میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ تھے اسی طرح حضرت علقمہ بھی حضرت ابن مسعود کا نمونہ تھے، یوں تو حضرت علقمہ سفر میں بھی اپنے شیخ کے ساتھ رہتے تھے، لیکن اگر کسی مجبوری کی وجہ سے سفر میں نہ جاسکتے تو کسی خاص آدمی کو ساتھ کردیتے تاکہ سفر کے حالات ومعلومات سے بھی ناواقفیت نہ رہے، حضرت عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن مسعود حج کے ارادے سے روانہ ہوئے حضرت علقمہ کسی عذر کی وجہ سے ہمراہ نہ جاسکے، مجھ کو ان کے ساتھ کردیا اور کہا ان کے ساتھ رہو اور جو کچھ دیکھو، سنو، اس سے مجھے مطلع کرنا۔

عن علقمة كنا جلوسا مع ابن مسعود فجاء خباب فقال يا ابا عبدالرحمٰن ايستطيع هؤلاء الشباب ان يقرؤا كما تقرأ قال اما انك لوشئت امرت بعضهم يقرأ عليك قال اجل فقال اقرأ يا علقمة (قال علقمة) فقرأت خمسين آية من سورة مريم فقال عبدالله كيف ترى قال قد احسن قال عبدالله ما اقرأ شيئا الا وهو يقرءه. (بخاری شریف ج۲ ص ۶۳۰)

حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ حضرت خباب آئے اور کہا اے ابن مسعود کیا یہ آپ کے جوان شاگرد آپ کی طرح قرآن پڑھ سکتے ہیں، حضرت ابن مسعود نے کہا، اگر آپ کہیں تو کسی سے پڑھوا کر سنواؤں حضرت خباب نے کہا: ضرور! تو حضرت ابن مسعود نے حضرت علقمہ سے کہا پڑھو حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ میں نے سورۂ مریم کی پچاس آیتیں پڑھیں، حضرت ابن مسعود نے حضرت خباب سے پوچھا کیا رائے ہے تو حضرت خباب نے کہا کہ بہت خوب پڑھا،

حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا جو کچھ میں پڑھتا ہوں وہی یہ بھی پڑھتے ہیں۔

فاضل میں ہے:

وله رحلة الى ابى الدرداء بالشام والى عمر وزيد وعائشة بالمدينة وهو من جمع علوم الامصار۔

حضرت علقمہ طلب علم کے لیے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس شام گئے اور حضرت عمر، حضرت زید اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ حضرت علقمہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے سارے شہروں کے علوم جمع کیے۔

تہذیب التہذیب میں ہے:

اعلم الناس بعبداللّٰه بن مسعود علقمة والاسود وعبيدة والحارث وثقه ابن معين وشعبة وابن سيرين وغيرهم واثنوا عليه خيرا وهو من اجل اصحاب ابن مسعود

عبداللہ بن مسعود کے علم کو جاننے والوں میں سب سے بڑھ کر علقمہ، اسود، عبیدہ اور حارث ہیں، ابن معین، شعبہ اور ابن سیرین وغیرہم نے علقمہ کو ثقہ قرار دیا ہے اور ان کی اچھی تعریف کی ہے، علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں میں سب سے زیادہ جلیل القدر تھے۔

تقریب میں ہے:

ثقة ثبت فقيه عابد

علقمہ ثقہ ثبت فقیہ اور عابد ہیں۔

ابن حبان نے اپنی ثقات میں لکھا:

كان من افضل اهل الكوفة عبادة وفضلا وفقها وكان من

اشبھھم بعبداللّٰہ بن مسعود ھدیا ودلا.

علقمہ عبادت، فضل، فقہ کے اعتبار سے اہل کوفہ میں افضل تھے اور عادت واطوار کے لحاظ سے ان میں سب سے زیادہ عبداللہ بن مسعود کے مشابہ تھے۔

عبداللہ بن مسعود کے انتقال کے بعد اہل علم نے علقمہ سے حضرت ابن مسعود کا جانشین بننے کے لیے کہا، تو جواب دیا کہ تم لوگ مجھ کو نشانہ بنانا چاہتے ہو آپ نے اپنے گھر پر حلقہ درس قائم کیا جہاں بہت سے علما نے آپ سے حدیث وفقہ کا درس لیا، ان میں ابراہیم نخعی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آپ امرا اور حکام سے ہمیشہ دور رہتے، ایک مرتبہ لوگوں نے ان سے کہا، کہ آپ امیر کوفہ کے یہاں جا کر اس کو دین کی باتیں بتائیں انہوں نے جواب دیا کہ میں ان امرا کے پاس جا کر دنیا سے جو کچھ حاصل کروں گا، وہ اس سے بہتر میرے دین سے لے لیں گے۔

امام ابراہیم بن یزید نخعی رضی اللہ عنہ

ابوعمران ابراہیم بن یزید بن اسود بن عمرو بن حارثہ بن سعد بن مالک بن نخع نخعی کوفی، کوفہ کے ممتاز ترین تابعی ہیں، چچا علقمہ کوفہ کے ممتاز فقیہ ومحدث تھے، ابراہیم نے ان کے دامن میں پرورش پائی اور ان کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی، خصوصیت کے ساتھ علقمہ سے تحصیل فقہ کی، بچپن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، ان بزرگوں کی فیض صحبت نے ابراہیم کا دامن دولت علم سے مالا مال کر دیا تھا اور ان کا شمار اس وقت کے ممتاز ترین علما میں ہوتا تھا۔

ابراہیم کا خاص فن فقہ تھا، اس فن کے وہ امام تھے، ان کے فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے، بڑے بڑے علما فقہی مسائل کے سائلین کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے، سعید بن جبیر کے پاس جب کوئی فتویٰ پوچھنے کے لیے آتا تو اس سے کہتے ابراہیم کی موجودگی

میں مجھ سے پوچھتے ہو؟ ابووائل کے پاس جب کوئی مستفتی جاتا تو اس کو ابراہیم کے پاس بھیج دیتے اور اس سے کہہ دیتے کہ وہ جو جواب دیں مجھے بتانا۔

آپ کا ارشاد ہے، کہ روایت بغیر فہم وتدبر کے اور فہم وتدبر بغیر روایت کے ٹھیک نہیں ہے، حافظ شمس الدین ذہبی ابراہیم نخعی کے بارے میں رقم طراز ہیں:

ابوعمران ابراهيم بن يزيد بن قيس الاسود الكوفي الفقيه روىٰ عن علقمة ومسروق والاسود وطائفة ودخل على عائشة رضي الله عنها وهو صبي اخذ عنه حماد بن سليمان الفقيه وخلق وكان من العلماء ذوي الاخلاص قال مغيرة كنا نهاب ابراهيم كما يهاب الامير قال الاعمش ربما رأيت ابراهيم يصلي ثم ياتينا فيبقي ساعة كانه مريض وقال ابراهيم كان صيرفيا في الحديث وكا ن يتوقي الشهرة ولا يجلس الى الاسطوانة وقال الشعبي لما بلغه موت ابراهيم ماخلف بعده مثله وقال عبدالملك بن ابي سليمان سمعت سعيد بن جبير يقول تستفتوني وفيك ابراهيم النخعي وقالت هنيدة زوجة ابراهيم انه كان يصوم يوما ويفطر يوما ملخصا ومات في آخر خمس وتسعين۔ (تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ا ص ۷۰)

ابوعمران ابراہیم بن یزید بن قیس الاسود الکوفی الفقیہ نے علقمہ، مسروق، اسود وغیرہ سے روایت کی، بچپن میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حماد بن سلیمان الفقیہ اور بہت سے لوگوں نے آپ سے تعلیم پائی، مخلص علما میں سے تھے، مغیرہ کہتے ہیں کہ ان کی ہیبت ہمارے قلوب میں ایسی تھی جیسے دوسروں کے قلوب میں امیر کی ہوتی ہے، اعمش کہتے ہیں کہ بارہا میں نے دیکھا کہ نماز پڑھ کر آتے تو کچھ دیر کے لیے مریض جیسے

معلوم ہوتے، صیرفی الحدیث کے خطاب سے مشہور ہوئے، شہرت سے بچتے تھے، ممتاز جگہ نہ بیٹھتے تھے، امام شعبی کو جب ان کی وفات کی خبر ہوئی تو کہا اپنے بعد اپنے جیسا کسی کو نہیں چھوڑا، عبدالملک بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے سنا وہ کہتے تھے کہ کیا ابراہیم کے ہوتے ہوئے مجھ سے مسائل پوچھتے ہو؟ ابراہیم نخعی کی بیوی ہنیدہ فرماتی ہیں کہ ایک دن وہ روزہ رکھتے ایک دن افطار کرتے تھے۔ ۹۵ھ کے اخیر میں انتقال کیا۔

شعبی نے کہا:

اذا رأیت ابراهیم فلایضرك ان تری علقمة.

تم نے ابراہیم نخعی کو دیکھا تو گویا علقمہ کو دیکھا یعنی ابراہیم فضل واعمال میں علقمہ کے نمونہ تھے۔

ابونعیم نے سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ امام شعبی جب ۹۵ھ میں حضرت ابراہیم کے جنازہ میں شریک ہوئے، تو ایک آدمی کو مخاطب کر کے کہا:

قد دفنتم افقه الناس فقال الرجل ومن الحسن ومن اهل البصرة ومن اهل الكوفة واهل الشام واهل الحجاز.

تم نے سب سے بڑے فقیہ کو دفن کیا اس شخص نے کہا کہ حسن بصری سے بھی زیادہ فقیہ تھے تو امام شعبی نے کہا حسن بصری، سے بھی سب بصرہ اور کوفہ اور اہل شام وحجاز والوں سے بھی۔

اعمش نے کہا:

حضرت ابراہیم صیرفی الحدیث (ناقد و بصیر کھوٹا و کھرا پرکھنے والے) تھے، اسی لیے میں جب حدیث سنتا ہوں تو ابراہیم پر پیش کرتا ہوں تا کہ اس کی صحت کے بارے میں مطمئن ہو جاؤں۔

امام اعظم ابوحنیفہ کا بیان ہے:

ابراهیم افقه من سالم۔

ابراہیم سالم سے بڑے فقیہ تھے۔

امام حماد بن ابوسلیمان کوفی رضی اللہ عنہ

ابواسماعیل حماد بن ابوسلیمان مسلم کوفی، کوفہ کے جلیل القدر فقیہ ومحدث ہیں، حضرت انس بن مالک سے حدیث کا سماع کیا اور بڑے بڑے تابعین کے فیض علم سے مستفیض ہوئے۔ ابراہیم نخعی کے علوم کے حامل اوران کے جانشین تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود سے جوسلسلہ فقہ جاری ہوا تھا، اس کا مدار آپ پر ہی تھا۔ حضرت حماد اپنے شیخ حضرت ابراہیم نخعی کی خدمت میں برابر رہتے اور علم وفقہ بھی حاصل کرتے اور گھر کی خدمات بھی انجام دیتے۔ ابوالشیخ نے تاریخ اصبہان میں نقل کیا ہے:

وجد ابراهیم النخعی حمادا یشتری له لحما بدرهم فی زنبیل فلقیه ابوه راکبا دابة بیدحماد الزنبیل فزجره ورمی به من یده فلما مات ابرهیم جاء اصحاب الحدیث والخراسانیة یدقون علی باب مسلم بن یزید والد حماد فخرج الیهم فی اللیل بالشمع فقالوا لسنا نریدك نرید ابنك حمادا فدخل الیه فقال یا بنی قم الی هؤلاء فقد علمت ان الزنبیل ادی بك الی هؤلاء اه۔

ابراہیم نخعی نے ایک دن حماد کو ایک درہم کا گوشت خریدنے کے لیے ٹوکری دے کر بھیجا، حماد کے باپ ایک سواری پر آرہے تھے، راستے میں ملاقات ہوئی، حماد کے ہاتھ میں ٹوکری دیکھی، تو بیٹے کو ڈانٹا اور ہاتھ سے ٹوکری لے کر پھینک دیا، پس جب ابراہیم کا انتقال ہوا، اصحاب حدیث اور خراسانی لوگ آکر حماد کے والد مسلم بن یزید کا دروازہ کھٹکھٹانے لگے، رات کا وقت تھا، حماد کے والد روشنی لے کر نکلے، تو لوگوں نے کہا کہ ہمیں آپ کی تلاش

نہیں، ہم کو تو آپ کے لڑکے حماد سے کام ہے، تو وہ اندر گئے اور کہا بیٹا اٹھو ان کے پاس جاؤ اب میں سمجھا کہ ٹوکری نے تمہیں اس بلند درجہ پر پہنچایا۔

حضرت حماد مردیگانہ اور صاحب احوال بزرگ تھے، روایت حدیث کے وقت آپ پر حال طاری ہو جایا کرتا تھا، بسا اوقات بے خود ہو جاتے ہوش آنے پر وضو کرتے اور جس جگہ سے حدیث رہ گئی تھی، اسی جگہ سے آپ حدیث روایت کرتے تھے، اللہ نے مال و دولت کے ساتھ جود و سخا کی صفت سے متصف کیا تھا، رمضان کے مہینے میں روزانہ پچاس افراد کو کھانا کھلاتے، وہ عید کے دن ان میں ہر ایک کو ایک کپڑا اور ایک سو درہم عنایت کرتے، آپ امرا و خلفا کے درباروں میں حاضری کو سخت ناپسند کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ سے کہا، آپ میرے لیے اس کام کی سفارش ابن زیاد سے کر دیں، آپ نے اس شخص سے فرمایا، تم کو اس کام میں کتنے منافع کی توقع ہے، اس نے ایک ہزار درہم بتایا، آپ نے اس کو پانچ ہزار درہم دیے اور فرمایا اس حقیر رقم کے واسطے ابن زیاد کے سامنے اپنی آبرو کیوں ضائع کروں۔

آپ کا حلقہ درس جامع کوفہ میں تھا، جس میں بڑے بڑے علما، فقہا اور محدثین شرکت کیا کرتے تھے۔

آپ نے انس، زید بن وہب، سعید بن مسیّب اور سعید بن جبیر وغیرہ سے سماع حدیث کیا اور آپ سے آپ کے بیٹے اسماعیل، عاصم احول، شعبہ، ثوری، حماد بن سلمہ، مسعر بن کدام اور امام اعظم ابوحنیفہ نے روایت کیا۔

امام بخاری نے اپنی کتاب ''الادب المفرد'' میں ان سے روایات نقل کیا ہے اور صحیح بخاری میں تعلیقاً استشہاد کے طور پر روایت کیا ہے اور امام مسلم نے صحیح میں اور اصحاب سنن اربعہ نے بھی اپنی سنن میں ان کی روایت کو نقل کیا ہے۔

فقہ میں حضرت حماد، ابراہیم نخعی کے سچے جانشین تھے، استاذ کو اپنے شاگرد کی پختگی علم پر پورا اعتماد تھا، وہ لوگوں کو ان سے مسائل دریافت کرنے کی رغبت دلایا کرتے تھے

اور اپنے بعد حماد ہی کو اپنا جانشین سمجھتے تھے، چنانچہ ابن عدی نے الکامل میں بطریق یحی بن معین عن ابن ادریس عن الشیبانی عن عبدالملک بن ایاس یہ روایت نقل کی ہے، کہ عبدالملک بن ایاس شیبانی کہتے ہیں:

قلت لابراهيم من نسال بعدك قال حمادا.

میں نے ابراہیم سے پوچھا کہ آپ کے بعد کس سے ہم مسائل دریافت کریں تو ابراہیم نے کہا حماد سے۔

مغیرہ کہتے ہیں:

قلت لابراهيم قعد يفتي فقال ومايمنعه ان يفتي وقد سالني هو وحده عما لم تسئلوني كلكم عن عشره.

میں نے ابراہیم سے کہا کہ حماد تو فتویٰ دینے لگے تو ابراہیم نے کہا فتویٰ دینے سے ان کو کیا چیز مانع ہوسکتی ہے، جیسا کہ انہوں نے مجھ سے تنہا اتنے مسائل دریافت کیے ہیں کہ تم سب نے مل کر اس کا دسواں حصہ بھی دریافت نہیں کیا (یعنی وہ اہل ہیں فتویٰ دے سکتے ہیں)

ابن شبرمہ کہتے ہیں:

ما احد آمن علي بعلم من حماد

میرے نزدیک علم کے بارے میں حماد سے زیادہ کوئی قابل اعتماد نہیں۔

معمر کہتے ہیں:

ما رايت افقه من هؤلاء الزهري وحماد وقتادة.

میں نے زہری، حماد اور قتادہ سے زیادہ کسی کو افقہ نہیں دیکھا۔

عجلی کہتے ہیں:

كوفي ثقة وكان افقه اصحاب ابراهيم.

وہ کوفی ہیں، ثقہ ہیں، حضرت ابراہیم کے تمام شاگردوں میں افقہ ہیں۔

مغنی میں ہے:

کان اعلمھم برای النخعی وکان افقہ اصحاب ابراھیم۔

وہ نخعی کی فقہ کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور ابراہیم کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ تھے۔

امام اعظم کا حلقۂ درس

اساطین علم کی بارگاہوں سے فیض اٹھانے کے بعد امام صاحب نے مروجہ علوم وفنون بالخصوص فقہ میں کامل درک حاصل کرلیا تھا، وہ کہیں بھی اپنا علاحدہ حلقۂ درس قائم کرسکتے تھے، مگر جب تک حضرت حماد زندہ رہے، انہوں نے مسند درس آراستہ نہیں کی، امام زفر کا بیان ہے:

حضرت امام ابوحنیفہ نے اپنے استاذ حماد سے وابستگی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، میں دس سال آپ کی صحبت میں رہا، پھر میرا جی حصول اقتدار کی جانب مائل ہوا، تو میں نے اپنا حلقہ الگ جمانے کا ارادہ کرلیا، ایک روز میں پچھلے پہر نکلا اور چاہا کہ یہ کام کرلوں، جب مسجد میں قدم رکھا اور شیخ حماد کو دیکھا تو ان سے علاحدگی پسند نہ آئی اور آکر ان کے پاس ہی بیٹھ گیا، اسی رات حماد کو اطلاع ملی، کہ بصرہ میں ان کا کوئی عزیز فوت ہوگیا ہے، اور بہت زیادہ مال چھوڑا ہے، بجز حماد کے اس کا کوئی وارث نہیں، آپ نے مجھے اپنی جگہ بیٹھنے کا حکم دیا، ان کا جانا تھا، کہ میرے پاس چند مسائل ایسے آئے، جو میں نے اب تک ان سے نہ سنے تھے، میں جواب دیتا جاتا اور اپنے جوابات لکھتا جاتا تھا، جب حماد آئے، تو وہ مسائل پیش کردیے جو ساٹھ تھے، چالیس میں انہوں نے میرے ساتھ اتفاق کیا اور بیس میں میرے خلاف جواب دیے، میں نے قسم کھائی

فآليت على نفسى ان لا افارقه حتى يموت فلم افارقه حتى مات

ان کی زندگی تک ان سے الگ نہ رہوں گا، پھر میں اس عہد پر قائم رہا اور تمام زندگی ان کے دامن سے وابستہ رہا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۳۳)

حضرت امام صاحب نے اگرچہ حضرت حماد کی زندگی ہی میں اجتہاد کا درجہ حاصل کرلیا تھا، تاہم شاگردانہ خلوص نے گوارہ نہ کیا کہ استاذ کے ہوتے ہوئے اپنا دربار الگ جمائیں، امام صاحب اپنے استاذ کا کس درجہ ادب کرتے تھے، اس کا اندازہ ان کے اس بیان سے لگانا آسان ہوگا، کہ حماد جب تک زندہ رہے میں نے ان کے مکان کی طرف کبھی پاؤں نہیں پھیلایا۔

امام حماد بن ابوسلیمان کی وفات ۱۲۰ھ کے بعد ان کے جانشین کی ضرورت محسوس کی جانے لگی، تو لوگوں نے ان کے صاحبزادے اسماعیل بن حماد کو مسند درس پر بیٹھایا، مگر بعد میں اندازہ ہوا کہ اسماعیل نحو، عربیت، کلام عرب اور اشعار، ایام عرب کے عالم ہیں لیکن فقہ وفتاوی میں ان کو کمال حاصل نہیں ہے، جس کی توقع تھی، اس لیے لوگوں نے ابوبکر نہشلی کو حماد بن ابوسلیمان کا جانشین بنانا چاہا، مگر انہوں نے انکار کر دیا، اس کے بعد ابو بردہ تمیمی سے کہا گیا، انہوں نے بھی انکار کر دیا، اس لیے سب حضرات نے متفقہ طور پر ابوحنیفہ کا انتخاب یہ کہہ کر کیا، ''ان ھذا لخزاز حسن المعرفۃ وان کان حدیثا '' یہ ریشم فروش اگرچہ نوعمر ہے، فقہ کی معرفت اچھی رکھتا ہے۔ امام صاحب نے اپنے ساتھیوں کی بات رکھتے ہوئے استاذ کے حلقہ میں بحیثیت معلم بیٹھنا منظور کرلیا اور حماد بن ابی سلیمان کے اونچے تلامذہ ان کے حلقہ درس میں شریک ہونے لگے، جب اس کی خبر علمائے کوفہ میں عام ہوئی، تو ابو یوسف، اسد بن عمرو، قاسم بن معن، زفر بن ہذیل، ولید بن ابان، ابوبکر ہذلی اور دوسرے اہل علم آنے لگے، اور کوفہ کی جامع مسجد اتنی پرکشش ہوگئی کہ امراء و حکام اور اعیان و اشراف تک جمع ہونے لگے۔

ابتدا میں امام صاحب کو استاذ کی جانشینی اور اپنا حلقہ درس قائم کرنے میں بڑا تردد اور خلجان تھا، انہیں دنوں انہوں نے ایک خواب دیکھا، جو بظاہر بڑا پریشان کن تھا، ان کا

بیان ہے، کہ میں نے دیکھا، کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھود رہا ہوں، اس خواب سے بہت زیادہ گھبراہٹ پیدا ہوئی اور میں نے بصرہ جا کر ایک شخص کے ذریعہ حضرت محمد بن سیرین سے اس کی تعبیر دریافت کی تو انہوں نے فرمایا:

هذا رجل ينبش اخبار النبي صلى الله عليه وسلم۔

یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ظاہر کرے گا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۵)

صاحب حدائق الحنفیہ نے شغل درس وتدریس اختیار کرنے کے سلسلے میں یہ واقعہ نقل کیا ہے

جب آپ تمام علوم میں کامل ومکمل ہو گئے تو آپ نے صوف پہن کر گوشہ نشینی کا قصد کیا، اس پر آپ نے ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضرت فرماتے ہیں کہ اے ابوحنیفہ! آپ کو خدا نے میری سنت زندہ کرنے کے لیے پیدا کیا ہے، آپ گوشہ نشینی وعزلت کا قصد ہرگز نہ کریں، یہ بشارت آپ پاتے ہی افادت وافاضت خلائق اور اجتہاد واستنباط مسائل شرعیہ میں مشغول ہوئے، یہاں تک کہ آپ کا مذہب نشر آفاق ہوا۔ (ص ۴۶، ۴۷)

حلقہ درس قائم کرنے کی وجہ جو بھی ہو، اس سے قطع نظر یہ امر مسلم ہے کہ امام اعظم کو رب العزت جل جلالہ نے تبحر علمی تفقہ اور تفہیم وتکلم، جودت فکر، استحضار علم عطا فرمایا تھا، اس کی شہرت صرف کوفہ یا عراق کے دوسرے شہروں تک محدود نہیں رہی، بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں اس کا غلغلہ بلند ہوا اور تشنگان علم جوق در جوق حلقہ درس میں حاضر ہونے لگے۔

اندلس کے سوا اس وقت کی اسلامی دنیا کا کوئی حصہ نہ تھا، جو ان کی شاگردی کے تعلق سے آزاد رہا ہو، کوفہ ومضافات کوفہ کے علاوہ جن بلاد وامصار کے طالبان علم آپ کی بارگاہ میں کسب علم کے لیے حاضر ہوتے ان کا شمار ممکن نہیں چند اضلاع وامصار کے نام یہ ہیں۔

بصرہ، مکہ، مدینہ، دمشق، واسط، موصل، جزیرہ، رقہ، نصیبین، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان، اصفہان، حلوان، ہمدان، نہاوند، رے، قومس، دامغان، طبرستان، جرجان، نیشاپور، سرخس، نسا، بخارا، سمرقند، صنعان، ترمذ، ہرات، خوارزم، سیوستان، مدائن، حمص۔

بلفظ دیگر یوں کہا جائے کہ ان کے استاذی کے حدود اس وقت کی عباسی خلافت کی حدود سلطنت کے برابر تھے۔

امام صاحب کا حلقہ درس تعلیم و تدریس فقہ کے لیے مخصوص تھا، لیکن فقہی مسائل کے مصادر، قرآن و حدیث کی تفسیر و تعبیر، اصول اجتہاد و استنباط نیز حدیث کے اصول روایت و درایت بھی زیر بحث آتے۔ امام صاحب کا طریقہ یہ ہوتا کہ فقہی مسائل پیش کرتے اور ان پر شاگردوں کو رائے زنی کی اجازت ہوتی، وہ اپنے علم و قیاس کے مطابق مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد اپنی رائے پیش کرتے۔

انداز مباحثہ و مذاکرہ تربیت کا خاص اسلوب ہے، جس سے شاگرد کی فکر و تحقیق میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے اور مسائل کی تہہ تک پہنچنے کا شعور پروان چڑھتا ہے۔

جب کوئی حدیث سامنے آتی وہ جن احکام پر مشتمل ہوتی ان کے علل کے وجوہات پر غور کرتے، بحث و جدل کا بازار گرم ہوتا، جو مسائل علت میں اصل کے شریک ہوتے ان کو اس اصل پر متفرع قرار دیتے اور اسی کا نام فقہ ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے جو شخص حدیثیں بیان کرتا ہے مگر فقہ سے آشنائی پیدا نہیں کرتا ایک عطار کی طرح ہے جو دوائیں جمع کرتا ہے مگر اسے معلوم نہیں کہ یہ کس مرض کے لیے ہیں، یہاں تک کہ طبیب آ کر بتاتا ہے، اسی طرح طالب حدیث کو معلوم نہیں کہ اس حدیث کا مقصد کیا ہے اور فقیہ ہی اس کی گرہ کشائی کر سکتا ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ اپنے تلامذہ کو تقلید پیشہ متعلم نہیں بنانا چاہتے تھے، بلکہ ایک مناظر کی حیثیت میں دیکھنا پسند کرتے تھے۔ امام صاحب تین باتوں کا خاص

خیال رکھتے۔

(۱) تلامذہ کی مالی امداد کرتے اور گردش ایام میں ان کا ساتھ دیتے، جس کو شادی کی ضرورت ہوتی اور وہ مالی وسائل نہ رکھتا اس کی شادی کر دیتے ہر شاگرد کی ضروریات کی کفالت فرماتے۔ شریک کا قول ہے:

آپ اپنے طلبہ کو ضروریات سے بے نیاز کر دیتے اور ان پر اور ان کے اہل وعیال پر خرچ کرتے، جب شاگرد طلب علم سے فارغ ہوتا تو فرماتے، حلال وحرام کی معرفت کی وجہ سے اب تم غنی ہو گئے ہو۔

(۲) تلامذہ کی کڑی نگرانی کرتے، جب کسی میں احساس علم کے ساتھ کبر ونخوت کے آثار دیکھتے تو ان کا ازالہ فرماتے اور اس کو باور کراتے کہ وہ ہنوز دوسروں سے استفادہ کا محتاج ہے۔

(۳) آپ تلامذہ کو نصیحت کرتے رہتے خصوصا ان لوگوں کو جو اپنے وطن کو واپس جانے والے ہوتے یا جن سے بڑا آدمی بننے کی توقع ہوتی۔ (الخیرات الحسان ص ۴۱، ۴۲، ۴۳)

امام صاحب انتہائی محتاط اور متحمل مزاج معلم تھے، طلبہ کے اشکالات واعتراضات بڑی خندہ پیشانی سے سنتے اور انتہائی نرمی سے جواب دیتے، ایک مرتبہ کسی مسئلے کی بابت ارشاد فرمایا: ''اخطأ الحسن'' حسن نے غلطی کی۔ ایک صاحب غصے میں کھڑے ہو گئے اور آپ کی شان میں گستاخی کی، مجلس میں سناٹا چھا گیا کافی دیر تک درس موقوف رہا، تلامذہ کو طیش آیا اور آپ نے منع فرما دیا، پھر جب سب کا غصہ ٹھنڈا ہوا، تو آپ نے نرمی کے ساتھ فرمایا: ''واللہ اخطأ الحسن واصاب ابن مسعود'' خدا کی قسم حسن سے خطا ہوئی اور ابن مسعود نے درست فرمایا۔

دوران درس مکمل انہماک اور طمانیت ہوتی۔ ایک مرتبہ چھت سے آپ کی گود میں سانپ گرا لوگ دیکھتے ہی بھاگنے لگے، لیکن آپ کی ہیئت میں کوئی فرق واقع نہ ہوا، معمولی طور پر کپڑے کو جھٹک دیا اور پھر درس میں مصروف ہو گئے۔

آپ کی تقریر اتنی جامع اور حقائق ومعارف پر مبنی ہوتی، کہ طلبہ پورے طور پر مطمئن ہو جاتے۔ حافظ ابوحمزہ محمد بن میمون نے قسم کھا کر کہا، کہ ابوحنیفہ کی تقریر سن کر مجھے جس قدر خوشی ہوتی واللہ وہ لاکھ اشرفی کے ملنے سے بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

یوسف بن خالد سمتی کا بیان ہے وہ فرماتے ہیں۔ جب میں دوسروں سے علم حاصل کر کے امام صاحب کے حلقے میں بیٹھا اور ان کی تقریریں سنیں، تو معلوم ہوا، کہ علم کے چہرے پر نقاب تھی، جو ان کی تقریروں سے اٹھ گئی۔

ابوسفیان حمیری فرماتے ہیں، کہ سخت مسائل کا کشف اور احادیث مبہمہ کی تفسیر جو امام ابوحنیفہ نے کی وہ کسی اور سے نہ ہو سکی۔

امام صاحب کے حلقہ درس میں لوگوں کا ہجوم اور بحث ومناظرہ کا ہنگامہ رہتا، جدل ومناظرہ کے ماحول میں جب امام صاحب تقریر شروع کرتے تو سب خاموش ہو جاتے، مصعب کہا کرتے تھے، کہ اتنی بلند آوازوں کو جس شخص کی تقریر سے اللہ تعالیٰ ساکت کر دیتا ہے وہ اسلام میں ایک عظیم الشان شخص ہے۔

علی بن مدینی کہتے ہیں: سمعت یوسف بن خالد السمتی یقول کنا نجالس البتّی بالبصرة فلما قدمنا الکوفة جالسنا ابا حنیفة فاین البحر من السواقی فلا یقول احدیذکر ہ انه رای مثله ماکان علیه فی العلم کلفة وکان محسودا.

(اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۵۴)

میں نے یوسف بن خالد سمتی سے سنا کہ بصرہ میں ہم بتی کے پاس بیٹھتے تھے اور جب ہم کوفہ آئے، ابوحنیفہ کے پاس بیٹھے، کہاں سمندر اور کہاں پانی کی نالی جس نے بھی ان کو دیکھا ہے وہ یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ اس نے ان کا مثل دیکھا ہے، علم میں ان کے لیے کوئی دقت نہ تھی اور ان سے حسد کیا جاتا تھا۔

امام اعظم کی مجلس درس میں طلبہ کو فقہی مسائل پر کھل کر بحث کرنے کی اجازت تھی اور بسا اوقات بحث ومباحثہ کے درمیان شاگردوں کی آواز بلند ہو جاتی۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مسجد میں ابوحنیفہ کی مجلس درس سے گزرا دیکھا کہ ان کے اردگرد شاگردوں کی جماعت بلند آواز سے بحث ومباحثہ کر رہی ہے، میں نے کہا کہ آپ لوگوں کو مسجد میں شور کرنے سے کیوں نہیں روکتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ''دعھم فانھم لا یتفقھون الا بھذا '' ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو وہ اسی طرح تفقہ حاصل کریں گے۔ (مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ ص ۲۱)

امام صاحب کی مقبولیت

مسند تدریس پر فائز ہونے کے بعد آپ کے طریقہ درس کی انفرادیت اور آپ کی جامع کمال عبقری شخصیت کا شہرہ شرق سے لے کر غرب اور شمال سے لے کر جنوب تک سارے اسلامی بلاد میں پھیل گیا۔ لوگ کوفہ آ کر استفادہ کرتے اور جب کبھی امام صاحب بغرض سفر باہر تشریف لے جاتے تو وہاں بھی تشنگان علم کا ازدحام ہو جاتا حتی کہ سفر حرمین شریفین میں بھی یہی کیفیت رہتی۔

کبھی وہ زمانہ تھا کہ امام ابوحنیفہ نے ایک طالب علم کی حیثیت سے حرمین کا سفر کیا تھا اب یہ نوبت پہنچی کہ سفر کا قصد کرتے تو تمام اطراف میں شہرہ ہو جاتا کہ فقیہ عراق عرب کو جا رہا ہے، جس شہر یا گاؤں میں گزر ہوتا تو ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہو جاتا اور لوگ استفادہ کرتے، ایک دفعہ مکہ معظمہ گئے تو لوگوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ مجلس میں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی ارباب حدیث وفقہ دونوں گروہ کے لوگ تھے اور شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک پر ایک گرا جاتا تھا۔ آخر امام صاحب نے تنگ آ کر کہا، کاش ہمارے میزبان سے جا کر کوئی کہتا، کہ اس ہجوم کا انتظام کرے، ابوعاصم نبیل حاضر تھے، عرض کی کہ میں جاتا ہوں، لیکن چند مسئلے دریافت کرنے سے رہ گئے، امام صاحب نے پاس بلایا اور زیادہ توجہ کے ساتھ ان کی باتیں سنیں، اس میں میزبان کا خیال ہی جاتا رہا، ابوعاصم سے فارغ ہو کر ایک اور

طالب علم کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر وہی سلسلہ قائم ہوگیا، تھوڑی دیر بعد خیال آیا تو فرمایا کس شخص نے میزبان کے پاس جانے کا اقرار کیا تھا وہ کہاں گیا ابو عاصم بولے میں نے عرض کیا تھا، فرمایا پھر تم گئے نہیں؟ ابو عاصم نے مناظرانہ شوخی سے کہا، میں نے تو یہ نہیں کہا تھا کہ ابھی جاتا ہوں جب فرصت ہوگی جاؤں گا امام صاحب نے فرمایا:

''احتال علی ان مخاطبات الناس لاتقع علی ھذاا لذی ترید انما علی الفور'' عام بول چال میں ان احتمالات کا موقع نہیں ان لفظوں کے معنی وہی لیے جائیں گے، جو عوام کی غرض ہوتی ہے۔ (یہ بھی ایک فقہی مسئلہ تھا، جس کو امام صاحب نے باتوں باتوں میں حل کردیا۔) (الجواہر المضیہ باب الکنی ترجمہ ابو عاصم ص ۲۵۲)

اہم تلامذہ

امام اعظم کے علمی تبحر اور شان اجتہاد سے تقریباً تیس سال تک علم فقہ کے شیدائی فیض یاب ہوتے رہے، جن کا شمار ازبس دشوار ہے۔ امام صاحب کی خصوصی تعلیم وتربیت سے ہزاروں فقیہ پیدا ہوئے اور علامہ کردری نے آٹھ سو ایسے تلامذہ کا ذکر کیا ہے، جو فقہاو محدثین کی صف میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ تعداد آپ کے مشاہیر تلامذہ کی ہے، آپ کے تلامذہ میں درجنوں ایسے اصحاب شامل ہیں، جو اجتہاد کے منصب پر فائز تھے۔

آپ کے حلقہ درس میں شریک ہونے والے دس ایسے علما تھے، جو حلقہ کے ہر وقت حاضر باش تھے، ان میں چار حضرات حافظ قرآن کی طرح فقہ کے حافظ تھے، زفر بن ہذیل، ابو یوسف، اسد بن عمرو، علی بن مسہر۔ ایک قول کے مطابق سفیان ثوری علی بن مسہر کے ذریعہ امام صاحب کے اقوال لیتے تھے اور انہوں نے اپنی کتاب الجامع کی تدوین میں علی بن مسہر سے بحث ومذاکرہ کرکے مدد لی ہے۔

امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد کا بیان ہے، کہ امام ابو حنیفہ کے خاص شاگرد دس تھے، ابو یوسف، زفر، اسد بن عمرو بجلی، عافیہ اودی، داؤد طائی، قاسم بن معن

مسعودی، علی بن مسہر، یحی بن زکریا بن ابی زائدہ، حبان بن علی غزی، ان کے بھائی مندل۔ ان میں ابو یوسف اور زفر جیسا کوئی نہیں تھا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۴۵)

انہیں کا بیان ہے، کہ ایک مرتبہ امام صاحب نے کہا کہ ہمارے تلامذہ چھتیس ہیں، ان میں اٹھائیس عہدہ قضا کے لائق ہیں، چھ فتویٰ کے قابل ہیں اور دو قاضیوں اور مفتیوں کو تعلیم و تربیت دے سکتے ہیں، یہ کہہ کر ابو یوسف اور زفر کی طرف اشارہ کیا۔

ذیل میں چند اہم تلامذہ کے اسمائے گرامی نقل کیے جاتے ہیں۔

قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن شیبانی، زفر، حماد بن ابی حنیفہ، حسن بن زیاد، نوح بن ابی مریم، اسد بن عمرو، حکم بن عبداللہ، مغیرہ بن مقسم، زکریا بن ابی زائدہ، مسعر بن کدام، سفیان ثوری، مالک بن مغول، یونس بن ابی اسحاق، داؤد طائی، حسن بن صالح، ابوبکر بن عیاش، عیسیٰ بن یونس، علی بن مسہر، حفص بن غیاث، جریر بن عبدالحمید، وکیع بن جراح، ابو اسحاق فزاری، یزید بن ہارون، مکی بن ابراہیم، ابوعاصم نبیل، عبدالرزاق، ابوعبدالرحمٰن مقری، ہشیم بن بشیر، علی بن عاصم، عباد بن عوام، جعفر بن عون، ابراہیم بن طہمان، حمزہ بن حبیب، یزید بن زریع، یحیٰ بن یمان، خارجہ بن مصعب، مصعب بن مقدام، ربیعہ بن عبدالرحمٰن، یحی بن نصر، عمرو بن محمد، حوضہ بن خلیفہ، عبیداللہ بن موسیٰ۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۴۹)

سیاسی ہنگامہ آرائی اور امام اعظم کا کردار

زید بن علی رضی اللہ عنہ کا خروج

بنو امیہ کی حکومت عدل وانصاف کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے بجائے قیصر وکسریٰ کی آمریت کو فروغ دے رہی تھی، ذاتی اقتدار کے استحکام کی راہ میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ کو وہ بزور شمشیر خس وخاشاک کی طرح بہا دینے کا عزم رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں حجاج کا ظالمانہ کردار کسی سے مخفی نہیں۔ حضرت امام کا شہر کوفہ بھی اموی اقتدار کے شکنجہ میں تھا، اہل حق وصداقت نے جب بھی آواز بلند کی پوری قوت کے ساتھ اسے دبا دیا گیا۔ کوفہ میں ہشام بن عبدالملک کی طرف سے ابن النصرانیہ (۱۰۵ھ تا ۱۲۰ھ) مسلسل پندرہ سال تک گورنری کے فرائض انجام دیتا رہا۔ بظاہر تو یہ مسلمان تھا، لیکن اسلام کی پاسداری کے بجائے کفر وطغیان کی حمایت میں لگا رہتا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا "کان الاسلام ذلیلا والحکم کان لاھل الذمۃ" اہل اسلام اس زمانہ میں ذلیل تھے اور حکومت اہل ذمہ کے حق میں تھی۔ (الکامل ج ۵ ص ۸۲)

ابن النصرانیہ کی ذہنیت میں اس کی نصرانی ماں کا کافی دخل تھا، جس کی متابعت میں اس نے نصرانیوں کو کھلی چھوٹ دے دی تھی حتی کہ وہ مسلمانوں سے جبری ٹیکس وصول کیا کرتے تھے۔ اسی ابن النصرانیہ نے کوفہ کی مسجدوں کے میناروں کو منہدم کرنے کا حکم دیا تھا، وہ کہتا تھا، کہ ان میناروں سے موذن لوگوں کی بہو بیٹیوں کو دیکھتے ہیں۔ دوسری جانب اس نے اپنی نصرانی ماں کے لیے کوفہ میں بہت بڑا گرجا گھر تعمیر کر دیا تھا۔ فرزدق نے اسی پر یہ شعر کہا تھا۔

بنی فیھا النصاریٰ لامہ ویھدم من کفر منار المساجد

اپنی ماں کے لیے تو کوفہ میں اس نے گرجا گھر بنایا اور اپنے کفر کی وجہ سے مسجدوں کے میناروں کو ڈھا رہا ہے۔ (کامل ج۵ص۱۰۲)

اس طرز عمل کے باوجود چونکہ وہ اموی اقتدار کی بنیادوں کو مستحکم کر رہا تھا، اس لیے دارالخلافہ دمشق سے اس کے خلاف کوئی تادیبی فرمان جاری نہ ہوتا تھا اور وہ کوفہ ہی نہیں پورے عراق کو اپنی میراث تصور کرنے لگا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر الزام لگاتا تھا، کہ میری قوم بجیلہ سے عراق کو جبراً چھین کر مسلمانوں کے حوالے کر دیا، اسی لیے وہ کہتا تھا "انی مظلوم ماتحت قدمی شبر الا وھو لی" میں مظلوم ہوں، میرے پاؤں کے نیچے کا کوئی حصہ بھی ایسا نہیں ہے، جو میرا نہیں ہے۔ (کامل ج۵ص۸۰)

عام مسلمان تو اس کے ظلم و تشدد سے تنگ آ چکے تھے، لیکن اس کے حاشیہ نشیں بڑی فراغت اور عیش کی زندگی بسر کیا کرتے تھے، خود بھی اس نے بے تحاشا دولت اکٹھا کر لی تھی، جس کی بنیاد پر خلیفہ کی گرفت میں آ گیا، اس نے یمن کے گورنر یوسف بن عمر کو کوفہ کی ولایت سونپی اور حکم دیا کہ ابن النصرانیہ سے سختی کے ساتھ سرکاری خزانے کی پچاس کروڑ رقم کے بارے میں چھان بین کی جائے کہ وہ کیا ہوئی اور اس سلسلے میں پوری سختی سے کام لیا جائے ایک دن خالد سے ابن النصرانیہ نے کہا: جس رقم کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو اس کا بڑا حصہ میں نے مدینہ میں تین آدمیوں کے پاس محفوظ کر دیا، جن میں حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے زید بھی ہیں۔ یوسف نے یہ اطلاع ہشام کو دی۔ خلیفہ ہشام نے تینوں آدمیوں کو کوفہ طلب کیا۔ جب یہ لوگ کوفہ پہنچے، تو یوسف نے خالد کے سامنے ان لوگوں سے پوچھ تاچھ شروع کی۔ خالد کو دیکھ کر حضرت زید بن علی نے فرمایا، کہ بھلا یہ ہمارے پاس مال کیوں جمع کراتے لگا۔ صبح و شام برسر منبر میرے جد امجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو گالیاں سناتا ہے، اس کے بعد یوسف نے ابن النصرانیہ سے پوچھا کہ تم نے یہ بات کیوں کہی، اس نے جواب دیا "شدد علی العذاب فادعیت

ذلك واملت ان یاتی اللہ یفرج قبل قدومكم' مجھ پر تشدد حد سے بڑھا، تو میں نے مہلت کے لیے یہ دعویٰ کر دیا کہ آپ لوگوں کے پاس مال میں نے جمع کرایا ہے، میری غرض یہ تھی، کہ شاید خدا اسی کو میری مصیبت کے ازالے کا سبب بنا دے۔

(کامل ج۵ص۸۴)

اموی دور اقتدار میں بنو ہاشم بالخصوص آل فاطمہ پر ظلم وستم کے جو پہاڑ توڑے گئے اس سے ہر مسلمان بخوبی واقف ہے۔ اہل بیت کو اس شدت کے ساتھ کچل دیا گیا، کہ واقعہ حرہ جو شہادت امام حسین کے ردعمل ہی میں وقوع پذیر ہوا، امام زین العابدین یا اہل بیت میں سے کسی نے اس میں شرکت نہیں کی۔ چنانچہ امام زین العابدین فرماتے ہیں: "ماخرج فیھا احد من آل ابی طالب ولاخرج فیھا من بنی عبدالمطلب لزموا بیوتھم" ابوطالب کے خاندان میں سے کوئی بھی آدمی نہ اس ہنگامے میں شریک ہونے کے لیے نکلا اور نہ ہی عبدالمطلب کے گھرانے والے نکلے سب کے سب اپنے گھروں میں پڑے رہے۔ (کامل ج۵ص۵۹)

اہل بیت نبوت نے واقعہ کربلا کے بعد خود کو سیاسی ہنگاموں سے دور کر لیا تھا، امام زین العابدین نے پوری عمر گوشہ عبادت میں گزاری اور ہر سیاسی ہنگامے اور شورش سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا اور دوسروں کو بھی اس سے الگ رہنے کی تاکید فرمائی۔ خراسان کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں آئے اور اپنے اوپر بنی امیہ کے مظالم کی داستان بیان کی۔ ابن سعد کا بیان ہے:

ان علی بن حسین کان ینھی عن القتال فان قوما من اھل خراسان لقوہ فشکوا الیہ ما یلقون من ظلم ولاتھم فامرھم بالصبر والکف وقال انی اقول لکم کما قال عیسی بن مریم علیہ السلام ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفر لھم فانك انت العزیز الحکیم۔

علی بن حسین لوگوں کو جنگ و جدل سے منع کیا کرتے تھے، خراسان سے کچھ لوگ آپ سے آ کر ملے اور جن مظالم میں گرفتار تھے، ان کا شکوہ حضرت سے کیا، آپ نے ان کو صبر کی تلقین کی اور لڑائی جھگڑے سے بچے رہنے کی تاکید کی اور فرمایا کہ ان ظالموں کے متعلق میں یہی کہتا ہوں، جو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا، اگر تو انہیں سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو غالب حکمت والا ہے۔ (ایضاً ج ۵ ص ۱۶۰)

امام زین العابدین واقعہ کربلا کے بعد دنیا سے بے نیاز ہو کر عبادت و ریاضت میں اس درجہ منہمک رہتے تھے کہ انہیں بڑے سے بڑے حادثے کی خبر نہ ہوتی تھی اور آپ ہر ہنگامے اور شورش سے دور رہتے۔

زید بن علی انہیں کے صاحبزادے تھے، زید بن علی نہایت خوبرو، دراز قامت پر کشش شخصیت کے مالک تھے، علم و تقویٰ میں اپنے اسلاف کی یادگار تھے، شیعوں کا فرقہ زیدیہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے۔ غیر معمولی ذہانت و فطانت اور علم و فضل کے ساتھ ان کے اندر موروثی شجاعت بھی تھی، امام اعظم کا ارشاد ہے:

شاھدت زید بن علی کما شاھدت اھله فما رایت فی زمانه افقه منه ولا اعلم ولا اسرع جوابا ولا ابین قولا۔ (الروض الکبیر ص ۵۰)

میں نے زید بن علی کو دیکھا تھا جیسے ان کے خاندان کے دوسرے حضرات کے مشاہدے کا موقع ملا ہے، میں نے ان کے زمانے میں ان سے زیادہ فقیہ آدمی کسی اور کو نہیں پایا اور ان جیسا حاضر جواب اور واضح صاف گفتگو کرنے والا آدمی اس عہد میں مجھے کوئی نہیں ملا۔

زید کے بھتیجے امام جعفر صادق نے آپ کی شہادت کے بعد فرمایا: واللہ میرے چچا ہم لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن کے پڑھنے، والے سب سے زیادہ اللہ کے دین کی سمجھ رکھنے والے اور رشتہ کا خیال کرنے والے تھے، خدا کی قسم دنیا اور آخرت دونوں کے

متعلقہ مسائل کے لیے انہوں نے ہمارے خاندان میں اپنے جیسا آدمی نہیں چھوڑا۔

(حوالہ بالا)

پوچھ تاچھ کے بعد زید بن علی کو کوفہ ہی میں روک لیا گیا واقعہ کربلا کے بعد کسی بھی ہاشمی کا داخلہ کوفہ میں ممنوع تھا۔ کوفہ والے اہل بیت کے معتقد اور ان کی سیاسی قیادت کے قائل تھے، امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن علی کو پا کر بے حد خوش ہوئے چونکہ وہ پہلے ہی سے امویوں کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے، اس لیے حکومت کے خلاف ان کی دبی ہوئی آگ پھر بھڑک اٹھی اور انہوں نے انقلاب حکومت کے ارادے سے زید بن علی کو اپنا قائد بنالیا اور اس بات کا یقین دلایا کہ کوفہ کے ایک لاکھ باشندے آپ کے ساتھ ہیں اور چار ہزار لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر امویوں سے لڑنے مرنے کی بیعت کی۔ خروج کی تیاریاں اندر ہی اندر ہو رہی تھیں کہ اموی گورنر کو علم ہو گیا، حضرت زید نے ۱۲۲ھ میں خروج کے منصوبے کی تکمیل سے پہلے ہی خروج کر دیا، جب تصادم کا موقع آیا تو کوفہ کے شیعان علی نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ جنگ کے وقت صرف ۲۱۸ آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ دوران جنگ ایک تیر سے گھائل ہوئے اور ان کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ اس طرح زید بن علی کی تحریک ناکام ہو گئی، لیکن انہوں نے امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اپنے دادا کی طرح جام شہادت نوش فرمایا اور اہل حق کے سینوں میں انقلاب حکومت کی چنگاریاں چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے، کہ جب آپ کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا، تو فرمایا ''شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اپنے دین کو حد کمال تک پہنچانے کا اس وقت موقع عطا فرمایا، جبکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت شرمندہ تھا، کہ میں نے ان کی امت کو معروف کا حکم کیوں نہیں دیا اور منکر سے کیوں نہیں روکا۔ (مقدمہ الروض الکبیر ص ۷۳)

ابوعوانہ سفیان ثوری کے بارے میں نقل کرتے ہیں: ''اذا ذکر زید بن علی یقول بذل مهجته لربه وقام بالحق لخالقه ولحق بالشهداء مرزوقين

بـآبـائـہ ''جب سفیان ثوری حضرت زید بن علی کا ذکر کرتے تو کہتے اپنی جان اللہ کی راہ میں نثار کر دی اور اپنے خالق کی مرضی کی پابندی میں حق کو لے کر کھڑے ہوئے اور اپنے ان گزشتہ آبا و اجداد میں شریک ہو گئے، جنہیں خدا نے شہادت کی توفیق عطا فرمائی تھی۔

(ایضاً ص ۵۵)

اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے، کہ حضرت زید بن علی کے ساتھ کوفہ کے عوام ہی نہیں بلکہ خواص اور علما کا بڑا طبقہ بھی تھا۔

امام اعظم کا رویہ

امام اعظم ابوحنیفہ بھی انہیں لوگوں میں تھے، جو زید بن علی کے طرفدار تھے لیکن کھل کر میدان میں نہیں آئے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کوفہ والوں کی کمزوریوں سے واقف تھے۔ اور زید بن علی کے گرد ایسے لوگوں کا حلقہ تھا، جو مشکل وقت میں ثابت قدم نہیں رہ سکتے تھے۔ مضبوط اموی حکومت کے انقلاب کی جدوجہد کے لیے جس عسکری تنظیم اور قوت کی ضرورت تھی، وہ زید بن علی کے پاس نہیں تھی، اس لیے امام صاحب کھل کر میدان میں نہیں آئے۔ حضرت زید نے خود امام صاحب کے پاس فضیل بن زبیر کو تحریک میں عملاً شرکت کی دعوت کے لیے بھیجا۔ فضیل کا بیان ہے، امام ابوحنیفہ نے سب سے پہلا سوال یہ کیا، کہ فقہا میں سے کن کن لوگوں کی آمد و رفت زید کے پاس ہے؟ فضیل نے نام شمار کرائے پھر امام نے ارشاد فرمایا:

(۱) خروجه يظاهر خروج رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم بدر۔

حضرت زید کا خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر میں تشریف آوری کے مشابہ ہے۔ (ایضاً ص ۲۶)

(۲) لو علمت ان الناس يخذلونه ويقومون قياما معه صدق لكنت اتبعه واجاهد معه من خالفه۔

اگر میں جانتا کہ لوگ آپ کو وقت پر چھوڑ نہ دیں گے اور واقعی راست بازی اور سچے عزم کے ساتھ ان کی رفاقت میں کھڑے ہوں گے، تو میں ضرور ان کی پیروی کرتا اور ان کے مخالفوں سے جہاد کرتا۔ (ایضاً ص ۲۶۰)

امام ابوحنیفہ شیعان علی کے کردار سے واقف تھے، ماضی کے تلخ تجربات ان کے سامنے تھے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ تحریک جو ابھی نشوونما کے ابتدائی مراحل میں ہے، اس میں صالح مخلص لوگوں کی کمی ہے اور یہ تحریک دوسرے اسلامی بلاد و امصار میں نہیں، جہاں سے وقت ضرورت مدد حاصل ہو سکے، اس لیے تحریک کی ناکامی کا انہیں یقین تھا، اس بنا پر شرکت سے معذرت خواہ ہوئے، لیکن زید بن علی کا حق پر ہونا، ان کے نزدیک مسلم تھا۔ چنانچہ عملاً شرکت سے الگ رہے، لیکن مالی تعاون پیش فرمایا اور یہ پیش کش غالباً دس ہزار روپیوں کی تھی۔ اس وقت امام صاحب نے فرمایا تھا:

استعن به علی حرمك وما انت فيه واعن به ضعفاء اصحابك۔

اپنے گھر کے لوگوں کی خبر گیری میں اس سے کام لیجیے اور آپ کے رفقا میں جو ضعیف لوگ ہیں، ان کی اس سے امداد فرمائیے۔ (موفق ج ۲ ص ۸۳)

ایک دوسری روایت میں ہے:

كان ابو حنيفة يفتي سرا لوجوب نصرة زيد وحمل المال اليه۔

امام ابوحنیفہ پوشیدہ طور پر حضرت زید کی امداد کے فرض ہونے کا فتویٰ دیتے تھے اور ان کے پاس پوشیدہ طور پر مالی امداد بھی بھیجتے تھے۔

(مقدمۃ الروض ص ۴۶)

امام اعظم حضرت زید بن علی کی اس تحریک کے موید، مالی معاون اور در پردہ لوگوں کو تحریک سے وابستہ ہونے کی دعوت دیا کرتے تھے، جس کا واضح مطلب یہی تھا، کہ آپ

حضرت زید کے خروج کو حق تسلیم کرتے تھے، لیکن ان کے رفقا کی پرخلوص رفاقت مشتبہ تھی اور ایسی صورت میں ناکامی یقینی تھی، اس لیے امام نے بنفس نفیس شرکت نہیں کی۔ کیوں کہ شریک ہوکر اپنی جان کو مفت ضائع کرنا امام کے خیال میں بے سود تھا۔ ائمہ جور کے مقابلے میں نبرد آزما ہونا اسی صورت میں ان کے نزدیک ضروری تھا، جب کہ عسکری تنظیم مکمل اور رفقا صالح اور غیر مشتبہ ہوں، تاکہ وقت کی طاغوتی قوت سے ٹکرا کر اسے پاش پاش کر دیا جائے اور انقلاب حکومت کی کوشش بارآور ہو۔

امام اعظم اور خوارج

آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد بن مروان ۱۲۷ھ تا ۱۳۲ھ جب دمشق کے تخت پر بیٹھا، تو اموی سلطنت کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ ہر طرف بدنظمی اور شورش کا دور دورہ تھا۔ گرتی ہوئی حکومت کو سنبھالنے کی مروان کے اندر صلاحیت نہ تھی، اس کی پے در پے سیاسی حماقتوں کی بنا پر حکومت کی ساکھ گرتی چلی گئی۔ دوسری شورشوں کے ساتھ خارجیوں نے کوفہ میں بھی سر ابھارا۔ کوفہ میں وہاں کی امارت کو لے کر عبداللہ بن عمر اور نصر بن سعید میں سخت سیاسی کش مکش پیدا ہو چکی تھی، ضرب و حرب کی نوبت تھی۔ اس موقع کو غنیمت جان کر خارجیوں کا ایک سردار ضحاک بن قیس شیبانی اٹھ کھڑا ہوا وقتی طور پر نصر اور عبداللہ نے صلح کر لی۔ عبداللہ، ضحاک کے مقابلے میں آیا لیکن اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا، اس طرح کوفہ پر خارجیوں کا قبضہ ہو گیا، تو انہوں نے برملا اپنے عقائد کا اعلان اور تبلیغ شروع کر دی، چونکہ وہ مرتکب کبیرہ کو کافر اور واجب القتل قرار دیتے تھے، انہیں جب بھی موقع ملتا مسلمانوں کے قتل و غارت گری سے باز نہیں رہتے۔ خارجیوں کے سردار نے امام اعظم کو بھی اپنے پاس طلب کیا، جب امام صاحب خارجیوں کے قائد کے پاس آئے، تو لوگوں نے بتایا، کہ یہ کوفہ کے مسلمانوں کا پیشوا ہے۔ خارجی سردار متوجہ ہوا اور آپ سے کہا: "تب یا شیخ من الکفر" اے شیخ کفر سے توبہ کیجیے! جواب میں امام صاحب نے فرمایا: "انا تائب من کل کفر" میں ہر کفر سے توبہ کرتا ہوں۔

یہ سن کر خارجیوں نے امام کو چھوڑ دیا۔ لیکن کسی کو شرارت سوجھی اس نے خارجیوں کو باور کرایا، کہ کفر سے مراد ان کے نزدیک تم لوگوں کے عقائد ہیں، انہوں نے تمہارے عقائد سے توبہ کی ہے۔ خارجی گنوار تو تھے ہی، پھر امام کو واپس بلایا اور پوچھا: شیخ ہم نے سنا ہے کہ جس کفر سے تم نے توبہ کی ہے، اس سے مراد ہمارے عقائد اور ہمارا طریقہ کار ہے۔

خارجیوں نے اپنا اصول یہ مقرر کیا تھا، کہ ہر چیز سے الگ ہو کر صرف قرآن کے سامنے جھکنا چاہیے، وہی حکم اور فیصل ہے حضرت امام نے دیکھا کہ ان جاہلوں سے خلاصی کی صورت اس کے سوا اور کچھ نہیں، کہ قرآن ہی سے ان کے اوپر الزام قائم کیا جائے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ جو تم کہہ رہے ہو، کیا یہ صرف ظن اور گمان کے سوا اور بھی کچھ ہے، کیا آپ لوگوں کو یقین ہے، کہ کفر سے مراد میں نے وہی لیا ہے، جسے تم میری طرف منسوب کرتے ہو''۔ ان کے لیڈر نے کہا، کہ ''ہاں صرف گمان اور ظن ہے، یقین سے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے''۔

تب امام صاحب نے قرآن کی آیت ''ان بعض الظن اثم'' تلاوت کر کے فرمایا، کہ بدگمانی کر کے تم نے گناہ کا ارتکاب کیا اور گناہ کے متعلق تم لوگوں کا خیال ہے، کہ وہ کفر ہے، جو آدمی کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ یہ تقریر کر کے امام نے زور دے کر خارجیوں کے لیڈر سے کہا، کہ جناب پہلے آپ اس کفر سے توبہ کیجیے۔ یہ سن کر خارجی لیڈر بولا، کہ ہاں تم نے سچ کہا اور میں اس کفر سے توبہ کرتا ہوں، لیکن ابوحنیفہ تم بھی کفر سے توبہ کرو۔ امام نے اس کے جواب میں پھر اپنے جملے کو دہرایا کہ میں ہر قسم کے کفر سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ کہتے ہیں، کہ یہ سن کر خارجیوں نے امام صاحب کو چھوڑ دیا۔ (موفق ج ۱ص ۱۷۷)

خارجیوں نے فتح کے بعد عام باشندوں کے قتل عام کا بھی منصوبہ بنایا، ان کے نزدیک خارجیوں کے علاوہ تمام لوگ کافر اور مباح الدم تھے۔ خارجیوں کے سردار نے

مسلمانوں کے قتل عام کا حکم دیا اور برہنہ تلوار لے کر جامع مسجد میں بیٹھ گیا اور اعلان کرنے لگا کہ کوفہ والوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بال بچوں کو لونڈی غلام بنالیا جائے۔

امام اعظم کی زندگی کا یہ بڑا نازک وقت تھا۔ قتل عام کے اس اعلان کے بعد کسی میں ہمت نہ تھی، کہ وہ ظالم خارجیوں کے پاس جا کر کچھ کہہ سکے۔ ایسے نازک وقت میں امام صاحب اپنی جان پر کھیل کر خارجیوں کے پاس تشریف لے گئے۔ خارجیوں کے سردار ضحاک سے کہا میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اس نے اجازت دی۔ امام نے ضحاک سے پوچھا، کہ مردوں کے قتل اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنالینے کو حلال کس بنیاد پر قرار دیا گیا ہے؟ ضحاک نے کہا، یہ لوگ مرتد ہیں۔ امام نے فرمایا: مرتد ہونے کا کیا مطلب؟ کیا پہلے یہ لوگ کسی اور دین پر تھے جسے ترک کر کے کوئی نیا دین قبول کیا ہے؟ یا جس دین پر پہلے سے چلے آرہے ہیں وہی دین اس وقت بھی ان کا ہے؟ ضحاک امام کے ان الفاظ کو سن کر بولا: ''اعد علی بہ'' تم نے جو بات کہی، اسے پھر سے دہراؤ۔ امام نے بات دہرا دی۔ ضحاک نے کہا ''اخطانا'' ہم سے غلطی ہوگئی۔ یہ کہتے ہوئے اپنی تلوار میان میں کر لی۔ دوسروں نے بھی اس کی تقلید کی۔ امام صاحب کی اس مومنانہ جرأت اور حق گوئی نے کوفہ کے مسلمانوں کو تہہ تیغ ہونے، عورتوں اور بچوں کو باندی اور غلام بننے سے بچالیا۔ یہ اہل کوفہ پر امام صاحب کا عظیم احسان تھا۔ اسی لیے ابو معاذ بلخی کہا کرتے تھے:

اهل الكوفة كلهم موالی ابی حنيفة لانه سبب عتقهم۔

سارے کوفہ والے امام ابوحنیفہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، کیوں کہ وہی ان کی آزادی کا سبب بنے۔ (موفق ج۱ص۱۷۴)

ابن ہبیرہ اور امام اعظم

۱۲۹ھ میں ابن ہبیرہ کو عراق و عجم دونوں ملکوں کا والی مقرر کیا گیا۔ عہد بنی امیہ میں

یزید بن معاویہ نے عبید اللہ بن زیاد کو ۶۰ھ میں عراق و عجم کا والی مقرر کیا تھا اور اس نے کوفہ میں بیٹھ کر امام حسین رضی اللہ عنہ کے متبعین کی قوت کو منتشر کرنے کے بعد قافلہ اہل بیت کو کربلا کے میدان میں تہہ تیغ کرا ڈالا تھا۔ ابن زیاد کے بہت بعد جب اموی اقتدار کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی اور ایوان حکومت کی بنیادیں متزلزل ہونے لگیں، تو سیاسی مصلحت کے پیش نظر ابن ہبیرہ کو عراقین کا والی مقرر کیا گیا، جو حکمت و دانائی اور تدبیر وسیاست میں کامل تھا۔ ان اعیان امت کو جو اموی امرا و خلفا کے مظالم سے سخت متنفر ہو گئے تھے، ان کو حکومت کے قریب لانے اور ان کے دل سے امویوں کی نفرت نکالنے کا کام ابن ہبیرہ کو سونپا گیا۔ چنانچہ ابن ہبیرہ نے نازک ترین حالات میں ملکی پالیسی میں خوشگوار تبدیلی لانے کا عزم کیا اور اس کام کے لیے اس نے علماؤ مشائخ، محدثین وفقہا کو قریب لا کر معاملات حکومت میں دخیل بنانا چاہا۔ چنانچہ اس سلسلے میں اس نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کو بھی نرمی وملاطفت سے قریب لانے کی کوشش کی اور وہ دینی اور ملکی معاملات میں مشوروں کے لیے آپ کو طلب کرنے لگا۔ آپ کی سفارشات کو قبول کرتا اور امام صاحب کی لیاقت اور برتری کا اعتراف کرنے لگا۔

چنانچہ ایک بار ابن ہبیرہ ایک ملزم کو قتل کی دھمکیاں دے رہا تھا، قریب تھا، کہ اس بے چارے کو جلاد کے سپرد کر دے، اچانک امام اعظم ابوحنیفہ ابن ہبیرہ کے دربار میں داخل ہوئے، غریب ملزم کی نظر جوں ہی امام ابوحنیفہ پر پڑی، بدحواسی میں یا جان بوجھ کر اس نے ابن ہبیرہ سے کہا، کہ آپ کو میرے متعلق اگر شبہات ہیں، تو یہ صاحب جو آپ کے پاس ابھی آئے ہیں، ان سے میرا حال دریافت کر سکتے ہیں (اور واقعہ یہ تھا، کہ امام صاحب نے اس کو نہ کبھی دیکھا تھا اور نہ اس کے حال سے واقف تھے) لیکن یہ محسوس کر کے اس بے چارے نے مجھ سے گویا امداد چاہی ہے، اس مظلوم کو بچانے کی کوئی صورت پیدا کرنی چاہیے، فوراً ایک تدبیر ذہن میں آئی، جب امام کی طرف مخاطب ہو کر ابن ہبیرہ نے پوچھا، کہ آپ کیا اس شخص کو پہچانتے ہیں؟ جھوٹ تو بول نہیں سکتے تھے،

اس لیے آپ نے ملزم کی طرف خطاب کر کے پوچھا کہ ''تم وہی آدمی ہو جو اذان دیتے ہوئے لاالہ الااللہ کے کلمہ کو خاص طور پر کھینچا کرتے ہو؟ اس نے بھی کہہ دیا جی ہاں! امام نے فرمایا کہ اچھا اذان دو اس بے چارے نے اذان دی۔ اذان جب ختم ہوئی تو امام صاحب نے فرمایا یہ تو اچھا آدمی ہے، مجھے اس کے اندر کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آتی۔ امام صاحب کے اس قول پر ابن ہبیرہ نے ملزم کو رہا کر دیا۔

نگینہ

ایک دن ابن ہبیرہ نے حضرت امام کو طلب فرمایا۔ آپ پہنچے تو دیکھا کہ سامنے ایک نگینہ رکھا ہوا ہے اور ابن ہبیرہ گہری سوچ میں بیٹھا ہوا ہے، دریافت فرمایا آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ اس نے کہا یہ نگینہ مجھے پسند آ گیا ہے۔ اسے استعمال کرنا چاہتا ہوں، لیکن مشکل یہ ہے کہ اس پر دوسرے کا نام کندہ ہے امام صاحب نے نگینہ مانگا غور سے دیکھا لکھا ہوا تھا ''عطاء بن عبداللہ'' آپ نے ابن ہبیرہ سے اجازت لی اور نگینہ ایک شخص کے حوالے کرتے ہوئے کہا تم اسے نقاش کے پاس لے جاؤ اس تحریر میں صرف اتنی ترمیم کرا دو کہ ''بن'' کو ''من'' اور ''عبداللہ'' کے ''با'' کے نقطے کو مٹا کر اس کے اندر نون کا نقطہ کر دے۔ وہ شخص عبارت میں مختصر سی ترمیم کرا کر لایا۔ امام صاحب نے نگینہ ابن ہبیرہ کو دیتے ہوئے فرمایا، اب اسے بلا تامل استعمال کیجیے۔ اس نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا کیا ہوا؟ فرمایا، اسے پڑھیے نگینہ کو دیکھا تو اس میں ''عطاء بن عبداللہ'' کے بجائے ''عطاء من عنداللہ'' مرقوم تھا۔ امام اعظم کی سرعت فہم پر ابن ہبیرہ مسرور ہوا فوراً ہی نگینہ سنار کے یہاں بھیج کر اسے انگوٹھی میں جڑوا دیا۔

ابن ہبیرہ نے موقع غنیمت جانا اور جب امام صاحب اٹھنے لگے، تو عرض کیا:

ایھا الشیخ لو اکثرت غشیاننا وزیارتنا لافدتنا ونفعتنا۔

اے شیخ! اگر آپ اپنی آمد و رفت کو ہمارے یہاں ذرا بڑھا دیں، تو آپ سے ہم فائدہ اٹھائیں اور ہمیں آپ سے نفع پہنچے۔

بنی امیہ کی سلطنت قاہرہ کا با اختیار گورنر بڑی لجاجت سے یہ درخواست کر رہا تھا، امام صاحب اس کے بلانے پر دینی ضرورت و مصلحت کے پیش نظر کبھی کبھی اس کے پاس آیا جایا کرتے تھے، اب وہ اس آمد ورفت کو دوستی میں بدلنا چاہتا ہے اور آپ کی ذہانت وطباعی سے سلطنت بنی امیہ کی گرتی ہوئی ساکھ کو مستحکم کرنا چاہتا ہے۔ امام صاحب نے بڑی متانت و بے نیازی سے جواب دیا: ''ما اصنع عندك ان قربتني فتنتني وان اقصيتني اخزيتني'' تمہارے پاس آ کر میں کیا کروں گا؟ اگر مجھے تم نزدیکی اور قرب عطا کرو گے تو فتنہ میں مبتلا کرو گے اور اگر مجھ کو تم نے دور کر دیا (قرب عطا کرنے کے بعد) تو خواہ مخواہ مجھے رسوا کرو گے۔

امام صاحب نے ارباب اقتدار سے دوری بنائے رکھا اور قرب کی صورت میں جو غم واندوہ پہنچتا ہے اس کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا چنانچہ انہوں نے بے جھجک بیان کیا ''وليس عندك ما ارجوه ولا عندي ما اخافك عليه' 'تمہارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں، جس کی مجھے آرزو ہو اور نہ میرے پاس کوئی ایسی چیز ہے، جس کی وجہ سے میں تم سے ڈروں۔ ابن ہبیرہ امام صاحب کے جواب سے خاموش ہو گیا، لیکن ان کے طرز عمل کی کسک اپنے دل میں محسوس کرتا رہا۔

۱۲۹ھ میں ابو محمد مسلم خراسانی نے عباسی تحریک کی جڑیں خراسان میں دور تک پھیلا دی تھیں۔ وہاں کے باشندے پوری مضبوطی کے ساتھ اموی اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی مہم میں مصروف تھے۔ ادھر والی خراسان نصر بن سیار عباسی تحریک دبانے کے لیے ابن ہبیرہ سے امداد کا بار بار مطالبہ کرتا رہا۔ بار بار کے مطالبے پر اس نے نباتہ بن حنظلہ کو پندرہ ہزار کا لشکر دے کر روانہ کیا۔ جرجان کے مقام پر اس فوج کا مقابلہ عباسی کمانڈر حسن بن قحطبہ سے ہوا۔ اس معرکے میں ابن ہبیرہ کی فوج کو شکست فاش ہوئی اور اس کے دس ہزار سپاہی قتل کر دیے گئے۔ اس ذلت کے ازالے کے لیے ابن ہبیرہ نے بڑے پیمانے پر عباسیوں کے خلاف فوج جمع کرنے کا عزم کیا اور اس نے نصر

بن سیار کو لکھا کہ جلد ہی تمہاری امداد کے لیے ایک لاکھ کا لشکر جرار روانہ کیا جائے گا۔ اسی زمانے میں ابن ہبیرہ نے فوج تشکیل دینے کے لیے کوفہ میں اپنی مہم تیز کر دی۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ عراقیوں کو فوج میں بھرتی کرنا چاہتا تھا۔ اس صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے ابن ہبیرہ عراق کے اکابر علما و مشائخ کو حکومت کے اہم عہدے دے کر عوام میں اموی اقتدار کا اعتماد بحال کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بہت سے علما کو عہدے تفویض کیے۔ صاحب معجم کا بیان ہے:

ان ابن هبيرة كان واليا بالعراق من بني امية الفتنة بالعراق وجمع فقهاء العراق فولّٰى كلامنهم شيئا من عمله۔ (ج۲ص۱۷۷)

بنی امیہ کی طرف سے عراق کا والی (گورنر) ابن ہبیرہ تھا۔ عراق میں جب فتنوں نے سر اٹھایا، تو اس نے عراق کے فقہا کو اکٹھا کیا اور اپنی حکومت کے مختلف شعبوں میں سے ایک ایک شعبہ ہر ایک کے حوالہ کیا۔

ابن ہبیرہ نے عاصم بن ربیع کے ذریعہ امام صاحب کے سامنے حکومت کا ایک نہایت اہم اور کلیدی عہدہ پیش کیا اور کہا

يكون على خاتمه ولاينفذ كتاب ولايخرج شئ من بيت المال الا من تحت يده۔ (معجم ج۲ص۱۷۷)

(گورنر کی) مہران کے سپرد کی جائے گی تاکہ جو کوئی حکم نافذ ہو اور کوئی تحریر جو حکومت کی طرف سے صادر ہو اور خزانہ سے جو مال برآمد ہو، وہ امام ابوحنیفہ ہی کی نگرانی میں ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ آپ کو وزارت مال اور تمام شاہی دستاویزات کے صادر کرنے کا اختیار دینا چاہتا تھا۔ ابن ہبیرہ نے جن لوگوں کو طلب کیا تھا، ان میں عالم اسلام کی یہ مقتدر ہستیاں بھی تھیں، قاضی ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، داؤد بن ابی ہند وغیرہ جنہوں نے مصلحتاً سرکاری عہدے قبول کر لیے، مگر امام اعظم نے اس عظیم عہدے کو

ٹھکرا دیا، جن علما نے طوعاً و کرہاً عہدے قبول کیے تھے۔ امام صاحب کے پاس آ کر کہنے لگے:

انا ننشدك الله ان تهلك نفسك فانا اخوانك وكلنا كاره لهذا الامر ولم نجد بدا من ذلك۔ (موفق ج۲ ص۲۴)

ہم لوگ خدا کی تمہیں قسم دیتے ہیں کہ اپنے آپ کو تباہی میں نہ ڈالو، ہم لوگ آخر تمہارے بھائی ہیں اور حکومت کے اس تعلق کو ہم میں ہر ایک ناپسند ہی کرتا ہے، لیکن اس وقت قبول کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، پس چاہیے کہ آپ بھی انکار پر مصر نہ رہیں۔

امام صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا: ”یہ ملازمت تو خیر بڑی بات ہے، اگر یہ شخص (ابن ہبیرہ) مجھ سے چاہے، کہ شہر واسط کی مسجد کے دروازے گنا کروں، تو میں یہ بھی نہیں کروں گا“۔

آخر میں امام صاحب نے فرمایا:

فكيف وهو يريد مني ان يكتب بضرب عنق رجل واختم على ذالك۔

پھر سوچنا چاہیے کہ میں اس کی پیش کردہ اس خدمت کو کیسے قبول کر سکتا ہوں، جس میں وہ کسی کی گردن مارنے کا حکم دے گا اور میں اس حکم پر مہر لگاؤں گا۔

بار بار اس جملے کو دہراتے: ”فو الله لا ادخل فى ذالك ابدا“ خدا کی قسم اس میں اپنے آپ کو کبھی شریک نہیں کر سکتا۔

اس انکار کے بعد ابن ہبیرہ کو غصہ آیا اس نے امام صاحب کو قید میں ڈال دیا اور کچھ دنوں تک دونوں کے درمیان منصب کی قبولیت کی بابت گفتگو ہوتی رہی، جب امام صاحب نے قضا کے عہدے کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو ابن ہبیرہ نے قسم کھا کر کہا: ”ان لم يفعل لضربته بالسياط على راسه“ اگر اس خدمت کو بھی اس نے

قبول نہیں کیا تو میں اس کے سر پر کوڑے مار کر رہوں گا۔ (موفق ج ا ص ۱۷)

امام صاحب نے یہ بات سن کر بڑی طمانیت کے ساتھ فرمایا: ''ضربه لی فی الدنیا اسهل علی من مقامع الحدید فی الآخرة'' دنیا میں اس کی مار کو آخرت کے آہنی گرزوں کی مار کی بہ نسبت آسان خیال کرتا ہوں۔ پھر فرمایا: ''والله لا افعلت ولو قتلنی'' بخدا میں ہرگز قبول نہیں کروں گا، اگرچہ ابن ہبیرہ مجھے قتل ہی کیوں نہ کر دے۔

جب امام صاحب کے اس حتمی فیصلے کی خبر ابن ہبیرہ کو دی گئی، تو اس نے غضب ناک ہو کر کہا: ''بلغ من قدره ان یعارض یمینی بیمینه'' اب ابوحنیفہ کا مرتبہ اتنا بلند ہو گیا کہ میری قسم کا مقابلہ وہ اپنی قسم سے کرتا ہے۔ اس نے امام صاحب کو قید خانہ سے بلوایا، جب اس کے روبرو پہنچے، وہ قسم کھا کر کہہ رہا تھا: ''ان لم یقبل لیضربن علی راسه حتی یموت'' اگر اس نے حکومت کی خدمت قبول نہ کی، تو اس کے سر پر اس وقت تک کوڑے لگائے جائیں گے، جب تک کہ اس کا دم نہ نکل جائے۔

امام اعظم کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئی اور وہ عزیمت و استقامت کی چٹان بن کر آنے والے مصائب کے لیے آمادہ ہو گئے، اور فرمایا: ''انما هی میتة واحدة'' موت تو صرف ایک ہی ہے۔

ابن ہبیرہ اس حق گوئی پر آتش زیرپا ہو گیا، تازیانہ برداروں کو حکم دیا کہ اس شخص کے سر پر مسلسل بیس کوڑے مارے جائیں۔ سر پر کوڑے برسنے لگے، چند کوڑوں کے بعد امام صاحب نے ارشاد فرمایا:

> ''اس وقت کو یاد کر، جب تو اللہ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور آج تیرے سامنے میں جتنا ذلیل کیا جا رہا ہوں، اس سے کہیں زیادہ ذلت کے ساتھ تو خدا کے دربار میں پیش کیا جائے گا، اس وقت تجھ سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا، اس وقت سچی بات کے سوا تیرا جواب سنا نہ جائے گا''۔

آخری فقرہ سن کر ابن ہبیرہ کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا، اس نے جلادوں کو اشارہ کیا ''بس'' کوڑوں کی ضرب روک دی گئی۔ امام صاحب کو قید خانے میں بھیج دیا گیا، ابن ہبیرہ نے مصاحبین سے کہا: ''کیا کوئی ایسا آدمی نہیں ہے، جو اس قیدی کو یہ سمجھائے کہ مجھ سے مہلت چاہے، تاکہ میں اس معاملہ میں اسے غور کرنے کا موقع دوں''۔ (موفق ج ۲ ص ۲۲)

امام صاحب کو جب ابن ہبیرہ کی اس خواہش کی خبر پہنچائی گئی، تو آپ نے فرمایا: ''اچھا مجھے چھوڑ دیا جائے، میں اپنے احباب اور اپنے بھائیوں سے مشورہ کروں گا''۔

ایک روایت میں یہ ہے، کہ ابن ہبیرہ نے جب امام اعظم کو قید کیا اور آپ پر جلاد کو کوڑا برسانے کا حکم دیا، اسی شب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ بحالت غضب اسے تنبیہ کر رہے ہیں:

اما تخاف اللہ تعالیٰ تضرب رجلاً من امتی بلاجرم وتهدده۔

کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے کہ میرے ایک امتی کو بلا جرم زدوکوب کرتے ہو اور دھمکی دیتے ہو۔

ابن ہبیرہ نے صبح اٹھتے ہی امام صاحب کو قید سے آزاد کر دیا (جب باہر آئے تو دیکھا گیا کہ زدوکوب کے صدمے سے سر لہولہان اور چہرہ سوجا ہوا ہے)۔

(کردری ج ۲ ص ۲۶)

قید سے رہائی کے بعد امام اعظم نے مکہ کا سفر کیا اور وہیں اموی حکومت کے خاتمہ تک مقیم رہے۔

امام ابوحنیفہ کی مظلومیت پر امام احمد اور امام حماد کے تاثرات

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ ابن ہبیرہ نے امام اعظم کو ۱۱۰ کوڑے مروائے اور روزانہ دس کوڑے لگوانے کا معمول تھا۔

امام احمد بن حنبل جب امام اعظم ابوحنیفہ کی اس مظلومانہ حالت کو یاد کرتے، تو بے

اختیار ہو کر رونے لگتے اور امام صاحب کے لیے اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعائیں کرتے۔ (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۲۰۲)

ابو حنیفہ کے پوتے اسماعیل کا بیان ہے کہ میں کوفہ میں اپنے والد حماد بن ابی حنیفہ کے ساتھ ایک مرتبہ کناسہ کے مقام سے گزر رہا تھا کہ میرے والد کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، میں نے دیکھا کہ وہ بے اختیار رو رہے ہیں، مجھے حیرت ہوئی اور میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا: ''ایا ابتی ما یبکیك' 'ابا جان! کون سی چیز آپ کو اس طرح رلاتی ہے۔ فرمانے لگے:

> یا بنی افی هذه الموضع ضرب ابن هبیرة ابی عشرة ایام فی کل یوم عشرة اسواط علی ان یلی القضا فلم یفعل۔
>
> لخت جگر! یہ وہ جگہ ہے جہاں ابن ہبیرہ نے میرے والد (ابو حنیفہ) کو دس روز تک کوڑوں کی سزا دی تھی، اس طرح کہ روزانہ دس کوڑے لگائے جاتے تھے، تاکہ ابو حنیفہ منصب قضا قبول کرلیں، مگر ابو حنیفہ نے منصب قضا اور وزارت عدل کے بدلے کوڑوں کی سزا بخوبی قبول کرلی۔ (ایضا)

ابراہیم بن میمون اور امام اعظم

اموی خلفا کی بے اعتدالیوں اور ان کے جابرانہ کارناموں سے عالم اسلام کی سنجیدہ علمی شخصیتیں اور معزز شہری ناراض تھے۔ اندر ہی اندر بغاوت کے جراثیم پروان چڑھ رہے تھے۔ امویوں کے ناعاقبت اندیش خلفا و امرا کی وجہ سے ایوان اقتدار شکست وریخت کی کیفیت سے دوچار ہو رہا تھا، ادھر عباسیوں کی تحریک ابو مسلم خراسانی کی قیادت میں روز بروز قوت حاصل کرتی جارہی تھی۔ اس نے خراسان میں ۱۲۹ھ میں عباسی تحریک کو سرگرم عمل کیا، مرو جو اس دور میں علما و فضلا اور مسلم دانشوروں کا مرکز تھا، ان لوگوں نے اس کی تحریک کی حمایت اس بنیاد پر کی کہ وہ اسلامی حکومت کو ظالم امویوں کے ہاتھ سے نکال کر آل عباس کے ذریعہ خلافت علی منہاج الراشدہ قائم کرنے کا نعرہ دے رہا تھا۔

لوگوں کو توقع تھی کہ امویوں کا اقتدار جب ختم ہو جائے گا، عدل و مساوات رحم و مروت اور دین و دیانت کی حکمرانی قائم ہو جائے گی۔ ابومسلم خراسانی کے حامیوں میں وقت کے جلیل القدر محدث، فقیہ ابرہیم بن میمون رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، جنھیں امام اعظم ابوحنیفہ سے شرف تلمذ حاصل تھا، دوسرے بزرگ محمد بن ثابت تھے، بروایت ابن سعد "یجلسان الیہ ویسمعان کلامہ" یہ دونوں (ابراہیم ومحمد) ابومسلم کے پاس بیٹھا کرتے اور اس کی باتیں سنا کرتے تھے۔

مگر ابومسلم کی پرزور تحریک نے جب اموی حکومت کی تدفین کا عمل مکمل کرلیا اور ابوالعباس سفاح سریر آرائے خلافت ہوا، تو اس کے دور میں ظلم وعدوان، جور و جفا، ناانصافی اور بدعنوانی باقی رہی جو امویوں کے دور میں تھی، جس کے خلاف لوگوں نے عباسیوں کا ساتھ دیا تھا، خود اس تحریک کا قائد ابومسلم خراسانی اس روش پر گامزن ہوا جس پر اموی امیر حجاج بن یوسف گامزن تھا۔

جس ظلم کے خلاف ابرہیم بن میمون الصائغ جیسے جلیل القدر فقیہ محدث اور مجاہد نے ابومسلم کا ساتھ دیا تھا اور جس کا دست راست بن کر عباسی تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہنچایا، ان کے لیے یہ بات سخت ناگوار تھی کہ ابومسلم بھی امویوں کی روش پر گامزن ہو جائے، ابراہیم الصائغ زہد و ورع اور حق گوئی و بے باکی کا پیکر تھے، وہ ابومسلم سے سخت متنفر ہوئے، انہوں نے اپنے طور پر ابومسلم کی فہمائش بھی کی، لیکن اقتدار کے نشے میں ابو مسلم نے آپ کی نصیحتوں کو نظر انداز کیا۔ اب ابرہیم الصائغ کے نزدیک صرف ایک ہی راستہ تھا کہ لوہے کو لوہے سے کاٹا جائے اس نومولود حکومت کو جڑ پکڑنے سے پہلے ہی اکھاڑ پھینکا جائے، چنانچہ وہ مرو سے کوفہ آئے یہ وہ زمانہ تھا، جب سفاح نے کوفہ کے قریب "ہاشمیہ" کو اپنا دارالخلافت بنا رکھا تھا۔

ابراہیم صائغ امام اعظم کی خدمت میں پہنچے اور ابومسلم خراسانی کی داستان جور و جفا کو بیان فرمایا اور انقلاب حکومت کے سلسلے میں امام صاحب سے طویل گفتگو کی۔ آخر میں

دونوں اس بات پر متفق ہوئے کہ موجودہ حکومت کے خلاف خروج جائز ہے، امام صاحب کے الفاظ ہیں: ''الی ان اتفقنا علی انه فریضة من الله تعالی''۔

جب یہ مسئلہ طے ہوگیا، تو ابراہیم صائغ اپنا ہاتھ امام صاحب کی طرف بڑھا کر کہہ رہے ہیں ''مد یدك حتی ابایعك'' ہاتھ بڑھائیں تا کہ میں بیعت کروں، دنیائے اسلام میں جو قہرمانی طاقت برسراقتدار تھی، اس سے ٹکرانے کے لیے ابراہیم صائغ بیعت کرنا چاہتے تھے، امام صاحب فرماتے ہیں: ''فاظلمت الدنیا بینی و بینه'' میرے اور ابراہیم کے سامنے دنیا تاریک ہوگئی۔

جان کے خوف سے امام اور ابراہیم صائغ کی یہ حالت نہ ہوئی، بلکہ ان کا منشور حیات ہی سر بہ کف ہو کر طاغوتی قوتوں سے پنجہ آزما ہونا تھا اور دونوں ہی نے حق کے لیے اپنی جان جاں آفریں کے حوالے کی۔ امام صاحب کو تذبذب صرف اس لیے تھا کہ وقت کی سب سے بڑی قوت کا مقابلہ چند اشخاص نہیں کر سکتے، رائی کو پہاڑ سے ٹکرانا دانشمندی نہیں، اس کے لیے جس عسکری تنظیم اور افرادی قوت کا ہونا ضروری ہے وہ مہیا نہیں، اسی لیے وقت اور حالات کا انتظار کرنا چاہیے، امام صاحب نے ابراہیم صائغ کے سامنے جو تقریر کی وہ کچھ اس طرح ہے:

''میں نے اس بیعت سے انکار کیا اور کہا کہ اس حق کو ادا کرنے کے لیے ایک دو آدمی اگر کھڑے ہوں گے، تو قتل کر دیے جائیں گے اور مخلوق خدا کے لیے کام کی کوئی بات انجام نہ دے سکیں گے''۔ مزید فرمایا: ''لکن ان کان وجد علیه اعوانا صالحین و رجل یراس علیهم مامونا علی دین الله''۔ البتہ اگر اس کام کی انجام دہی میں کچھ اچھے لوگ مددگار بن جائیں اور ان لوگوں کا سردار کوئی ایسا آدمی ہو جس کے دین پر بھروسہ کیا جا سکتا ہو۔

امام صاحب کا مقصود بیان یہ تھا کہ ایسا اہم کام چند افراد نہیں کر سکتے، اس کے لیے صالح اور ذی اثر افراد کی ضرورت ہوگی جن پر اعتماد کر کے لوگ شریک تحریک ہوں، نیز

اس کام کے لیے عسکری تنظیم کی ضرورت ہوگی، اس تحریک کے لیے معتمد قائد اور تحریکی شعور رکھنے والے رہنما کی ضرورت ہے، جس کی فکر صائب اور ہمت عالی کی پیروی کرتے ہوئے لوگ مہم کو کامیابی سے ہمکنار کرسکیں۔ امام صاحب نے اس امر کی طرف یوں اشارہ فرمایا:

هذه فريضة ليست كالفرائض يقوم بها الرجل وحده هذا الامر لايصلح لواحد ما اطاقته الانبياء حتى عقدت عليه من السماء.

یہ ایسا فریضہ نہیں ہے جس کے لیے تنہا ایک آدمی کھڑا ہو جائے، یہ ایسا معاملہ ہے، جس کی صلاحیت تنہا ایک آدمی نہیں رکھ سکتا، پیغمبروں کے لیے یہ صورت حال اسی وقت قابل برداشت ہوئی جب آسمان پر ان کے لیے عہد باندھا گیا۔

امام صاحب کا سیاسی موقف یہ تھا، کہ باطل کے خلاف صف آرا ہونا ایک اہم دینی فریضہ ضرور ہے، لیکن اسے عملی جامہ پہنانے اور حریف قوتوں کے مقابلے میں آنے کے لیے ناگزیر ہے کہ مضبوط عسکری تنظیم قابل اعتماد قائد مخلص رفقا اور حرب وضرب کی بھرپور صلاحیت رکھنے والے مجاہدین مہیا ہوں یعنی تنظیمی قوت کی فراہمی کے بغیر ایک دو افراد کا مقابل ہونا اپنی جان کو مفت ہلاکت میں ڈالنا ہے جس کی کچھ قیمت وصول نہیں ہوتی بلکہ ان کے خاک وخون مین تڑپنے سے دوسرے افراد کے حوصلوں پر اوس پڑ جاتی ہے۔

امام صاحب اور ابراہیم صائغ اگرچہ نہی عن المنکر کے فریضہ پر متفق تھے لیکن اس کے طریق کار میں دونوں کے درمیان اختلاف تھا ایک کی حق پرستی اور جذبہ تنکیر اپنے شباب پر تھی اور وہ نفع وضرر سے بے نیاز ہو کر آتش عشق میں بے خطر کود پڑنا چاہتے تھے، مگر امام صاحب اس سلسلے میں حق پرستی اور جذبہ تنکیر کے ساتھ کوئی ایسا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے، جس کے نتیجے میں جان بھی ضائع ہو اور کچھ حاصل نہ ہو سکے، چنانچہ اس نقطہ نظر پر وہ

ابراہیم صائغ کولانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اس پر پیچ خارزار وادی میں تنہا سفر کرنا دانش مندی نہیں بلکہ انتظار کیا جائے، کہ کوئی مرد صالح اپنی فکر و بصیرت اور اخلاص و ایثار کے ساتھ قیادت کا بیڑا اٹھائے اس کے گرد مخلص افراد جمع ہوں پھر باطل قوتوں کے روبرو صف آرائی کی جائے تاکہ کامیابی کے امکانات روشن ہوں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ابو مسلم کے مقابلے میں ابراہیم کا ایمانی جوش جس خونی تماشے کو پیش کرنے پر ان کو آمادہ کر رہا تھا، امام نے اپنی پوری ذہانت اس ارادے سے ان کو باز رکھنے پر خرچ کی، لیکن ابراہیم طے کر چکے تھے، امام کی فہمائش ان کو متاثر کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔ امام صاحب فرمایا کرتے تھے: ''وکان یتقاضی ذلک کلما قدم علی تقاضی الغریم الملح و کلما قدم علی تقاضا نی'' مجھ سے اس مہم میں شریک ہو جانے کے لیے ابراہیم تقاضا کرتے ایسا سخت تقاضا جیسے کوئی قرض خواہ اصرار و تشدد کے ساتھ قرض کا تقاضا کرتا ہو، جب کبھی ابراہیم میرے پاس آتے اسی کا تقاضا کرتے۔

ابراہیم الصائغ بار بار امام صاحب کی خدمت میں آتے جاتے رہے، کہ کسی طرح وہ امام صاحب کو اپنا شریک کار بنائیں، کیوں کہ فرض کے احساس میں دونوں شریک تھے، طریق کار میں اختلاف تھا اور امام صاحب اپنے نقطہ نظر سے ہٹنے کے لیے آمادہ نہیں ہو رہے تھے، وہ جانتے تھے کہ اس طرح ابو مسلم کے مقابلے میں آنے سے فرض بھی ادا نہ ہوگا اور وہ تدوین فقہ کے اہم منصوبہ کو بھی پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکیں گے آخر میں امام صاحب نے ابراہیم سے فرمایا تھا، کہ ''ولکنہ ینتظر'' لیکن چاہیے کہ انتظار کیا جائے، مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی کسی باضابطہ اجتماعی تنظیم میں شریک ہو کر مقابلہ کا موقع اگر مل گیا، تو میں اس میں شریک ہو کر فرض سے سبکدوشی حاصل کرلوں گا ورنہ انتظار کی ان گھڑیوں میں جس حد تک حق کو آگے بڑھانے اور باطل کو پیچھے ہٹانے کے امکانات ملتے

چلے جائیں گے، ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش میں زندگی بسر کروں گا۔ تاریخ کا اتفاق ہے کہ امام کے سامنے دونوں صورتیں آئیں۔

ابراہیم الصائغ اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکے اور وہ احقاق حق اور ابطال باطل کے جذبے سے سرشار ہو کر مرو پہنچے ابو مسلم خراسانی اقتدار پانے کے بعد جبر و استبداد کا پیکر بن چکا تھا، معمولی معمولی باتوں پر گردنیں اڑا دینا روز کا معمول تھا، ابراہیم الصائغ ابو مسلم کے دربار میں پہنچے وہ آپ کے علم و تقویٰ اور جوش ایمانی سے اچھی طرح واقف تھا، آپ نے دربار میں پہنچ کر ابو مسلم کی ظالمانہ حرکتوں کے خلاف تقریر کی۔ ابن سعد کا بیان ہے: ''ان ابراهیم الصائغ اتی ابامسلم فوعظه'' ابراہیم الصائغ ابو مسلم کے پاس آئے اور اس کو نصیحت کرنے لگے۔ (ابن سعد ج ۷ ص ۱۰۳)

ابو مسلم نے ناگواری اور عتاب کے بجائے دیرینہ تعلقات کی رعایت کرتے ہوئے کہا، آپ کی رائے مجھے معلوم ہوگئی ہے آپ اپنے مکان تشریف لے جائیے۔ (ایضا)

ابراہیم واپس چلے آئے، لیکن ان کا سوز دروں مضطرب کرتا رہا اور پھر ایک دن ابو مسلم کے دربار میں پہنچے اور آج پہلے کی بہ نسبت ذرا تلخ کلامی سے کام لیا۔ امام صاحب کا بیان ہے ''کلمه بکلام غلیظ'' اس دفعہ بھی ابو مسلم نے قتل کا حکم نہیں دیا بلکہ گرفتار کر لیا، جب آپ کی گرفتاری کی خبر مرو اور اس کے اطراف میں پھیلی تو خراسان کے علما و مشائخ ابو مسلم کے پاس جمع ہوئے چنانچہ لکھا ہوا ہے ''فاجتمع علیه اهل خراسان وعبادهم'' (ایضا) بالآخر علما و زہاد کے اصرار پر ابو مسلم نے آپ کو رہا کر دیا۔

کچھ دنوں بعد پھر ابراہیم ابو مسلم کے پاس پہنچے اور اقامت دین کے لیے اسے تنبیہ فرمانے لگے ابو مسلم نے اس بار صرف ڈانٹ ڈپٹ سے کام لیا اور دربار سے نکلوا دیا، لیکن بار بار آپ کا آنا اس کے لیے اب ناقابل برداشت ہو گیا تھا، اس لیے وہ طے کر چکا تھا، کہ اب اگر ابراہیم نے اس قسم کی جسارت کی، تو انہیں انجام تک پہنچانا ضروری ہے

ورنہ، ان کی اس دلیرانہ جرأت کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوں گے اور پھر ایوان اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے، چنانچہ جب آخری بار ابراہیم الصائغ ابو مسلم کے دربار میں پہنچے تو پرزور انداز میں ارشاد فرمایا: ''حق تعالیٰ کی رضامندی کے لیے اس وقت سب سے بڑی چیز میرے نزدیک یہ ہے کہ میں تجھ سے جہاد کروں گا کوئی کام اس وقت اس سے بہتر خدا کو خوش کرنے کے لیے میرے نزدیک باقی نہیں رہا'' آپ نے فرمایا: ''ولاجاهدنك بلساني ليس لي قوة بيدي ولكن يراني وانا ابغضك في''۔ (احکام القرآن للجصاص)

میں قطعاً تجھ سے اپنی زبان کے ذریعہ جہاد کروں گا، میرے ہاتھ میں اقتدار نہیں ہے، مگر میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا مالک مجھے اس حال میں دیکھے، کہ محض اللہ کی وجہ سے میں تجھ سے بغض رکھتا ہوں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کی ادائیگی میں ابراہیم الصائغ نے رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل کیا اور حضور کی اس حدیث ''افضل الجهاد كلمة الحق عند السلطان الجائر'' (ظالم و جابر بادشاہ کے روبرو حق بات کہنا افضل جہاد ہے) کو اپنا لائحہ عمل بنایا اور سود و زیاں کی مصلحت کو نظر انداز کرتے ہوئے اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ حق کی راہ میں اپنی جان عزیز قربان کر دینا ہی حاصل حیات ہے۔ چنانچہ وہ اس بار جب دربار میں آئے تو ان کے جسم پر کفن تھا جو مردوں کو دی جاتی والی خوشبو سے بسا ہوا تھا وہ جانتے تھے، کہ اس بار ابو مسلم کی تلوار ان کا کام تمام کر دے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابن سعد کے الفاظ یہ ہیں: ''وكلمه بكلام شديد فامر به فقتل وطرح في بئر'' (طبقات ابن سعد ص ۱۰۲)

ابراہیم نے ابو مسلم کو خطاب کر کے نصیحت و وعظ کہنا شروع کیا اور سخت الفاظ استعمال کیے اس پر ابو مسلم نے حکم دیا اور ان کو قتل کر دیا گیا اور کنویں میں لاش ڈال دی گئی۔

ابراہیم الصائغ کی اس عزیمت مآب قربانی کو جب امام یاد کرتے، تو بے ساختہ رو پڑتے عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں ''حتی ظننا انه سیموت'' یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ وہ مرجائیں گے۔

امام اعظم اور ابو العباس سفاح

۱۳۰ھ میں امام صاحب حجاز مقدس پہنچے، پہلے مکہ مکرمہ میں قیام کیا، اس کے بعد مدینۃ الرسول میں سکونت اختیار کی۔ امویوں کے زوال تک وہ حجاز ہی میں مقیم رہے، بلکہ وہ ابو جعفر منصور کی تخت نشینی کے بعد ۱۳۶ھ میں مستقلاً کوفہ آگئے۔ قاضی ابو یوسف اور داؤد طائی کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب اموی اقتدار کے خاتمے کے بعد کچھ دنوں کے لیے کوفہ تشریف لائے تھے، جب کہ عباسیوں کا پہلا خلیفہ ابو العباس سفاح کوفہ میں مقیم تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ابو العباس سفاح نے اپنی خلافت کا پہلا خطبہ ۱۳۲ھ میں جامع کوفہ میں دیا تھا، پھر علمائے کوفہ کو ایک مجلس میں جمع کر کے یہ خطبہ دیا:

ان هذا الامر قد افضى الى اهل بيت بينكم وحكم الله بالفصل واقام الحق وانتم معاشر العلماء احق من اعان عليه ولكم الحباء والكرامة والضيافة من مال الله ما احببتم فبايعوه بيعة تكون لكم عندامامكم حجة لكم وعليكم واما انا في معادكم لاتلقون بالله بلا امام فتكونوا ممن لاحجة له ولاتقولوا اميرا لمومنين مهابة ان يقول الحق.

(موفق ج ۱ ص ۱۰۱)

بالآخر یہ خلافت تمہارے پیغمبر کے گھر والوں تک پہنچ گئی، اور اللہ کی طرف سے فیصلہ صادر ہوا، خدا نے حق کو قائم کیا (علما کو خطاب کرتے ہوئے کہا) اے گروہ علما! تم لوگ اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہو کہ حق کی اعانت کے لیے آگے بڑھو، اس کے صلے میں داد و دہش، عزت افزائی اور تمہاری

خواہش کے مطابق اللہ کے مال سے مہمان نوازی کی جائے گی۔ پس منتخب خلیفہ کے ہاتھ پر ایسی بیعت کیجیے جو امام و خلیفہ کے لیے حجت ہو، تمہارے حقوق و فرائض کی ضمانت ہوگی، آخرت میں اس کی وجہ سے تمہیں امان حاصل ہوگی، تم اللہ سے امام کے بغیر نہ ملو، اگر ایسا ہوگا تو تم ان لوگوں میں سے ہوگے، جن کے پاس کوئی وثیقہ نہیں، دیکھو محض خوف و ہیبت کی بنا پر امیرالمومنین نہ کہو اور نہ حق بولنے سے باز رہو۔

یہ ۱۳۲ھ کا واقعہ ہے، جب ابوالعباس کوفہ آیا تھا اور جن علما کے سامنے یہ خطاب کیا، ان میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے، علما نے آپ کی طرف دیکھا، حضرت امام نے فرمایا ''اگر اجازت ہو، تو میں آپ حضرات کی طرف سے جواب دوں، علما نے یہ ذمہ داری آپ کو سونپی، امام صاحب نے کھڑے ہو کر جواباً یہ جامع تقریر فرمائی:

الحمد للہ الذی بلغ الحق من قربۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وامات عنا جور الظلمۃ وبسط السنتنا بالحق قد بایعناك علی امر اللہ والوفاء لك بعہدك الی قیام الساعۃ فلا اخلی اللہ ھذا الامر من قربہ بنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ایضا)

الحمد للہ! کہ حق ان لوگوں تک پہنچ گیا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت رکھتے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ اس نے ظالموں کے ظلم کا خاتمہ کر دیا اور ہمیں اظہار حق کی کھلی فضا میسر آئی (پھر امام صاحب نے فرمایا) خدا کے حکم اور امر پر ہم نے تمہاری بیعت کی، اور اس بیعت کے ساتھ ہم ''قیام الساعۃ'' تک وفادار رہیں گے، پس خدا سے دعا ہے، کہ امر خلافت کو ان لوگوں سے خالی نہ رکھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہیں۔

جب امام صاحب بیٹھے تو ابوالعباس سفاح نے جواباً کہا:

وقال مثلك من خطب عن العلماء لقد احسنوا اختيارك واحسنت فی البلاغ۔

علما کی طرف سے تمہارے ہی جیسے آدمی کو تقریر کرنا چاہیے تھا، انہوں نے تمہارا عمدہ انتخاب کیا اور تم نے خوبی کے ساتھ اپنے مقصد کو ادا کیا۔

علما نے سفاح کی مجلس سے باہر نکل کر امام صاحب سے دریافت کیا: ''قیام الساعۃ'' تک ہم وفادار رہیں اس سے آپ کا مقصد کیا تھا؟ امام صاحب نے جواب دیا، تم لوگوں نے مجھے نمائندہ بنایا، تو میں نے اپنے لیے سلامتی کی راہ نکالی اور تم لوگوں کو بھی مصیبت سے بچالیا۔ علما نے یہ سن کر امام صاحب کی تحسین کی۔

''کردری'' نے اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا:

يحتمل ان يراد به الى قيام الساعة من المجلس فحذف الياء واكتفى بالكسرة۔

اس بات کا احتمال ہے، کہ قیام الساعۃ سے مراد مجلس کی گھڑی تک ہم تمہارے وفادار رہیں گے، تو ''قیامی'' کی ''یاء'' کو حذف کر دیا اور ''کسرہ'' پر اکتفا کیا۔

بعد میں امام صاحب اور علمائے کوفہ کے طرز عمل سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اپنی اور علما کی طرف سے جو بیعت کی تھی، اسی مجلس کی حد تک محدود تھی، سفاح کی دائمی اطاعت کا قلادہ انہوں نے اپنی گردن میں نہیں ڈالا تھا، امام صاحب اور دوسرے علمائے حق بنی امیہ کے جن مظالم اور بے اعتدالیوں سے نالاں اور شاکی تھے، وہی ساری بدعنوانیاں اور ستم رانیاں ابو العباس سفاح نے بھی روا رکھی، تحریک کی ابتدا میں لوگوں کو یہ خوش فہمی ضرور تھی، کہ عباسیوں کی حکومت عدل و مساوات اور خلفائے راشدین کے نہج پر استوار ہوگی، مگر اقتدار کی باگ ڈور ہاتھ میں آنے کے بعد عباسیوں نے بھی ان سارے مظالم کا فتح باب کر دیا، جو امویوں کا وطیرہ تھے، چنانچہ ابوالعباس کا

لقب ہی ''السفاح'' یعنی ''خون بہانے والا'' مشہور ہو گیا۔ ابوالعباس نے کوفہ ہی میں خود اعلان کیا تھا: ''انا السفاح المبیح والثائر المتیح'' یعنی میں ہی خون بہانے والا اور لوگوں کی جان و مال کو حلال کرنے والا ہوں، میں ہی پراگندگی پھیلانے والا اور خوب داد و دہش کرنے والا ہوں۔ (کامل ابن اثیر ج ۴ ص ۱۵۴)

امام اعظم ابوحنیفہ نے اس ظالم انسان سے اپنی اور علمائے حق کی خلاصی کے لیے ایسی بات کہی، جس سے سفاح نے اپنے مطلب کی بات اخذ کی اور امام صاحب نے اپنا مقصد حاصل کیا، ظاہر ہے کہ امام صاحب نے ظالم و جابر ابن ہبیرہ کے عہد میں کوفہ چھوڑا تھا، عباسی تحریک کی کامیابی کے بعد وہ یہ سوچ کر کوفہ لوٹے تھے کہ اب اقتدار صالح افراد کے ہاتھوں میں آچکا ہے، ظلم و ستم کے تاریک بادل چھٹ چکے ہیں عدل و انصاف کا ماحول پیدا ہو چکا ہوگا، لیکن جب عباسی خلیفہ کے ظالمانہ طرزِ عمل اور اس کی قیصری آمریت ملاحظہ فرمائی، تو پھر حجاز مقدس چلے گئے، تاکہ امن و سکون کی فضا میں علمی و دینی مشاغل جاری رکھ سکیں۔

قیام حجاز

امام اعظم نے چھ سال سے زائد عرصے تک حجاز کی مقدس سرزمین میں زندگی بسر کرنے کی سعادت حاصل کی، مکہ اور مدینہ محدثین، فقہا اور علمائے حق کا سب سے بڑے مراکز تھے، جہاں ہر وقت قال اللہ وقال الرسول کے نغمے گونجا کرتے تھے اور ساری دنیائے اسلام کے علما، فقہا، محدثین، مفسرین اس مرکز عقیدت میں حاضر ہوا کرتے تھے، باہر سے آنے والے اساطین علم کی تعداد ایام حج میں شمار سے باہر ہوتی، امام صاحب کا قیام حجاز اس دور میں ہوا، جب آپ مسند درس وافتا پر متمکن ہو چکے تھے، لیکن ان کا ذوق تحصیل علم ختم نہیں ہوا تھا اور وہ اپنی عالمانہ وجاہت کے باوجود طلب علم کے مشتاق تھے، یہی وجہ ہے کہ انہیں علم وارادت کے اس مرکز میں رہتے ہوئے بڑے وسیع پیمانے پر کسب علم کا سنہری موقع ہاتھ آیا اور آپ کے شیوخ واساتذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ ابو حفص الکبیر البخاری کے مطابق

"اربعة آلاف شيخ وقال غيره له اربعة آلاف شيخ من التابعين فما بالك بغيرهم" (الخیرات الحسان ص ۵۰)

(امام صاحب کے شیوخ کی تعداد) چار ہزار شیوخ پر مشتمل ہے، ابو حفص کے علاوہ نے کہا، چار ہزار شیوخ طبقہ تابعین سے تعلق رکھتے ہیں، غیر تابعین اساتذہ کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے۔

شیوخ کی کثرت کا راز امام صاحب کی قوت اخذ علم اور طویل قیام حرمین شریفین کے دوران حجازی اور غیر حجازی تابعین، تبع تابعین علما ومحدثین کی ملاقات اور ان سے

شرف تلمذ کا موقع ہے۔

حجاز مقدس میں قیام کے دوران آپ کی علمی شان وعظمت کا ظہور اس طور پر ہوا، کہ علمائے حجاز خود آپ سے کسب علم کے مشتاق ہوئے اور آپ کی عالمانہ بصیرت کے معترف بنے، حضرت عطاء بن ابی رباح مشہور تابعی عالم وفقیہ جن کی ذات مرجع علما وفضلا تھی اور جن سے اکتساب فیض پر خود امام صاحب کو ناز تھا فرمایا کرتے تھے: ''مالقیت افضل من عطاء'' عطاء بن ابی رباح سے بہتر آدمی سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔

(معجم ج۲ص۳۹)

کبھی یہ فرماتے کہ ''مارأیت اجمع لجمیع العلوم من عطاء بن أبی رباح'' جو جامعیت علم، میں نے عطاء بن ابی رباح میں پائی وہ کسی میں نہ پائی۔

(موفق ج۱ص۸۸)

امام اعظم اپنی پہلی ملاقات اور عطا کی توجہ کی روایت سعید بن سالم بصری سے یوں بیان فرماتے ہیں:

''میں مکہ مکرمہ میں عطاء سے ملا، ان سے میں نے کچھ دریافت کیا، انہوں نے فرمایا، کس جگہ کے ہو میں نے کہا، کوفہ کا ہوں، فرمایا تم اس بستی کے ہو، جس کے باشندے اپنے دین میں تفریق پیدا کر کے فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ میں نے کہا، ہاں انہیں لوگوں میں ہوں، فرمایا، تمہارا تعلق کس فرقے سے ہے، میں نے کہا ''ممن لا یسب السلف ویومن بالقدر ولایکفر احدا بذنب'' اس جماعت سے میرا تعلق ہے، جو سلف کو گالی نہیں دیتی، تقدیر پر ایمان رکھتی ہے اور گناہ کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہتی۔ یہ سن کر عطاء نے فرمایا 'فالزم'' ''تم میرے پاس آیا کرو''۔ (خطیب ج۱۳ص۳۳۰)

ایسے جلیل القدر عالم کا حال یہ تھا، کہ ان کے شاگرد حارث بن عبدالرحمن کہتے ہیں:

کنا نکون عند عطاء بن ابی رباح بعضنا خلف بعض فاذا جاء ابو حنیفة اوسع له وادناه۔

ہم عطاء بن ابی رباح کی مجلس میں اس طرح بیٹھتے کہ بعض بعض کے پیچھے ہوتا، جب ابوحنیفہ مجلس میں تشریف لاتے، تو عطاء ان کے لیے مجلس میں گنجائش پیدا کرتے اور اپنے قریب بیٹھاتے۔

مکہ مکرمہ میں حلقہ درس

امام کی یہی عالمانہ وجاہت تھی، جس کی بنا پر لوگوں نے حجاز مقدس میں مجلس تدریس قائم کرنے کی خواہش ظاہر کی اور طالبان علوم نبوی کو آپ کی طرف متوجہ ہونے کی دعوت دی۔

وزیر بن عبداللہ کا بیان ہے:

سمعت یاسین الزیات بمکۃ وعندہ جماعۃ عظیمۃ وھو یصیح باعلیٰ صوتہ ویقول یاایھا الناس اختلفوا الی ابی حنیفۃ واغتنموا مجالستہ وخذوا من علمہ فانکم لم تجالسوا مثلہ ولن تجدوا اعلم بالحلال والحرام منہ فانکم ان فقدتموہ فقدتم علما کبیرا۔ (موفق ج۲ص۳۸)

میں نے مکہ مکرمہ میں یاسین زیات کو دیکھا کہ سامنے ایک بڑی جماعت ہے اور وہ چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ اے لوگو! ابوحنیفہ کے پاس آیا جایا کرو اور ان کے حلقہ درس میں بیٹھنے کو غنیمت سمجھو، ان کے علم سے فائدہ اٹھاؤ، کیوں کہ ایسا آدمی پھر بیٹھنے کے لیے نہیں ملے گا اور حلال وحرام کے ایسے عالم کو پھر نہ پاؤ گے، اگر اس شخص کو تم نے کھو دیا، تو علم کی بہت بڑی مقدار کھو بیٹھو گے۔

اسلام کے سب سے بڑے علمی وروحانی مرکز میں جہاں تمام عالم اسلام کے عوام وخواص آیا جایا کرتے تھے، وہاں امام کی مجلس درس وافتا کا یہ عالم تھا، کہ لوگ پروانوں کی طرح ان کے گرد جمع ہو کر اکتساب علم کرتے تھے۔

مشہور محدث عمار بن محمد مجلس درس کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

کان ابوحنیفة جالسا فی المسجد الحرام وعلیه زحام کثیر کل الآفاق قد اجتمعوا علیه من کل جانب فیجیبهم ویفتیهم۔
(موفق ج۱ص۱۲۰)

ابوحنیفہ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس خلقت کا ہجوم تھا، جن میں ہر علاقے اور خطے کے لوگ ہوا کرتے سب کو جواب دیتے اور فتویٰ دیتے۔

امام کے تبحر علمی اور بصیرت فی الفقہ کا چرچا رفتہ رفتہ عام ہوتا رہا اور حلقہ درس میں وسعت پیدا ہوتی چلی گئی اور آپ کے حلقۂ درس میں بیٹھنے والے حضرات اس دور کے اساطین علم تھے، عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

رأیت اباحنیفة جالسا فی المسجد الحرام ویفتی اهل الشرق واهل المغرب والناس یومئذ ناس یعنی الفقهاء الکبار وخیار الناس حضور۔ (موفق ج۲ص۵۷)

میں نے حرم کعبہ کی مسجد میں ابوحنیفہ کو دیکھا کہ بیٹھے ہوئے ہیں اور مشرق ومغرب کے باشندوں کو فتویٰ دے رہے ہیں اور یہ وہ زمانہ تھا جب لوگ لوگ تھے یعنی بڑے بڑے فقہا اور منتخب و برگزیدہ افراد آپ کی مجلس درس میں موجود رہتے تھے۔

امام اعظم کو حجاز مقدس کے دوران قیام حرمین شریفین کے علما ومحدثین اور دیگر اسلامی بلاد وامصار کے محدثین وفقہا محققین ومفسرین سے ملنے اور ان کی علمی بساط سے خوشہ چینی کرنے کا موقع بھی ملا اور بہت سارے علما وفقہا جو امام اعظم سے بعض افواہوں کی بنیاد پر بدظنی کا شکار ہوئے ملاقات کے دوران امام صاحب نے ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ فرمادیا۔

امام باقر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

ایک بار مدینہ منورہ تشریف لے گئے، جہاں حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا، آپ کو بتایا گیا تھا کہ ابوحنیفہ دینی مسائل واحکام میں قیاس ورائے سے فتویٰ دیتے ہیں۔ چنانچہ امام باقر کو جب معلوم ہوا، کہ آپ وہی امام عراق ابوحنیفہ ہیں، تو دریافت فرمایا، آپ وہی ابوحنیفہ ہیں، جس نے میرے نانا کے دین کو بدل دیا ہے؟ (اور قطعی نصوص اور قرآن وحدیث کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح دینے کا اصول اپنایا ہے)

امام اعظم نے نہایت ادب واحترام کے ساتھ عرض کیا، حضرت آپ تشریف رکھیں، تو کچھ عرض کروں۔ چنانچہ امام باقر بیٹھ گئے۔ امام صاحب بھی ان کے سامنے ادب کے ساتھ دوزانو ہو کر بیٹھے، عرض کی "میں آپ سے تین باتیں پوچھنا چاہتا ہوں، آپ مجھے ان تینوں کا جواب عنایت فرمائیں۔

امام ابوحنیفہ:۔ مرد ضعیف ہے یا عورت؟

امام باقر:۔ عورت

امام ابوحنیفہ:۔ مرد کا حصہ کتنا ہے اور عورت کا کتنا؟

امام باقر:۔ مرد کے لیے دو حصے ہیں اور عورت کے لیے ایک حصہ۔

امام ابوحنیفہ:۔ **هذا قول جدك ولو حولت دين جدك لكان ينبغي في القياس ان يكون للرجل سهم وللمرأة سهمان لان المرأة اضعف من الرجل .**

یہی آپ کے جد امجد کا قول ہے، اگر میں آپ کے نانا کے دین کو تبدیل کرتا اور قیاس سے فتویٰ دیتا تو از روئے قیاس مناسب ہوتا کہ مرد کا ایک حصہ ہو اور عورت کا دو حصہ کیوں کہ عورت مرد سے زیادہ ناتواں ہے۔

امام ابوحنیفہ:۔ نماز افضل ہے یا روزہ؟

امام باقر:۔ نماز افضل ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ:۔ هذا قول جدك ولوحولت دين جدك فالقياس ان المرأة اذاطهرت من الحيض امرتها ان تقضي الصلوٰة ولا تقضي الصوم.

یہ آپ کے نانا جان کا ارشاد ہے، اگر میں ان کے دین کو بدلتا، تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ عورت جب حیض سے پاک ہو تو میں اسے حکم دیتا کہ وہ نماز کی قضا کرے، روزے کی قضا نہ کرے۔ امام ابوحنیفہ:۔ پیشاب زیادہ ناپاک ہے یا نطفہ؟

امام باقر:۔ پیشاب زیادہ ناپاک ہے۔

امام ابوحنیفہ:۔ فلو كنت حولت دين جدك بالقياس لكنت امرت ان يغتسل من البول ويتوضأ من النطفة لان البول اقذر من النطفة ولكن معاذ الله ان احول دين جدك بالقياس.

اگر میں آپ کے نانا کے دین سے منحرف ہوتا تو میں اس مسئلہ میں حکم دیتا کہ پیشاب خارج ہونے پر غسل کیا جائے اور خروج منی پر وضو کیوں کہ پیشاب منی کی بہ نسبت زیادہ نجس ہے، اس بات سے خدا کی پناہ کہ میں آپ کے نانا کے دین کو قیاس کے ذریعہ تبدیل کروں۔

امام باقر یہ بات سن کر بے حد مسرور ہوئے، بدگمانی جاتی رہی اور امام صاحب کی ذکاوت وذہانت اور تبحر علمی کا اعتراف اس طرح فرمایا، کھڑے ہوئے، معانقہ کیا، مہربانی فرمائی، تعظیم کی اور آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا۔

فعانقه والطفه واكرمه وقبل وجهه (موفق ج۱ ص۱۶۸)

امام مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ

امام دار الہجرت حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ جلیل القدر محدث اور مجتہد مطلق

تھے، پورا عالم اسلام آپ کو عقیدت وارادت کی نظر سے دیکھتا تھا، امام اعظم نے بھی ان کی بارگاہ میں بارہا حاضری دی اور آپ کے ساتھ طویل علمی وفقہی مذاکرات ہوا کرتے تھے۔
ابن دراوردی کا بیان ہے :

رأیت مالکا وابا حنیفة فی مسجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعد صلوة العشاء الآخرة وھما یتذاکران ویتدارسان حتی اذا وقف احدھما علی القول الذی قال بہ ومل علیہ امسك احدھما عن صاحبہ من غیر تعسف ولا تخطئة لو احد منھما فلم یزالا کذالك حتی صلیا الغداة فی مجلسھما ذلك۔

میں نے مالک اور ابوحنیفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں دیکھا کہ عشا کی نماز کے بعد دونوں باہم علمی مذاکروں اور مباحثوں میں مصروف رہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ مسلسل جاری رہتا یہاں تک کہ صبح کی نماز بھی وہیں پرادا کرتے، جہاں پر عشاء کی نماز کے بعد دونوں بیٹھ کر بحث ومباحثہ میں مشغول ہوتے تھے۔

دوران بحث ان میں سے کوئی دوسرے کے قول راجح پر مطلع ہوتا تو اسے بلا چوں وچرا اختیار کر لیتا۔ (موفق ج ۲ ص ۱۶۴)

امام مالک امام صاحب کی فکر رسا اور قوت بحث واجتہاد کے معترف تھے۔ واقدی کا بیان ہے:

قلت لمالك بن انس من افقہ من قدم علیکم من اھل العراق قال ومن قدم علینا من اھل العراق قلت قدم علیکم ابن ابی لیلی وابن شبرمة وسفیان الثوری وابوحنیفة فقال مالك ذکرت

ابا حنیفة فی آخرهم رأیته یکلم فقیها من فقهائنا حتی رده الی رای نفسه ثلاث مرات وقال هذا ایضا خطأ۔ (جلد اول ۱۱۳ مناقب الکردری)

میں نے امام مالک سے پوچھا آپ کے پاس عراق سے آنے والوں میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے، امام مالک نے دریافت فرمایا ہمارے پاس عراق سے کون لوگ آئے، میں نے عرض کیا، آپ کی بارگاہ میں ابن ابی لیلی، ابن شبرمہ، سفیان ثوری اور ابوحنیفہ آئے، امام مالک نے فرمایا، تم نے لوگوں کے آخر میں ابوحنیفہ کا ذکر کیا میں نے دیکھا کہ وہ حجازی فقہا میں سے کسی سے گفتگو کر رہے تھے جسے انہوں نے تین بار اپنی رائے کے ماننے پر مجبور کیا تیسری رائے جسے ماننے پر مجبور کیا تھا آخر میں اسے رد کر دیا اور فرمایا یہ بھی غلط ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام دار الہجرت سے امام اعظم کے بارے میں سوال کیا تو امام دار الہجرت نے فرمایا:

سبحان الله لم ار مثله تالله لو قال ان الاسطوانة من ذهب لاقام الدلیل القیاسی علی صحة قوله۔

سبحان اللہ میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا خدا کی قسم اگر وہ کہتے کہ یہ ستون سونے کا ہے تو اپنے دعویٰ کو قیاسی دلیل سے ثابت کر دیتے۔ (الخیرات الحسان ص ۶۶)

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

دخل ابو حنیفة علی مالك فرفعه ثم قال بعد خروجه اتدرون من هذا ؟ قالوا لا قال ابوحنیفة النعمان لوقال هذه الاسطوانة من ذهب لخرجت کما قال لقد وفق له الفقه حتی ما علیه فیه کثیر مؤنة۔

امام ابوحنیفہ امام مالک کے پاس تشریف لے گئے، تو آپ نے ان کی تعظیم کی جب آپ چلے گئے تو فرمایا تم لوگ جانتے ہو یہ کون تھے لوگوں نے نفی میں جواب دیا تو فرمایا یہ ابوحنیفہ نعمان تھے اگر یہ کہتے کہ یہ ستون سونے کا ہے تو اسے ثابت کر دکھاتے، فقہ سے ان کو طبعی مناسبت ہے اس باب میں ان کے لیے کوئی مشقت نہیں۔ (الخیرات الحسان ص ٦٦)

امام اوزاعی سے ملاقات

حضرت عبداللہ بن مبارک امام اوزاعی سے تحصیل علم کے لیے شام تشریف لے گئے، بیروت میں ان سے ملاقات ہوئی، تو امام اوزاعی نے پوچھا:

یاخراسانی من هذا المبتدع الذی خرج بالکوفة یکنی ابا حنیفة

اے خراسانی وہ بدعتی کون ہے، جو کوفہ میں ظاہر ہوا ہے جسے ابوحنیفہ کہتے ہیں؟

ابن مبارک امام صاحب کے تلمذ سے مشرف ہو چکے تھے اور آپ کے تبحر علمی، شان تفقہ سے پورے طور پر واقف ہو چکے تھے، انہوں نے سمجھ لیا کہ امام اوزاعی تک امام اعظم سے متعلق غلط باتیں پہنچائی گئی ہیں، جس کی وجہ سے آپ سوء ظن میں مبتلا ہیں اس کا ازالہ ضروری ہے چنانچہ دو تین دن بعد پھر ان کی مجلس میں حاضر ہوئے اور فقہ حنفی کے چند کتابی اجزا ساتھ میں لیتے گئے، جن کی پیشانی پر قال نعمان بن ثابت لکھا ہوا تھا، انہیں امام اوزاعی کی خدمت میں پیش کر دیا، امام اوزاعی ان نوشتوں کو بغور پڑھتے رہے جب تمام اجزا کی قرأت سے فارغ ہوئے سر اٹھایا اور ابن مبارک سے پوچھا: ''یا خراسانی من النعمان بن ثابت هذا.'' اے خراسانی یہ نعمان بن ثابت کون ہیں؟ ابن مبارک نے جواب دیا کہ یہ نعمان میرے شیخ اور عراق کے ایک بزرگ فقیہ ہیں، یہ سن کر امام اوزاعی نے فرمایا:

هذا نبیل من المشائخ اذهب فاستکثره.

یہ بڑے پائے کے عالم ہیں تم ان کے پاس جاؤ اور مزید علم حاصل کرو۔

ابن مبارک نے عرض کیا، یہ نعمان وہی ابوحنیفہ ہیں، جن کو گزشتہ دنوں آپ مبتدع قرار دے رہے تھے، جب امام اوزاعی حج کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، تو امام اعظم سے ملاقات ہوگئی، آپ کی مجلس علمی میں شریک ہوئے آپ کی اہم فقہی گفتگو اور دلائل و براہین سے بے حد متاثر ہوئے، اس مجلس میں ابن مبارک بھی تھے، جب مجلس ختم ہوئی امام اوزاعی نے عبداللہ بن مبارک سے فرمایا:

غبطت الرجل بکثرۃ علمه ووفور عقله واستغفر الله تعالٰی لقد کنت فی غلط ظاهر الزم الرجل فانه بخلاف مابلغنی عنه:

میں امام صاحب کی کثرت علم اور وفور عقل پر رشک کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں میں کھلی غلطی پر تھا ان کو الزام دیتا تھا حالاں کہ وہ بالکل اس کے برخلاف ہیں۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۸، الخیرات الحسان ص ۶۸)

امام اعظم سے امام عبدالرحمٰن اوزاعی کی ملاقات اور ایک علمی مباحثے کا ذکر سفیان بن عیینہ اس طرح کرتے ہیں:

امام اعظم اور امام اوزاعی کی مکہ معظمہ میں دارالحیاطین میں ملاقات ہوئی۔ امام اوزاعی نے امام اعظم سے کہا، کیا بات ہے آپ لوگ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی صحیح روایت نہیں۔

امام اوزاعی نے کہا کیسے نہیں! حالانکہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی وہ سالم سے، سالم اپنے والد ابن عمر سے روایت کرتے ہیں:

انه کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ وعند الرکوع و عند

الر فع منه.

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے، جب رکوع میں جاتے، جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کیا کرتے۔

اس کے جواب میں حضرت امام اعظم نے فرمایا۔

ہم سے حماد نے حدیث بیان کی وہ ابراہیم نخعی سے، وہ علقمہ اور اسود سے یہ دونوں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

کان لا یر فع یدیه الا عند افتتاح الصلوٰۃ ولا یعو د لشی من ذا لك.

کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے، اس کے بعد پھر نہیں کرتے تھے۔

اس پر امام اوزاعی نے کہا میں عن زہری عن سالم عن ابیہ کی حدیث سند سے بیان کرتا ہوں اور آپ کہتے ہیں حدثنی حماد عن ابراہیم عن علقمہ حضرت امام اعظم نے فرمایا، حماد، زہری سے افقہ ہیں اور ابراہیم، سالم سے افقہ ہیں اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں۔ اگرچہ وہ صحابی ہونے کی وجہ سے علقمہ سے افضل ہیں اور اسود اور بھی صاحب علم ہیں اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی فقہ میں برتری سب کو معلوم ہے۔ (موفق ج ا ص ۱۳۱)

امام اوزاعی نے حدیث کو علوے سند سے ترجیح دی اور امام اعظم نے راویوں کے افقہ ہونے کی بنیاد پر۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر دو متضاد باتیں دو فریق سے مروی ہوں۔ دونوں ثقہ ہوں مگر ایک فریق کے راوی زیادہ عالم زیادہ ذہین زیادہ سمجھ دار ہوں تو ہر دیانت دار عاقل اسی حدیث کو ترجیح دے گا جو فریق ثانی سے مروی ہو۔

امام لیث بن سعد

امام مصر حضرت لیث بن سعد امام کی شہرت سن کر شوق ملاقات میں مکہ مکرمہ تشریف لائے، دیکھا امام صاحب مجلس علمی میں تشریف فرما ہیں آپ کے گرد لوگوں کا ہجوم ہے

ایک شخص نے سوال کیا آپ نے فوراً عمدہ جواب دیا جواب سے متاثر ہو کر امام لیث بن سعد ارشاد فرماتے ہیں:

فوالله ما اعجبنی صوابه کما اعجبنی سرعة جوابه.

(موفق جلد اول ص ۱۶۴)

مجھے ان کے صحیح جواب پر اتنی حیرت نہ ہوئی جتنا تعجب ان کی زود جوابی پر ہوا۔

والی مکہ موسیٰ بن عیسیٰ کا وثیقہ

لکھا ہے کہ موسیٰ بن عیسیٰ عباسیوں کی طرف سے مکہ کا والی تھا حج کے زمانہ میں وہاں قاضی ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ سرکاری قضاۃ پہنچے ہوئے تھے اور اتفاق سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ بھی وہاں موجود تھے، موسیٰ بن عیسیٰ والی مکہ کو کسی کام کے لیے ایک وثیقہ لکھوانے کی ضرورت پیش آئی، پہلے اس نے دونوں سرکاری قاضیوں کو بلوا کر وثیقہ لکھنے کی فرمائش کی، لیکن جو لکھتا دوسرا اس میں نقائص نکال کر رکھ دیتا، اسی جھگڑے اور باہم منازعت میں مطلوبہ وثیقہ تیار نہ ہو سکا، آخر دونوں حضرات تشریف لے گئے تھوڑی دیر بعد امام اعظم ابوحنیفہ بھی کسی ضرورت سے والی مکہ کے ہاں خود پہنچے یا بلائے گئے، موسیٰ نے امام صاحب کو دیکھا تو بہت خوش ہوا اور وثیقہ کا سارا قصہ امام صاحب کے سامنے دہرایا، امام صاحب نے فرمایا، پریشانی کی کوئی بات نہیں، کاتب کو بلوایئے ابھی لکھوا دیتا ہوں، چنانچہ کاتب بلوایا گیا اور امام صاحب نے وہیں بیٹھے بیٹھے وثیقہ لکھوا دیا، اور موسیٰ والی مکہ کے حوالے کر دیا، وہ جس طرح کی دستاویز لکھوانا چاہتا تھا امام صاحب نے اس کے سارے تقاضے پورے کر دیے، تحریر مطلوب کے موافق تھی۔

جب امام صاحب تشریف لے گئے، تو موسیٰ نے دونوں سرکاری قاضیوں کو بلا کر ابوحنیفہ کا لکھوایا ہوا وثیقہ خود پڑھ کر سنایا، دونوں سنتے اور سر دھنتے رہے مگر اول سے آخر تک کوئی نقص نہ نکال سکے موسیٰ نے دونوں کو بتایا کہ یہ دستاویز ابوحنیفہ کی لکھوائی ہوئی ہے، دونوں ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے لکھا ہے کہ جب دونوں سرکاری دربار سے باہر

آئے تو ایک نے دوسرے سے کہا ”اما تری هذا الحائك جاء في ساعة فكتبه“، تم نے اس جولاہے کو دیکھا کہ جس وقت آیا اسی وقت وثیقہ لکھوا دیا، تب دوسرے نے کہا: ”بھائی جولاہا بھی کہیں ایسی عبارت (دستاویز) لکھ سکتا ہے۔

(موفق ج اص ۱۷۰)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طبقاتی اور پیشہ ورانہ عصبیت اس دور کے بعض علما میں بھی درآئی تھی اور وہ حیاکت کے پیشے کو ذلیل اور اس کام میں مصروف لوگوں کو بزعم خویش احمق اور نادان سمجھتے تھے۔

توسیع حرم کا مسئلہ

خلیفہ ابوجعفر منصور نے ایک مرتبہ حج کے موقع پر مسجد حرام کی تنگی دیکھ کر اس کو وسیع کرنے کا ارادہ کیا اور آس پاس کے مکانوں کو حرم میں ملانے کے لیے مالکوں کو خطیر رقم پیش کی، مگر وہ لوگ جوار حرم چھوڑنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوئے، ابوجعفر منصور بہت پریشان ہوا، زبردستی کر کے مکانات غصب بھی نہیں کر سکتا تھا، اس سال امام ابوحنیفہ بھی حج کو گئے ہوئے تھے، مگر لوگوں کو ان کی آمد کی خبر نہیں تھی، جب امام صاحب کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو خود ابوجعفر کے پاس گئے اور کہا کہ یہ معاملہ بہت آسان ہے امیر المومنین مکان کے مالکوں کو بلا کر ان سے دریافت کریں کہ کعبہ تمہارے جوار اور پڑوس میں اترا ہے یا تم اس کے جوار میں آکر آباد ہوئے ہو؟ اگر وہ جواب دیں کہ کعبہ ہمارے پاس اترا ہے تو یہ جھوٹ ہے اور اگر وہ جواب دیں کہ ہم کعبہ کے جوار میں اترے ہیں تو ان سے کہا جائے گا کہ اب اس کے زائرین وحجاج زیادہ ہو گئے ہیں اور مہمانوں کے لیے اس کا صحن تنگ ہو گیا ہے اور وہ اپنے سامنے کے میدان کا زیادہ حقدار ہے اس لیے اس کی زمین خالی کرو، چنانچہ اس رائے کے مطابق ابوجعفر منصور نے مکان کے مالکوں کو طلب کر کے یہی بات کہی اور ان کے ہاشمی نمائندوں نے اقرار کیا کہ ہم لوگ کعبہ کے جوار میں اترے اس کے بعد سب لوگ اپنے مکانات فروخت کرنے پر راضی ہو گئے (حسن التقاسیم ص ۷۵)

اس طرح حرم کعبہ کی توسیع بآسانی ہوگئی۔

خلیفہ ابو جعفر منصور اور امام اعظم ابو حنیفہ

پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس سفاح نے کوفہ کے قریب ''ہاشمیہ'' نامی بستی کو دارالخلافہ بنایا تھا، منصور نے کوفہ کے قریب ''انبار'' میں قیام کیا ۱۴۵ھ میں منصور نے اپنی حکومت کے استحکام اور تنظیم سلطنت کے امور سے یک گونہ فراغت پائی، تو بغداد کو عباسی خلافت کی راجدھانی بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس غرض سے ایک وسیع شہر دارالسلام بغداد کی اعلیٰ پیمانہ پر تعمیر کا آغاز کیا۔ شہر کی تعمیر سے پہلے اس نے تمام ممالک محروسہ میں مقیم علما و فضلا دانشور اور حکما کو بغداد طلب کیا۔ بغداد آنے والے فقہا و محدثین کی جماعت میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے امام صاحب کو جب منصور کے دربار میں پیش کیا، تو آپ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا: ''یا امیر المومنین ھذا عالم الدنیا الیوم'' اے امیر المومنین اس وقت یہ دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

(دیباچہ جامع المسانید للخوارزمی)

عیسیٰ بن موسیٰ کے تعارف کے بعد منصور امام صاحب کی طرف متوجہ ہوا، پوچھا نعمان تم نے علم کس سے حاصل کیا؟ امام صاحب نے ذرا تفصیل سے جواب دیا ''حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار ممتاز صحابہ عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے اصحاب اور شاگردوں کے علم سے میرا علم ماخوذ ہے''۔

ابو جعفر خود صاحب علم تھا اس نے جواب کی تحسین کرتے ہوئے کہا، ''تم نے بڑی مستحکم راہ اپنے لیے اختیار کی''۔

ابو جعفر کا ارادہ تھا، کہ شہر بغداد کی تعمیر اور اس کی تزئین علما اور دانشوروں کی رائے مشورے سے کی جائے چنانچہ اس نے علما و فقہا کو مختلف ذمہ داریاں دیں۔ بیان کیا جاتا ہے، کہ امام صاحب کو منصب قضا کی پیش کش ہوئی، انہوں نے منصب قضا کو مسترد

کر دیا، منصور نے جذبہ انتقام میں امام صاحب پر شہر بغداد کی تعمیر کے لیے اینٹوں کی ڈھلائی کی نگرانی، ان کا شمار، کام کرنے والوں کی نگرانی آپ کو سونپ دی۔ اس کا خیال تھا، کہ امام صاحب اس کام میں اذیتوں سے دوچار ہوں گے اور اپنی ذلت وحقارت محسوس کرتے ہوئے عہدہ قضا قبول کر لیں گے۔ لیکن امام صاحب نے دوسرے کاموں کی نگرانی کے ساتھ اینٹوں کے شمار کا اہم کام بھی انجام دیا، انہوں نے ایک ایک اینٹ شمار کرنے کے بجائے اینٹ کے ڈھیروں کی پیمائش کا طریقہ اختیار کیا، اس طرح علم حساب کی مدد سے امام صاحب چند منٹوں میں ایک بانس کے ذریعہ اینٹوں کے بڑے بڑے ڈھیروں کا شمار کر لیا کرتے، اس طرح امام اعظم نے اپنی تدبیر وحکمت سے ایک ایسا اصول وضع کر کے دنیا والوں پر احسان کیا کہ وہ محل اشیا کے رقبے طول وعرض اور بلندی کو ناپ کر نتیجہ اخذ کر سکیں، کہ اس مقام پر رکھی ہوئی چیز کی تعداد وشمار کیا ہے۔

بغداد کی تاسیس وتعمیر کے دوران امام صاحب زیادہ دنوں تک منصور کے ساتھ بغداد ہی میں رہے، منصور اور حضرت امام اعظم سے متعلق جو واقعات سیرت نگاروں نے تحریر کیے ہیں، ان میں تاریخی ترتیب کا التزام نہیں کیا ہے، تاہم اتنا ضرور واضح ہے، کہ واقعات اس ملاقات کے بعد ہی وجود میں آئے، ہم یہاں کچھ واقعات پیش کرتے ہیں، جن سے امام صاحب کی حاضر جوابی، زود فہمی، حق گوئی اور فقہی بصیرت کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ منصور آپ کی عالمانہ وجاہت سے کس درجہ متاثر تھا۔

بیع وشرا سے متعلق ایک کتاب

منصور نے بیع وشرا کے موضوع پر ایک جامع کتاب لکھوانے کا فیصلہ کیا، اس نے اس وقت کے اہم علما وفضلا ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ اور دیگر فقہا کو جمع کیا، ان سب کا تعلق دربار سے تھا، ان تمام لوگوں نے مل کر بیع وشرا کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی، جب منصور کے مطالعہ میں پیش کی گئی، اس نے غور سے پڑھنے کے بعد ناپسندیدگی کا اظہار کیا،

کیوں کہ کتاب اس کے معیار کے مطابق نہیں تھی، اس نے کتاب کے اغلاط کو پیش کیا، علما ے مجلس نے عرض کیا، کہ یہ کتاب ہم نے اپنے علم کی روشنی میں مرتب کی ہے، ہم اس سے عمدہ کتاب نہیں لکھ سکتے البتہ کوفہ میں ایک فقیہ ہیں، جو آپ کی خواہش کے مطابق کتاب لکھ سکتے ہیں، چنانچہ امام اعظم کو بلایا گیا، منصور نے آپ سے کہا، مجھے اس قسم کی کتاب چاہیے اس کے لیے آپ کو دو ماہ کا وقت دیتا ہوں آپ نے فرمایا دو ماہ کا وقت زیادہ ہے انشاء اللہ اس سے پہلے ہی مکمل ہو جائے گی اور آپ نے دو دن میں کتاب مکمل کر کے منصور کی بارگاہ میں پیش کر دی اور کسی کو اس پر تنقید کرنے کی ہمت نہ ہوئی، منصور کو وہ کتاب بہت پسند آئی، اس نے آپ کو دس ہزار درہم دینا چاہا تو آپ نے قبول نہ کیا، بار ہا اصرار کے باوجود قبول نہ کیا اور اجازت لے کر واپس چلے آئے۔

چند اور واقعات

تعمیر بغداد کے دوران امام صاحب کو زیادہ دنوں تک سرکاری کیمپ میں رہنے اور خلیفہ منصور سے راہ و رسم قائم کرنے کا موقع ہاتھ آیا تھا، امام صاحب کا یہ تقرب ذاتی منفعت کی غرض سے نہیں تھا، بلکہ اپنے علم و فہم، ذہانت و بصیرت سے خلیفہ پر اثر انداز ہو کر اصلاح حکومت کی صورتیں نکالنا چاہتے تھے، وہ جانتے تھے کہ مطلق العنان سلاطین کو حق و صداقت، عدل و انصاف کی روش پر چلانے سے مسلمانوں کا مفاد متعلق ہو گا اور اس طریقے سے امر بالمعروف کا فریضہ بھی انجام دیا جاتا رہے گا۔ چنانچہ منصور آپ کی عبقری شخصیت، حکیمانہ بصیرت اور مجتہدانہ صلاحیت سے خوب واقف تھا۔ وہ بھی امام صاحب کو اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا، اکثر اپنے دربار میں بلایا کرتا اور امور سلطنت یا فقہی مسائل میں استفادہ کرتا۔

☆ ایک دن قاضی ابن ابی لیلیٰ دربار میں موجود تھے، امام صاحب بھی پہنچے، یہ مسئلہ پیش آیا، کہ سوداگر اپنے مال کے متعلق گاہک سے یہ کہہ دے، کہ جس مال کو آپ لے رہے ہیں، میں اس کے عیوب اور نقائص سے بری ہوں، اس کے بعد بھی اگر آپ لینا

چاہتے ہیں، تو لے سکتے ہیں۔ سوال یہ تھا کہ اس کے بعد سودے میں اگر کسی قسم کا عیب یا نقص نکل آئے، تو خریدار کو واپسی کا حق باقی رہتا ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ سوداگر اس اعلان کے ساتھ بری الذمہ ہو جاتا ہے اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا، سودے میں جو عیب ہو جب تک ہاتھ رکھ کر سوداگر اس کو متعین نہیں کرے گا، اس وقت تک صرف لفظی براءت کافی نہیں ہے۔ دونوں میں مسئلہ پر بحث ہونے لگی۔ منصور دونوں کی گفتگو دلچسپی سے سن رہا تھا، آخر میں امام نے ابن ابی لیلیٰ سے پوچھا کہ فرض کیجیے کسی شریف عورت کا ایک غلام ہے، وہ اس کو بیچنا چاہتی ہے، لیکن غلام میں یہ عیب ہے کہ اس کے عضو مخصوص پر برص کا داغ ہے فرمایئے کہ کیا آپ اس شریف عورت کو یہ حکم دیں گے کہ عیب پر ہاتھ رکھ کر خریدار کو مطلع کرے۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ ہاں اسی مقام پر اس کو ہاتھ رکھنا ہوگا، یہ سن کر ابو جعفر منصور قاضی ابن ابی لیلیٰ پر بہت برہم ہوا۔ (موفق ج ۱ ص ۱۶۷)

☆ خلیفہ منصور کے مصاحب خاص ربیع کو امام اعظم ابوحنیفہ سے در پردہ عداوت تھی، وہ آپ کو تکلیف پہنچانے کی تاک میں رہتا تھا، اتفاق سے ایک روز امام ابوحنیفہ اور ربیع دونوں خلیفہ منصور کے یہاں جمع ہو گئے، تو ربیع نے امام صاحب کے سامنے خلیفہ منصور سے کہا کہ یہ ابوحنیفہ تمہارے چچا حضرت عبداللہ بن عباس سے عداوت رکھتے ہیں اور ان کے قول کے خلاف حکم دیتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص حلف اٹھانے کے دو تین روز بعد انشاء اللہ کہہ دے، تو آپ کے جد بزرگوار حضرت عبداللہ بن عباس کے نزدیک اس کا استثنا صحیح ہوتا ہے، ان کا ارشاد ہے ''ان الاستثناء جائز ولو کان بعد سنة'' استثنا اگر سال بھر کے بعد ہو تب بھی جائز ہے۔ اور یہ ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ یہ انشاء اللہ قول سے متصل کہنا چاہیے ورنہ بعد میں استثنا درست نہ ہوگا، امام ابوحنیفہ کا مستدل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا: ''من حلف علی یمین واستثنیٰ فلاحنث علیه'' جس نے قسم کھائی اور استثنا کر لیا وہ حانث نہیں۔ تو امام ابوحنیفہ نے خلیفہ کو مخاطب کر کے فرمایا، خلیفہ محترم! ربیع کہنا چاہتا ہے، کہ لشکر کی بیعت آپ کے ہاتھ پر درست نہیں ہوتی، خلیفہ

نے پوچھا کس طرح؟ امام صاحب نے فرمایا، کہ آپ کے سامنے قسم کھا کر بیعت کر لی، پھر گھر جا کر ''انشاء اللہ'' کہہ دیا، تو بیعت ٹوٹ گئی، اور قسم بے اثر ہو گئی، گویا ربیع یہی کہنا چاہتا ہے کہ آپ کی فوج وغیرہ آپ کے ہاتھ پر وفاداری کی قسم کھا کر جو بیعت کرتی ہے، تو ربیع چاہتا ہے کہ اس بیعت کو غیر موثر بنا دے، یعنی بیعت کرنے کے بعد بیعت کرنے والوں کو یہ اختیار دے رہا ہے کہ گھر جا کر استثنا کر لیں، تو شرعاً بیعت کی پابندی ان کے لیے ضروری نہیں، یہ تو بے حد فتنے کی بات ہے، کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی اس تقریر سے ربیع کا خون خشک ہو گیا۔ (مدارک شریف تفسیر سورہ کہف)

☆ ابو حفص کبیر کا بیان ہے کہ خلیفہ منصور عباسی نے امام اعظم کو طلب کیا اور کہا کہ غالی شیعوں نے ہم سے اختلاف کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ جھوٹے کو جھوٹا اور سچے کو سچا کہا جائے، اس لیے آپ اہل تشیع سے گفتگو کریں، آپ نے غالی شیعہ سے فرمایا ''کذبت و کفرت و افتریت'' تو نے جھوٹ کہا، تو نے کفر کیا اور تو نے افترا پردازی کی، یہی الفاظ بار بار دہراتے رہے، یہاں تک کہ ابو العباس طوسی نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی قرابت و فضیلت بیان کی اور ان کا ذکر خیر کیا، امام صاحب نے سن کر فرمایا تمہارا قول درست ہے۔

اس واقعہ کے بعد امام صاحب اور منصور کی مدح میں یہ اشعار کہے گئے۔

بنصر مذهب النعمان الامام غدا
منصور الهاشمی البحر منصورا
فان مدحت علی نصر الهدیٰ احدا
فامدح اخاللشرف القمقام منصورا
اعجب به من فريد في سياسته
لو كان خلد هذا السعي مشكورا

قد کان شهرة المنصور حين غدا

سيفا على فرق الاعداء مقهورا

اصاب نعمان في الاشياء اذ غلطوا

فصار من بينهم بالحق مشهورا

كان القياس خرابا لايلاحظه

دهر فاصبح بالنعمان معمورا

ابدى شهاب قياس كان مستترا

دهرا فاصبح من عاداه مدحورا

(مناقب کردری ج۲ ص ۱۸)

☆ابوالعباس طوسی نے ایک دن برسر دربار امام صاحب سے یہ دریافت کیا کہ ابوحنیفہ بتایئے اگر امیر المومنین ہم میں سے کسی کو یہ حکم دیں کہ فلاں کی گردن ماردو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس شخص کا کیا قصور ہے تو کیا ہمارے لیے اس کی گردن مارنا جائز ہوگا؟ برجستہ امام نے فرمایا، کہ ابوالعباس میں تم سے پوچھتا ہوں، کہ امیر المومنین صحیح حکم دیتے ہیں یا غلط؟ طوسی نے کہا، کہ امیر المومنین غلط حکم کیوں دینے لگے؟ امام نے فرمایا، تو صحیح حکم نافذ کرنے میں تردد کی گنجائش کیا ہے، طوسی امام سے یہ جواب پا کر کھسیانا ہوگیا۔

☆امام صاحب کو منصور کے مزاج میں بڑا دخل حاصل ہوگیا تھا اور وہ آپ کی قابلیت اور علمی عبقریت کا تذکرہ عوام وخواص کے سامنے کیا کرتا تھا، دنیا کا دستور ہے، کہ لوگ علمی شان ووقار رکھنے والوں سے بغض وحسد کا برتاؤ کرنے لگتے ہیں، یہ حال منصور کے بعض درباریوں کا بھی تھا، انہیں امام کی مقبولیت یک چشم نہ بھاتی تھی اور وہ امام کو نیچا دکھانے کی رکیک حرکتیں کیا

کرتے تھے لیکن امام صاحب کی شخصیت ان کے حملوں سے ہمیشہ محفوظ رہی اور آپ کی عزت وتوقیر بڑھتی ہی چلی گئی۔

قاضی ابویوسف کا بیان ہے کہ منصور کا ایک بہت منہ چڑھا غلام تھا، منصور اس کو بہت مانتا تھا، اس کے دل میں بھی امام صاحب کی طرف سے حسد پیدا ہوا، جب منصور امام صاحب کی تعریف کرتا، تو وہ منہ بگاڑ لیتا اور جھوٹی سچی باتیں ادھر ادھر کی ان کی طرف منسوب کرتا، اپنے اس جاہل غلام کو منصور منع بھی کیا کرتا تھا، کہ تجھے ان سے کیا سروکار ہے، لیکن وہ اتنا شوخ تھا، کہ باربار ممانعت کے باوجود امام کی بدگوئیوں سے باز نہیں آتا، منصور نے بہت سختی سے اسے ڈانٹا، منع کیا، تو اس نے کہا، کہ آپ ان کی بڑی تعریف کرتے ہیں، میں جاہل آدمی ہوں میرے سوالوں کا جواب دے دیں، تو میں جانوں، منصور نے کہا کہ، تو بھی حوصلہ نکال لے، دھمکایا بھی، اگر ابوحنیفہ نے تیری باتوں کا جواب دے دیا، تو پھر تیری خیر نہیں، مگر اس جاہل کو اپنے سوالوں پر بڑا ناز تھا، خلیفہ سے اجازت مل ہی چکی تھی، امام صاحب منصور کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، غلام نے خطاب کر کے کہا، آپ ہر بات کا جواب دیتے ہیں میرے سوالوں کو حل کیجیے، تو میں جانوں امام صاحب نے کہا، پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اس نے دریافت کیا، دنیا کے ٹھیک بیچ میں کونسی جگہ ہے؟ اس جہالت کا جواب کیا ہوسکتا تھا، امام نے فرمایا، کہ وہی جگہ جہاں تو بیٹھا ہے، ظاہر ہے کہ اس کی تردید وہ کیا کرسکتا تھا، چپ ہوگیا اور دوسرا سوال پیش کیا، کہ خدا کی خلقت مین زیادہ تعداد سر والوں کی ہے یا پیر والوں کی؟ امام نے اسی انداز میں فرمایا پاؤں والوں کی، اس نے کہا کہ دنیا میں نروں کی تعداد زیادہ ہے یا مادوں کی؟ امام نے فرمایا کہ نر بھی بہت سے ہیں مادہ کی کمی نہیں اچھا تو بتا کس میں ہے؟ چوں کہ وہ خصی غلام تھا جھینپ گیا، کہتے ہیں کہ منصور نے غلام کو پٹوایا اور کہا کہ آئندہ ان کے متعلق اپنے اس برے رویے سے باز آجا۔ (موفق ج ا ص ۱۶۱)

ساحل دجلہ پر شاہی کیمپ میں اقامت کے دوران امام اعظم کو خلیفہ منصور کے

ساتھ راہ ورسم اور تعلقات میں وسعت پیدا کرنے کا موقع مل گیا تھا، خلیفہ بار بار آپ کو طلب کرتا اور مصالح ملکی میں مشوروں کا طالب ہوتا۔ ان ملاقاتوں میں امام کو اپنی خداداد ذہانت، اپنے کردار، اپنی گفتار، اپنی وسعت علمی سے متاثر کرنے کا کھلا میدان مل گیا تھا۔ خالی اوقات میں بھی منصور امام صاحب کو بلاتا اور آپ کی علمیت وحذاقت سے مستفید ہوتا، امام صاحب کے تجربات اور الجھے ہوئے مسائل میں ان کی رہنمائی سے وہ اس درجہ متاثر تھا، کہ وہ دوسرے درباریوں پر امام صاحب کو فوقیت دینے لگا تھا۔ معمر بن حسن ہروی کی روایت میں ہے:

یری من المنصور من تفضیله وتقدیمه واستشاربه فیما ینوبه وینوب رعیته وقضائه وحکامه.

لیعنی دیکھا جارہا تھا، کہ منصور امام کو دوسروں پر ترجیح دے رہا ہے، ہر معاملہ میں ان ہی کو پیش پیش رکھتا ہے، ان ہی سے مشورہ لیتا ہے ان معاملات میں جو ذاتی طور پر اسی سے تعلق رکھتے تھے یا اس کی رعایا سے یا اس کے قاضیوں اور حاکموں سے تعلق رکھتے تھے۔ (موفق ج ۱ ص ۴۳)

امام اعظم کو منصور کے یہاں اس قدر رسوخ حاصل ہو چکا تھا، کہ اس کے ذاتی اور گھریلو معاملات میں بھی امام صاحب فیصل اور حکم کی حیثیت سے طلب کیے جاتے تھے۔

☆ ایک مرتبہ خلیفہ منصور اور اس کی بیوی حرہ خاتون کے درمیان کچھ شکر رنجی ہوگئی، خاتون کو شکایت تھی؛ کہ خلیفہ عدل نہیں کرتا، منصور نے بیوی سے کہا کسی کو منصف قرار دو اس نے امام صاحب کا نام لیا اسی وقت طلبی کا فرمان گیا۔ خاتون پردہ کے قریب بیٹھ گئی کہ امام صاحب جو فیصلہ کریں، خود اپنے کانوں سے سنے منصور نے پوچھا شرع کی رو سے مرد کتنے نکاح کرسکتا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا چار بیویاں رکھ سکتا ہے منصور خاتون کی طرف مخاطب ہوا کہ سنتی ہو، پردہ سے آواز آئی کہ ہاں! سنا، جس سے امام صاحب منصور کے سوال کی نوعیت سمجھ گئے اور اس کے بے موقع طرز استدلال پر منصور کی

طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

فمن لم یعدل اوخاف ان لایعدل فینبغي ان لا یجاوز الواحدة قال الله تعالیٰ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّاتَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔

لیکن جو انصاف سے کام نہ لے یا جسے اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کر پائے گا تو اس کو چاہیے کہ ایک عورت سے آگے نہ بڑھے قرآن حکیم میں ہے کہ اگر تم کو اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کرو گے تو پھر ایک ہی عورت سے نکاح کرو۔

امام صاحب نے شرعی نقطۂ نظر سے جانبین کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر اپنا مذکورہ فیصلہ سنایا اور گھر تشریف لے آئے تو ایک خادم پچاس ہزار درہم کے توڑے لے کر حاضر خدمت ہوا، کہ یہ حرہ خاتون (منصور کی بیوی) نے نذر بھیجی ہے اور کہا ہے کہ آپ کی کنیز آپ کو سلام کہتی ہے اور آپ کی حق گوئی کی نہایت ہی شکر گزار ہے۔ حضرت امام اعظم نے روپے واپس کر دیے اور کہلا بھیجا:

ما اردت هذا الكلام تقربا الى احد ولاالتماساللبر من مخلوق،

میرے اس فقہی فیصلہ کا مقصد کسی کا تقرب حاصل کرنا اور مخلوق سے انعام وصلہ پانا نہیں تھا۔ (کردری ج ا ص ۲۳۱)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب خوشامدی درباریوں کی طرح خلیفہ کی ہاں میں ہاں ملانے کے قائل نہ تھے، وہ ہر سطح پر حق وصداقت کی فرمانروائی چاہتے تھے۔ چنانچہ بہت سارے امور ایسے بھی پیش آئے، جن میں آپ نے خلیفہ کی مرضی اور منشا کے خلاف حکم شرع بیان کیا، جس کا مقصد یہ تھا، کہ مطلق العنان فرمانروا کو دین وشریعت کے حدود کا پابند کیا جائے، تاکہ وہ علما سے شریعت کا حکم معلوم کرے، نہ یہ کہ علما سے اپنے مزعومات اور غلط فیصلوں کی شرعی تاویل اور تائید حاصل کرے۔

امام صاحب نے خلیفہ کا کوئی منصب اور عہدہ قبول نہیں کیا تھا، ورنہ وہ بہت سے

معاملات میں اس کی رضا کے مطابق فیصلے کرنے پر مجبور ہوتے، لیکن وہ اپنے علم وتقویٰ کو سرکاری منصب کے لیے رہن رکھنے کے قائل نہ تھے، اسی لیے انہوں نے اموی دور ہو یا عباسی دور کبھی بھی کوئی سرکاری عہدہ قبول نہیں کیا۔ وہ آزادرہ کر امراو خلفا کی اصلاح اور شرعی احکام کا نفاذ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ منصور کے یہاں بھی جب موقع ملا، تو آپ نے شرعی نقطہ نظر کے اظہار کا وطیرہ اختیار کیا اور منصور بھی آپ کے جرأت مندانہ شرعی فیصلوں کی قدر پر مجبور تھا۔ چنانچہ اس نے آپ کی علمی ودینی خدمات کے اعتراف میں دادودہش کی سلسلہ جنبانی کی اور اپنا ممنون کرم بنانا چاہا، اس غرض سے دس ہزار درہم کا عطیہ امام کے نام منظور کیا۔ منصور نے یہ رقم امام صاحب کو پیش کرتے ہوئے کہا، میری خواہش ہے کہ آپ اس رقم کو قبول فرمالیں، یہ پہلا موقع تھا، جب امام کو اس راہ سے مطیع بنانے اور حکومت کی خواہش کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی، لیکن امام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال ودولت کی ایسی فراوانی بخشی تھی، کہ ان کی نظر میں دس ہزار کی کیا بات ہے، بڑی سے بڑی رقموں کا قبول کرنا تو درکنار اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ درباری مناصب اور سلطانی عطیے حق گوئی وبے باکی کی راہ کا سب سے بڑا پتھر ہیں، لیکن معاملہ یہاں پر یہ تھا، کہ وقت کا سب سے بڑا فرمانروا عطیہ قبول کرنے پر اصرار کر رہا تھا اور نہ قبول کرنے کی صورت میں ابتلائے عظیم کا اندیشہ بھی تھا، اس لیے امام صاحب تذبذب کا شکار ہو گئے اور انہوں نے اس سلسلے میں مہلت طلب کی، دربار سے نکل کر اپنے دوست خارجہ بن مصعب کے پاس آئے اور پریشانی کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

هذا رجل ان رددتها عليه غضب وان قبلتها دخل على في ديني ما اكرهه۔ (موفق ج ا ص ۲۱۱)

اگر اس رقم کو واپس کرتا ہوں تو یہ شخص (خلیفہ) ناراض ہو جائے گا اور قبول کرتا ہوں، تو میرے دین میں ایسی چیز کو داخل کر دے گا جو مجھے کسی طرح

گوارہ نہیں۔

خارجہ نہایت زیرک اور منصور کی نفسیات سے واقف شخص تھے، انہوں نے امام صاحب سے کہا:

ان هذا المال عظیم فی عینه فاذا دعیت یقبضها فقل لم یکن هذا املی من امیر المومنین۔

یہ مال بادشاہ کی نظر میں بہت عظیم ہے، جب آپ کو اسے لینے کے لیے بلایا جائے، تو آپ کہہ دیں کہ مجھے امیر المومنین سے اس قسم کی امید نہیں تھی یعنی میں آپ کی بارگاہ میں حصول زر کے لیے نہیں آیا ہوں۔ (ایضا)

جب امام کو عطیہ قبول کرنے کے لیے بلایا گیا، تو خارجہ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے امام صاحب نے مذکورہ بالا فقرہ دہرایا، منصور نے سن کر حکم دیا کہ یہ رقم خزانے میں داخل کردی جائے۔

ایک دوسری روایت یحییٰ بن نصر سے ہے:

کان ابوحنیفة من احسن الناس خلقا واسخاهم نفساعلی مایملك واطولهم لیلا وازهدهم فی الدنیا ولقد امر له امیرا لمومنین بمائتی دینار وجاریة فلم یقبلها فقال له امیر المومنین لا تقل للناس انك لم تقبلها ولم یاخذابوحنیفة من سلطان قط درهما ولادینارا۔ (موفق ج۱ص۲۳۱)

امام ابوحنیفہ لوگوں میں اچھے اخلاق کے حامل اور جو اشیا ان کے قبضہ وتصرف میں تھیں، ان کی عطا وبخشش میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ امیر المومنین منصور نے دوسو دینار اور ایک کنیز آپ کو عطا کرنے کا حکم دیا، امام نے اسے قبول نہیں کیا۔ امیر المومنین نے ان سے کہا، تم لوگوں سے یہ نہ کہنا کہ تم نے خلیفہ کے عطیہ کو قبول نہیں کیا۔ امام ابوحنیفہ نے اپنا شعار حیات بنا

لیا تھا، کہ وہ کسی کا عطیہ قبول نہ کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے پوری زندگی کسی خلیفہ یا امیر کا عطیہ کبھی قبول نہیں کیا۔

منصور ممنون کرم بنا کر امام کو اپنی منشا کے مطابق ڈھالنا چاہتا تھا اور امام مدارات سے کام لے کر منصور کو صراط مستقیم پر لانے کی جدوجہد فرما رہے تھے۔ نوازشات شاہی اس لیے ہوا کرتی تھیں کہ امام کو کسی طرح اپنے مقصد کا بنالیا جائے اور امام ہر پیش کش کو حیلہ حسن سے رد کر دیا کرتے تھے، جس کا احساس منصور کو بھی تھا۔ چنانچہ امام صاحب کے بعد وہ کہا کرتا تھا۔

خدعنا ابو حنیفه (موفق ج ۱ ص ۱۹۴) ابو حنیفہ ہمیں دھوکہ دیتے رہے۔

☆ اہل موصل نے خلیفہ منصور سے عہد شکنی کی تھی، اس نے ان سے معاہدہ کر رکھا تھا، کہ عہد شکنی کی صورت میں وہ مباح الدم ہو جائیں گے۔ منصور نے فقہا کو جمع کیا، امام ابو حنیفہ بھی تشریف فرما تھے، منصور بولا کہ کیا یہ درست نہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''المومنون علی شروطھم'' مومن اپنی شرطوں پر ہیں۔ اہل موصل نے عدم خروج کا وعدہ کیا تھا اور اب انہوں نے میرے عامل کے خلاف بغاوت کی ہے، لہٰذا ان کا خون حلال ہے۔ ایک شخص بولا، آپ کے ہاتھ ان پر کھلے ہیں اور آپ کا قول ان کے بارے میں قابل تسلیم ہے، اگر معاف کر دیں، تو آپ اس کے اہل ہیں اور اگر سزا دیں، تو وہ ان کے کیے کی پاداش ہوگی۔ منصور امام ابو حنیفہ سے مخاطب ہو کر بولا، آپ کی کیا رائے ہے؟ امام صاحب نے فرمایا، اہل موصل نے جو شرط لگائی، وہ ان کے بس کا روگ نہیں اور جو شرط آپ نے ٹھہرائی، وہ آپ کے حدود اختیار میں نہیں، کیوں کہ مومن تین صورتوں میں (ارتداد، زنا اور قتل) مباح الدم ہوتا ہے، لہٰذا آپ کا ان پر گرفت کرنا بالکل ناروا ہوگا۔ خدائے تعالیٰ کی شرط پوری کی جانے کے زیادہ لائق ہے۔ جناب! فرمایئے، کوئی عورت منکوحہ یا لونڈی ہونے کے بغیر اپنے جسم کو کسی شخص کے لیے مباح کر دے، تو کیا اس سے مجامعت کرنا درست ہوگا؟ منصور نے فقہا کو چلے جانے کا حکم

دیا۔ پھر خلوت میں امام صاحب سے عرض کیا:

یا شیخ القول ماقلت انصرف الی بلادك ولا تفت الناس بما هو شین علی امامك فتبسط ایدی الخوارج علی امامك.

(کردری ج ۲ ص ۱۷)

اے شیخ! فتویٰ وہی درست ہے، جو آپ نے دیا، اپنے وطن تشریف لے جائیے اور ایسا فتویٰ نہ دیجیے جس سے خلیفہ کی مذمت کا پہلو نکلتا ہو کیوں کہ اس سے باغیوں کے ہاتھ مضبوط ہوتے ہیں۔

منصور جب امام صاحب کے متعلق اپنے منصوبے میں ناکام ہو گیا، تو سوچا، کہ امام صاحب کو یہاں سے رخصت کر دینا ہی آمرانہ حکومت کے مفاد میں ہوگا، لیکن منصور امام صاحب کی علمیت، ذہانت اور طباعی کا گرویدہ ہو چکا تھا، اس لیے جب امام رخصت ہونے لگے، تو کہا "کبھی کبھی آپ ہمارے یہاں آیا جایا کیجیے"۔ کہتے ہیں، امام نے جواباً فرمایا:

لا لانك ان قربتنی فتنتنی وان اقصیتنی اخزیتنی ولیس عندك ما ارجوك ولیس عندی ما اخافك علیه وانما یغشاك من یغشاك یستغنی بك عمن سواك وانا غنی بمن اغناك فلم اغشاك فیمن یغشاك. (کردری ج ۲ ص ۲۹)

نہیں، تیرا قرب فتنے سے خالی نہیں اور قرب کے بعد دوری رنج کا سبب ہوگی اور تیرے پاس وہ چیز نہیں ہے، جس کی مجھے امید ہے اور نہ میرے پاس وہ چیز ہے، جس کی وجہ سے میں تجھ سے ڈروں، دنیا کی حکومت و دولت نے تجھے جکڑ رکھا ہے، جس کی بنا پر دوسروں سے اس نے تجھے لاپروا کر دیا ہے اور میں ان چیزوں سے بے پروا ہوں جن میں تو جکڑا ہوا ہے۔

ایک روایت میں ہے۔ ابوجعفر منصور عباسی خلیفہ نے جب امام اعظم ابوحنیفہ کی

خدمت میں مسلسل گراں قدر تحائف وہدایا اور نذرانے پیش کیے اور امام صاحب نے بڑی بے نیازی سے ٹھکرا دیے، تو ابو جعفر منصور نے امام صاحب سے گاہے گاہے دربار میں آنے اور ملاقات کا موقع بخشنے کی درخواست کی، جواب میں امام ابو حنیفہ نے اس کے دربار میں بھی وہی اشعار دہرائے جو والی کوفہ عیسیٰ بن موسیٰ کے دربار میں کہے تھے

کرة خبز وكعب ماء

وفور ثوب مع السلامه

خيز من العيش في نعيم

يكون من بعده الملامه

کھانے کے لیے روٹی کا ٹکڑا اور پینے کے لیے پانی کا پیالا. اور تن ڈھانپنے کے لیے موٹا جھوٹا کپڑا مل جائے اور ایمان کی سلامتی اور عافیت حاصل رہے، تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے، کہ عیش وعشرت میں زندگی گزاری جائے اور بعد اس کے ملامت وندامت ہو۔ (کردری ج ۲ ص ۳۰)

حسن بن قحطبہ کی توبہ

ائمہ جور کی شکست وریخت میں امام صاحب کے عملی اقدامات میں سے ایک اہم اقدام عباسیوں کے سپہ سالار اعظم حسن بن قحطبہ کو ابو جعفر منصور کی حمایت ونصرت کے لیے جنگ سے باز رکھنا تھا، یہ حسن اسی قبیلہ طے کے جنگجو سردار قحطبہ کا بیٹا تھا، جس نے اپنی جنگی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اموی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور عباسیوں کو سریر آرائے خلافت کر دیا، ابو مسلم خراسانی عباسی تحریک کا اگر دماغ تھا تو قحطبہ اس تحریک کا دست وبازو، پے درپے کامیابیوں کے بعد جب قحطبہ ابن ہبیرہ کے مقابلے میں آیا، مقام واسط پر امویوں سے جنگ کرتے ہوئے زخمی ہوا اور اپنی جان عباسی ایوان اقتدار کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں قربان کر دی۔ قحطبہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا حسن

عباسی جیوش کا کمانڈر جنرل منتخب ہوا اور اس نے اپنے باپ کی طرح پوری وفاداری کا ثبوت فراہم کیا، اسی کے ہاتھوں اموی خلافت ختم ہوئی، خود سفاح اور اس کے بعد منصور حسن بن قحطبہ کی فوجی صلاحیت، دلیری وقوت کے معترف رہے اور وہ مسلسل تقریباً پندرہ سال تک عباسی افواج کا سپہ سالار اعظم رہا، اس دوران اپنی عسکری تنظیم اور قوت حرب وضرب سے ہر معرکہ میں کامیابی حاصل کی۔ عباسیوں کے خلاف اٹھنے والی ہر بغاوت وشورش میں اس نے نمایاں کارنامے انجام دیے، اس سلسلے میں اس کی تلوار مسلمانوں کا بے دریغ خون بہانے سے کبھی نہ رکی۔ یہی وجہ ہے کہ عباسی خلفا کا اعتماد ہمیشہ اس پر قائم رہا اور انہوں نے اپنی نوازشوں سے خوب سرفراز کیا۔ عباسی افواج کا معتمد کمانڈر ان چیف جب امام صاحب کی بارگاہ میں پہنچتا ہے، تو اپنے سابقہ جرموں سے تائب ہوکر ہمیشہ کے لیے دنیا کی سب سے بڑی حکومت کی فوج کی اعلیٰ ترین سربراہی کو ٹھوکر ماردیتا ہے۔ اس کی تفصیلات کچھ اس طرح بیان کی جاتی ہیں۔

نفس ذکیہ کے خروج ۱۴۵ھ سے ایک سال قبل وہ امام صاحب کی بارگاہ میں خلیفہ منصور کی طرف سے دس ہزار کی رقم بطور نذر لے کر حاضر ہوا، لیکن امام اس نذرانے کو دیکھ کر بے حد پریشان ہوئے، حسن نے امام صاحب کی اس پریشانی کو حیرت کی نظر سے دیکھا، کیوں کہ لوگ شاہی تحائف سے خوش ہوتے ہیں اور امام پریشان خاطر ہورہے تھے، رقم کو لینے سے سراسر انکار کردیا۔ اس طرح وہ امام کی عظمت کردار سے پہلی بار متاثر ہوا اور امام صاحب کے پاس آنے جانے لگا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب محمد بن عبداللہ اور ان کے بھائی ابراہیم کی تحریک حجاز، کوفہ، بصرہ میں بال وپر پھیلا رہی تھی اور عباسی حکومت کے خلاف یہ تحریک منظم ہورہی تھی۔ براہ راست امام اعظم اس تحریک میں شریک تھے اور ظالم عباسی حکومت کا تختہ الٹ کر عدل وانصاف کی حکومت کا قیام چاہتے تھے۔ اسی دوران حسن بن قحطبہ جس کی تلوار سے مسلمانوں کا خون ٹپک رہا تھا اور جس نے ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کا خون محض دولت عباسیہ کے استحکام کے لیے بہایا تھا، امام صاحب کی

بے لوث علمی و دینی شخصیت سے متاثر ہو کر اپنی معصیت شعار زندگی سے تائب ہونے کے لیے حاضر ہوا اور اس نے کہا:

انا ممن تعلم وعملی لایخفی علیك فهل لی من توبة.

میرے بارے میں آپ کو خوب معلوم ہے، میرا کردار آپ پر پوشیدہ نہیں، کیا میرے لیے توبہ کی کوئی سبیل ہے؟

امام اعظم نے جواباً ارشاد فرمایا "نعم" ہاں! حسن بن قحطبہ نے عرض کی، اس کی کیا صورت ہے؟ امام اعظم نے فرمایا:

ان یعلم اللہ عزوجل نیتك نیة صادقة انك نادم علی ماقلت واخذت وانك اذا خیرت بین ان تقتل مسلما او تقتل تختار قتلك علی قتله وتجعل اللہ عزوجل علی نفسك عهدا ان لاتعود الی شیٔ مما کنت فیه فان وفیت فهی توبتك.

اگر تم واقعی خدا کے سامنے اپنی نیت کو درست کر لو اور اپنے گزشتہ کرتوتوں پر ندامت کے جذبات کو اس حد تک ابھارو کہ تم پر یہ حال طاری ہو جائے کہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک کا اگر تمہیں اختیار دیا جائے یعنی کہا جائے کہ تم کسی مسلمان کو قتل کرو یا خود قتل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ، تو اپنے آپ کو قتل کرانے پر آمادہ ہو جاؤ اور یہ عہد کرو کہ اب تک تم جو کچھ بھی کرتے رہے ہو، دوبارہ نہیں کرو گے اگر تم نے اسے پورا کیا، تو یہی تمہاری توبہ ہے۔

امام کے الفاظ کو حسن غور سے سنتا رہا اور جواب میں بغیر کسی تردد اور پس و پیش کے اس نے کہا:

فانی قد فعلت ذالك وعاهدت اللہ تعالیٰ ان لااعود فی شیٔ مما کنت فیه من قتل المسلمین.

یقیناً میں ایسا ہی کروں گا، میں خدا کی بارگاہ میں عہد کرتا ہوں کہ اب تک

جن گناہوں (یعنی مسلمانوں کے قتل) کا میں ارتکاب کرتا رہا، دوبارہ ان کی طرف نہیں لوٹوں گا۔

حسن کی یہ توبہ توبۃ النصوح تھی، اپنے عہد پر پوری عمر قائم رہا اور اس نے سخت امتحان میں بھی ثابت قدمی دکھائی، ۱۴۵ھ میں جب زور وشور کے ساتھ نفس ذکیہ نے مدینہ میں اور ابراہیم نے بصرہ میں خروج کیا، تو منصور نے اپنے پرانے وفادار کمانڈر حسن بن قحطبہ کو طلب کیا، حسن دربار کی حاضری سے پہلے امام صاحب کی خدمت میں پہنچا، واقعہ سے مطلع کیا۔ امام نے فرمایا:

قد جاء لك اوان توبتك اما انت فقد عاهدت الله ماقد علمت فان وفيت له ارجوان يتوب الله عليك وان عدت اخذت بما مضیٰ ايامك ومابقي۔

حسن تمہاری توبہ کے امتحان کا وقت آ گیا، اگر تم خدا سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہو تو مجھے امید ہے کہ خدا تمہاری توبہ قبول فرمائے گا اور اگر اپنے عہد پر قائم نہیں رہتے ہو تو جو کچھ تم نے اب تک کیا ہے اور آئندہ کرو گے، اس کی سزا تمہیں ملے گی۔

یہ سن کر حسن نے کہا: ''اللهم انی افی بما عاهدت بك'' میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ آپ سے جو عہد میں نے کیا اسے پورا کروں گا۔

اس کے بعد حسن بن قحطبہ منصور کے دربار میں پہنچا اور بیماری کا عذر کر کے مستعفی ہونے کی خواہش ظاہر کی، لیکن منصور نے اسے قبول نہیں کیا اور جب مقابلہ پر جانے کے لیے اصرار کیا، تو حسن بن قحطبہ نے کہا:

يا امير المومنين انی لست بسائر الی هذا الوجه ان كان لله طاعة فيمن قتلت فی سلطانك فلی منه اوفر الحظ وان كان معصية حسبی ماقتلت۔

اے امیر المومنین! میں اس مہم کی شرکت سے معذور ہوں، اب تک جن لوگوں کو آپ کی حکومت میں میں قتل کر چکا ہوں، اگر یہ خدا کی اطاعت کے لیے میں نے کیا، تو اس راہ میں بہت کچھ کما چکا اور اگر یہ معصیت ہے، تو گناہ اور نافرمانی کا یہی ذخیرہ میرے لیے کافی ہے۔

یہ سن کر منصور غضب ناک ہوا اور کہا، کس نے میرے وفادار موروثی جرنل کو بہکا دیا۔ دربار میں حسن کا بھائی حمید موجود تھا، اس نے کہا ہم ایک سال سے حسن کے اندر یہ تغیر محسوس کر رہے ہیں اور ہمیں اندیشہ تھا کہ غیروں سے مل گیا ہے۔

(موفق ج ۲ ص ۱۸۳-۱۸۴)

حسن کے انکار کے بعد منصور نے حمید بن قحطبہ کو یہ خدمت سونپی اور اسے عیسیٰ بن موسیٰ کی سرکردگی میں مدینہ پر چڑھائی کے لیے بھیجا، چنانچہ نفس ذکیہ کے مقابلے میں عباسی فوج کی کمان حمید نے کی۔ شوال ۱۴۵ھ میں جنگ ہوئی حمید نے نفس ذکیہ کے سینے میں نیزہ مارا، سر قلم کر کے عیسیٰ کی خدمت میں بھیجا اور عیسیٰ نے منصور کے پاس کوفہ بھیج دیا۔

مدینہ کی مہم سے فارغ ہو کر ابراہیم بن عبداللہ کے خلاف بھی حمید عباسی فوج کا کمانڈر بنا "باخمرا" کے میدان میں (جو کوفہ سے اڑتالیس میل کے فاصلے پر ہے) حمید اور ابراہیم کی فوج میں لڑائی ہوئی، ابتدا میں حمید کو شکست ہوئی اور وہ بھاگنے لگا، لیکن اس دوران ابراہیم شہید کر ڈالے گئے اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔

امام اعظم نے نفس ذکیہ کی تحریک کا عملاً ساتھ دیا اور اس حمایت کی ایک شکل یہ بھی تھی کہ انہوں نے عباسیوں کے سب سے معتمد، وفادار سپہ سالار حسن بن قحطبہ کو ابراہیم اور نفس ذکیہ کے مقابلہ میں صف آرا ہونے سے روک دیا، جو بلاشبہ امام اعظم کا ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔

حسن کا منصور کے حکم کو برملا مسترد کر دینا اور جنگ کی شرکت سے صاف صاف

انکار کر دینا، سلطان جابر کے روبرو معمولی بات نہ تھی، منصور سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اس موروثی وفادار کو کس نے بہکا دیا، چنانچہ اس نے اپنے اعیان سلطنت کے سامنے اس مسئلے کو رکھا اور پوچھا:

من هذا الذی یفسد علینا هذا الرجل.

کون ہے جو اس آدمی (حسن) کو ہم سے بگاڑ رہا ہے؟

تو درباریوں نے یہ خبر دی ''انه یدخل علی ابی حنیفة'' اس کی آمد ورفت ابوحنیفہ کے پاس ہے۔ یعنی اس کا یہ تغیر ابوحنیفہ کی دین ہے۔ (ایضا)

نفس ذکیہ کا خروج اور امام اعظم کی حمایت

محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب خانوادہ سادات حسنی کے چشم و چراغ تھے، ان کی ذات میں حسن ظاہری اور کمال باطنی کے جلوے بچپن ہی سے ظہور پذیر تھے۔ انہیں خصوصیات کی وجہ سے لوگ آپ کو نفس ذکیہ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ امویوں کے آخری دور میں ہی سادات نے انقلاب حکومت کی درپردہ تحریک چلائی اور اس کام کے لیے سیاسی حکمت عملی بروئے کار لائی گئی۔ عباسی تحریک کے ساتھ ہی ساتھ اس تحریک نے بھی بال و پر پھیلائے، لیکن باضابطہ اس تحریک کا ظہور نہیں ہوا تھا، کہ عباسیوں نے امویوں کا قلع قمع کر دیا اور زمام اقتدار بنو عباس کے ہاتھوں میں آگئی۔

عباسی تحریک اس بنا پر کامیاب ہوئی تھی، کہ انہوں نے مسلمانوں سے عہد کیا تھا، کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہیں، حکومت ملنے پر ہم کتاب و سنت کی روشنی میں عمل کریں گے، حدود اللہ کے قیام کی کوشش کریں گے، ربیع الثانی ۱۳۲ھ میں جب ابوالعباس سفاح کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی، تو اس نے اپنی پہلی تقریر میں کہا تھا:

انی لارجوان لایاتیکم الجور من حیث اتاکم الخیر ولا الفساد من حیث جائکم الصلاح

میں یہ امید رکھتا ہوں، کہ جس خاندان سے تم کو خیر ملی تھی، اس سے ظلم وستم اور جہاں سے تم کو صلاح ملی تھی، وہاں سے فساد تم نہ پاؤ گے۔

سفاح کے بعد اس کے چچا نے تقریر کرتے ہوئے اہل کوفہ کو یقین دلایا:

ایها الناس انا واللّٰه ماخرجنا فی طلب هذاالامر لنكثر لجينا ولا عقبانا ولانحفر نهرا ولا نبني قصرا وانما اخرجنا الانفة من اشرارهم حقنا والغضب لبني عمنا وما كوننا من امورکم ومن شؤنكم ولقد كانت امورکم ترمضنا ونحن علی فرشناوشيد علينا سيرة بني امية فيكم وخرقهم بكم واستدلالهم لكم واستشارهم بفيئكم وصدقاتكم ومفاتكم عليكم لكم ذمة اللّٰه تبارك للّٰهوذمة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وذمة العباس رحمه اللّٰه ان نحكم فيكم بما انزل اللّٰه ونعمل فيكم بكتاب اللّٰه ونسيز في العامة منكم والخاصة سيرة رسو ل اللّٰه صلى عليه وسلم۔

ہم اس لیے نہیں نکلے ہیں، کہ اپنے لیے سیم وزر جمع کریں یا محلات بنائیں اور ان میں نہریں کھود کر لائیں، بلکہ ہمیں جس چیز نے نکالا ہے، وہ یہ ہے، کہ ہمارا حق چھین لیا گیا تھا اور ہمارے بنی عم (آل ابی طالب) پر ظلم کیا جارہا تھا اور بنو امیہ تمہارے درمیان برے طریقوں پر چل رہے تھے۔ انہوں نے تم کو ذلیل وخوار کر رکھا تھا اور بیت المال میں بے جا تصرف کر رہے تھے۔ اب ہم تمہارے درمیان اللہ کی کتاب رسول اللہ کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے۔

خلیفہ سفاح اور عباسی زعما کے بلند بانگ اصلاحی دعووں کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ دنوں کے لیے حسنی تحریک کی رفتار روک لی گئی، وہ حالات کا جائزہ لے رہے تھے، کہ ظلم وعدوان کے خلاف کامیاب ہونے والی عباسی تحریک عدل وانصاف کی بنیادوں پر حکومت قائم کرتی ہے یا امویوں کی طرح قیصر وکسریٰ کی روش پر گامزن ہوتی ہے۔ کچھ ہی دنوں کے بعد عباسیوں کے چہرے سے نقاب اٹھنے لگی اور واضح ہوگیا کہ محض حصول

اقتدار کے لیے عباسی تحریک نے عدل وانصاف اور اصلاح حکومت کی عبا پہن رکھی تھی، جب اقتدار حاصل ہوگیا، تو وہ کھلے بندوں امویوں کی راہ پر چل پڑے ظلم وتعدی اور آمریت کو اپنا شعار بنالیا، اس راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے بہیمانہ سفاکیوں سے بھی دریغ نہ کیا جاتا۔

دمشق کی فتح کے بعد عباسی فوج نے وہاں قتل عام کیا۔ ۵۰ ہزار بے گناہوں کو تہ تیغ کیا، ستر دنوں تک جامع بنی امیہ گھوڑوں کا اصطبل بنی رہی، تمام اموی خلفا کی قبریں کھود کر ہڈیاں جلادی گئیں۔ موصل میں بغاوت ہوئی، تو سفاح نے اپنے بھائی یحییٰ کو بھیجا، اس نے اعلان کیا، جو لوگ شہر کی جامع مسجد میں جمع ہو جائیں گے انہیں امان ہے، گیارہ ہزار کی تعداد میں لوگ جمع ہوگئے، تو ان پناہ گزینوں کو تہ تیغ کردیا گیا، پھر ان مقتولین کے بچوں اور بیواؤں کو بھی قتل کرڈالا گیا، مسلسل تین دن تک قتل وغارت گری کا بازار گرم رہا۔ یزید بن عمر بن ہبیرہ کو سفاح نے امان نامہ لکھا تھا، لیکن بعد میں اسے قتل کراڈالا۔ آل علی سے قرابت کے باوجود عناد وحسد کا وہی رویہ باقی رہا، جو امویوں نے قائم کیا تھا، چنانچہ محمد نفس ذکیہ کی تحریک عباسی حکومت کے خلاف ۱۴۵ھ میں اس طرح ظہور پذیر ہوئی، کہ تحریک کا مرکز مدینہ منورہ کو بنایا گیا اور وہاں سے اسلامی بلاد وامصار میں نفس ذکیہ کی بیعت اور انقلاب حکومت کے لیے فضا سازگار کرنے کی غرض سے معتمد نمائندے بھیجے گئے۔ المسعودی نے مختلف صوبہ جات میں بھیجے گئے افراد کی یہ فہرست تحریر کی ہے، علی بن محمد نفس ذکیہ مصر، عبداللہ بن محمد نفس ذکیہ خراسان، حسن بن محمد نفس ذکیہ یمن، موسیٰ بن عبداللہ جزیرہ (موصل وغیرہ) یحییٰ بن عبداللہ رے اور طبرستان، ادریس بن عبداللہ افریقہ، مراکش وغیرہ اور ابراہیم بن عبداللہ کو بصرہ بھیجا گیا۔

ان تمام علاقوں میں اس تحریک کو پذیرائی حاصل ہوئی، چنانچہ محمد بن عبداللہ نفس ذکیہ نے مدینہ میں اپنی حکومت کا اعلان کردیا۔ منصور عباسی ان دنوں بغداد کی تعمیر میں

مصروف تھا، جب نفس ذکیہ کے خروج کا اسے علم ہوا، تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بدحواسی کے عالم میں کوفہ پہنچا۔ اس کی پریشانی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے، کہ منصور نے ولی عہد حکومت عیسیٰ بن موسیٰ کو بلا کر کہا، بھائی! جو کچھ ہو رہا ہے، اس سے غرض صرف میرا اور تمہارا خاتمہ کرنا ہے، اب دو ہی صورت ہے، مدینہ تم جاؤ اور میں کوفہ میں رہوں یا مدینہ میں فوج لے کر جاتا ہوں اور کوفہ کی نگرانی تم کرو۔

(کامل ج۵ ص۲۰۲)

منصور کوفہ میں رہا اور اپنے بھائی عیسیٰ بن موسیٰ کو حمید بن قحطبہ کے زیر قیادت فوج دے کر مدینہ بھیجا، منصور کے کوفہ میں قیام کی وجہ یہ ہوئی، کہ ابو جعفر منصور کو ابراہیم اور محمد کے خروج کا علم ہوا، تو اس نے عبداللہ بن علی سے جو اس کی قید میں تھا، دریافت کرایا، کہ محمد نے خروج کیا، تم اس کے بارے میں اگر کوئی مفید مشورہ دے سکتے ہو تو دو، (عبداللہ بن علی عباسیوں میں بڑا مدبر مانا جاتا تھا) اس نے کہا میں قیدی ہوں اور قیدی کی رائے بھی قیدی ہوتی ہے، پہلے تم مجھے آزاد کردو، پھر میری رائے بھی آزاد ہو جائے گی، اس کے جواب میں ابو جعفر نے کہلا بھیجا، کہ اگر وہ دونوں میرے دروازے تک بھی آجائیں تب بھی میں تجھے رہا نہ کروں گا یاد رکھ کہ میں اب بھی تمہارے حق میں محمد سے اچھا ہوں اور یہ حکومت تمہارے ہی خاندان کی ہے، اس پر عبداللہ بن علی نے جواب دیا اچھا یہ کرو، کہ فوراً کوفہ جا کر اہل کوفہ کے سینوں پر بیٹھ جاؤ، چوں کہ اہل کوفہ اس خاندان کے شیعہ اور انصار ہیں، اس وجہ سے شہر کے چاروں طرف فوجی چوکیاں بٹھادو، جو شخص وہاں سے کسی طرف بھی جاتا یا کسی سمت سے بھی آتا ہو، اس کی گردن ماردو۔ مسلم بن قتیبہ کو فوراً اپنے پاس بلاؤ (یہ اس وقت رے میں تھا) پھر اہل شام کو لکھا کہ جو خاص بہادر اور جنگ جو وہاں ہوں، وہ ڈاک کے گھوڑوں کے ذریعہ تیزی سے منزلیں طے کر کے تمہارے پاس آئیں، پھر ان کو خوب رقم اور انعام دے کر مسلم بن قتیبہ کی قیادت میں محمد کے مقابلے پر بھیجو، ابو جعفر نے ایسا ہی کیا۔

عباسیوں کے دور اقتدار میں بہت سی بغاوتیں رونما ہوئیں، لیکن ایسا مستحکم اور منظم خروج کبھی نہیں ہوا، مدینہ میں امام مالک سے نفس ذکیہ کی بیعت کے بارے فتویٰ پوچھا گیا: ''ہماری گردنوں میں تو خلیفہ منصور کی بیعت ہے، اب ہم دوسرے مدعی خلافت کا ساتھ کیسے دے سکتے ہیں، تو انہوں نے فتویٰ دیا، کہ عباسیوں کی بیعت جبری تھی اور جبری بیعت، قسم یا طلاق جو بھی ہو باطل ہے''۔ (طبری ج ۶ ص ۱۹۰)

مدینے میں اس فتوے کا خوش گوار اثر ہوا اور مدافعانہ جنگ کی تیاریاں شروع کر دی گئیں، خندق دوبارہ صاف کی جانے لگی، ایسا محسوس ہوتا تھا، کہ عہد نبوی لوٹ آیا ہے اور اہل مدینہ خلافت راشدہ کے عہد کو دوبارہ لانے کی تدبیروں میں سرگرم عمل ہیں۔ دوسری طرف اس تحریک کے نمائندے اسلامی بلاد و امصار میں کامرانیوں کے مراحل طے کر رہے تھے، منصور کو کوفہ میں ہر روز مختلف صوبوں سے بغاوت کی خبریں موصول ہوا کرتی تھیں۔ کان کل یوم یاتیہ فتق من ناحیة۔ (الیافعی ج ۲ ص ۲۹۸)

بسا اوقات پریشانی کی حالت میں وہ کہتا ''بخدا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں'' بصرہ، فارس، اہواز، واسط، مدائن، سواد جگہ جگہ سے سقوط کی خبریں آتی تھیں اور ہر طرف سے اس کو بغاوت پھوٹ پڑنے کا خطرہ تھا، دو مہینے تک وہ ایک ہی لباس پہنے رہا، بستر پر نہ سویا رات رات بھر مصلے پر گزار دیتا، کوفہ سے فرار ہونے کے لیے ہر وقت تیز رفتار سواریاں تیار کر رکھی تھیں۔

حسنی سادات کی یہ تحریک معمولی تحریک نہیں تھی، بلکہ تمام اسلامی دنیا میں یہ تہیا کر لیا گیا تھا، کہ زمین تیار کر کے ایک ہی تاریخ میں عباسی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے، اندر ہی اندر یہ سارے انتظامات مکمل ہو چکے تھے اور ٹھیک ایک مقرر تاریخ میں بغاوت کا اعلان کر دیا گیا، حالت اتنی نازک ہو گئی تھی جس کا اندازہ یافعی کی نقل کردہ آرا سے بخوبی ہو سکتا ہے وہ لکھتے ہیں: ''لولا السعادة لسل عرشه'' اگر منصور کا اقبال نہ ہوتا، تو اس کا تخت الٹ چکا تھا۔ (ج ۱ ص ۲۱۱)

امام اعظم کی شرکت

امام اعظم کا نقطہ نظر غیر اسلامی طرز حکومت اور ظالم حکمرانوں کے متعلق یہ تھا کہ ان کے خلاف قتال کیا جائے، اسی بنا پر امام اوزاعی نے کہا تھا کہ ہم نے ابوحنیفہ کی ہر بات برداشت کی یہاں تک کہ وہ تلوار کے ساتھ آ گئے (یعنی ظالموں کے ساتھ قتال کے قائل ہو گئے) اور یہ ہمارے لیے ناقابل برداشت بات تھی۔

(احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۸۱)

محدثین کے نزدیک سلطان جابر کے خلاف خروج جائز نہیں تھا، اسی بنا پر امام اوزاعی نے یہ بات کہی۔

امام اعظم کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں مسلک یہ تھا کہ ابتداء زبان سے روکا جائے، لیکن اگر سیدھی راہ نہ اختیار کی جائے تو پھر تلوار اٹھانا فرض ہے۔ (ایضا)

ابراہیم الصائغ کے بیان میں گزر چکا ہے کہ امام صاحب ظالم حکومت کا تختہ بزور وقوت الٹ دینے کے قائل تھے، جب کہ قیادت صالح ہو اور رفقائے تحریک مخلص تجربہ کار ہوں۔ نفس ذکیہ کی قائدانہ صلاحیت ان کے رفقا کے اخلاص اور تنظیمی قوت سے جب وہ باخبر ہوئے اور یہ سمجھ لیا کہ یہ تحریک اتنی طاقت ور ہے، کہ عباسی اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتی ہے، اس میں شرکت محض جان کا ضیاع نہیں، بلکہ حصول مقصد کے امکانات بھی روشن ہیں۔ ابراہیم بصرہ میں کامیابیوں سے ہم کنار تھے، ان کے نمائندے کوفہ بھی پہنچ چکے تھے اور یہاں کافی کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں، کوفہ کے اندر ایک لاکھ تلواریں عباسی حکومت کا تختہ الٹ دینے کے لیے نیام میں چھپی ہوئی تھیں۔

(الیافعی ج ۱ ص ۲۹۹)

اس لیے انقلاب حکومت کے فرض سے سبک دوش ہونے کے لیے اب امام صاحب کھلے میدان میں آئے، ابراہیم اور نفس ذکیہ جن سے ذاتی طور پر انہیں واقفیت

تھی، انہیں یقین تھا، کہ یہ لوگ ان میں سے ہیں ''رجل یراس علیھم مامونا علی دین ''جو قیادت کے معیار پر پورے اتر رہے ہیں اور جن کی دینداری پر لوگوں کو اطمینان ہے چنانچہ امام صاحب نے کھل کر ان کی حمایت کی اور اس سلسلے میں منصور کے جابرانہ اقتدار کی مطلق پرواہ نہ کی، آپ لوگوں کو اعلانیہ نفس ذکیہ کی بیعت اور ان کے نمائندے ابراہیم کی حمایت پر آمادہ کرتے۔ مبصرین کا بیان ہے: ''کان ابو حنیفة یجاهر فی امره ویامر بالخروج معه ''ابراہیم کی رفاقت پر امام ابوحنیفہ لوگوں کو اعلانیہ ابھارتے اور لوگوں کو ان کے ساتھ خروج کا حکم دیتے۔ (الیافعی ج ا ص ۳۰۰)

امام صاحب ابراہیم کے تعاون کو حج نفل پر بھی فوقیت دیتے تھے، مشہور محدث ابراہیم بن سوید نے اس زمانے میں امام صاحب سے پوچھا کہ نفل بہتر ہے یا ابراہیم کا ساتھ دینا؟ امام اعظم نے فرمایا ''غزوة بعد حجة الاسلام افضل من خمسین حجة ''اس جنگ میں شرکت پچاس حج نفل سے زیادہ افضل ہے۔ (موفق ج ۲ ص ۸۳)

اسی طرح حسین بن سلمہ یہ روایت بیان کرتے تھے، کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ امام ابوحنیفہ سے ابراہیم بن عبداللہ کے زمانہ خروج میں پوچھ رہی ہے کہ میرا لڑکا ابراہیم بن عبداللہ کی تائید کر رہا ہے اور میں اس کو منع کرتی ہوں، مگر نہیں مانتا، امام نے عورت سے کہا ''لا تمنعی ''ایسے نیک کام سے اپنے لڑکے کو نہ روک۔ حماد بن ایمن کہتے ہیں، اس زمانے میں ہم دیکھتے تھے، کہ لوگوں کو امام ابوحنیفہ ابراہیم کی امداد و نصرت پر آمادہ کر رہے ہیں اور ہر ایک کو ان کی پیروی اور رفاقت کا حکم دے رہے ہیں۔

(موفق ج ۲ ص ۷۲)

اس زمانے میں امام صاحب ابراہیم کی حمایت کا لوگوں میں اعلان فرمایا کرتے تھے۔ زفر بن ہذیل کا بیان ہے ''کان ابو حنیفة یجهر بالکلام ایام ابراهیم جهارا شدیدا ''ابراہیم کے زمانے میں امام صاحب اعلانیہ بلند آواز سے گفتگو کرتے تھے۔ (موفق ج ا ص ۱۷۱)

آپ نے اس قدر ابراہیم کی حمایت کی کہ ان کے شاگردوں کو خطرہ پیدا ہو گیا، کہ ہم سب باندھ لیے جائیں گے۔ (الکردری ج ۲ ص ۲۷)

امام صاحب ابراہیم کی حمایت میں عباسی فوج کے خلاف جنگ کرنے کو کفار کے خلاف جہاد پر بھی فوقیت دیتے تھے، مشہور محدث ابراہیم بن محمد الفزاری جو شامی سرحد "مصیصہ" کی چھاؤنی میں فوجیوں کی تربیت کیا کرتے تھے، ان کے بھائی حسن نے امام صاحب کے فتوے پر ابرہیم طالبی کا ساتھ دیا اور قتل کیے گئے، واقعہ کو فرازی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

میں مصیصہ میں تھا، خبر ملی کہ میرے بھائی حسن نے ابراہیم طالبی کا ساتھ دیا تھا، اسی جنگ میں کام آیا، میں اس خبر کو سن کر سیدھا کوفہ پہنچا، یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ میرے بھائی کو ابوحنیفہ نے فتویٰ دے کر قتل کرایا ہے، میں ان کے پاس آیا اور پوچھا، تمہیں نے میرے بھائی کو فتویٰ دے کر اس طالبی کی رفاقت پر آمادہ کیا؟ امام صاحب نے فرمایا ہاں! میں نے ہی اس کو خروج کا فتویٰ دیا تھا، یہ سن کر ابراہیم نے کہا "لا جزاك الله خیرا" خدا اس کا تجھے اچھا بدلہ نہ دے۔ امام نے فرمایا، یہی میری رائے ہے اور اس کے بعد ابراہیم سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے

لو انك قتلت مع اخيك كان خيرا لك من المكان الذى جئت منه

تم اپنے بھائی کے ساتھ شہید ہو جاتے، تو جہاں سے تم آئے ہو، وہاں کے قیام سے یہ بات تمہارے لیے بھی بہتر ہوتی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۸۵)

امام اعظم نے فزاری کے سامنے اپنی رائے اور فتوے کا اقرار اس وقت کیا، جب ابراہیم شہید ہو چکے تھے اور منصور کے خلاف اٹھنے والا طوفان تھم چکا تھا، نیز فزاری عباسیوں کے ہم نوا بھی تھے، ایسی صورت میں امام صاحب نے اپنے موقف کا برملا اظہار کر کے ثابت کر دیا تھا، کہ انہوں نے حق کی حمایت کی تھی اور اب بھی اسی نقطہ نظر پر قائم ہیں۔

کوفہ کے عہدہ قضا کی پیش کش

نفس ذکیہ اور ابراہیم کے خروج اور انقلابی کوششوں کو ناکام بنانے کے بعد منصور ۱۴۶ھ میں کوفہ سے بغداد پہنچا اور بغداد کی تعمیر میں مصروف ہوگیا۔ اس نے نفس ذکیہ اور ابراہیم کے خروج میں ان کے حامیوں کو چن چن کر قتل کیا یا قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار کیا۔ امام دارالہجرت مالک بن انس کو بھی کوڑوں سے مارا گیا اور ان کے ایک ہاتھ کو شانے سے اکھیڑ دیا گیا، جس کے صدمے سے تمام عمر وہ پوری طرح اپنا ہاتھ اٹھا نہ سکتے تھے۔ منصور کو یہ حقیقت بھی معلوم تھی، امام ابوحنیفہ نے ابراہیم کا ہر ممکن حد تک ساتھ دیا ہے، بلکہ اس تاریخی شورش کے زمانے میں اس کے معتمد سپہ سالار حسن بن قحطبہ کو مسلمانوں کے خلاف فوجی کمان سے روک دیا، اسی کا اثر تھا، کہ جب منصور نے حسن بن قحطبہ کو مہم پر بھیجنا چاہا، تو اس نے اپنی جان کی پروا کیے بغیر صاف صاف انکار کر دیا۔ یہ وہ اسباب تھے، جن کی بنا پر منصور امام اعظم کا دشمن بن چکا تھا، لیکن عالمانہ وجاہت اور بلاد اسلامی میں آپ کی عبقری شخصیت کے اثر ونفوذ سے بھی اچھی طرح واقف تھا، اس لیے آپ کے خلاف انتقامی کارروائی سے فی الحال باز رہا، لیکن اس کام کے لیے وہ موقع کی تلاش میں تھا، غالباً ۱۴۸ھ میں کوفہ کے قاضی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا انتقال ہوا، تو وہاں کی مسند قضا کے لیے قاضی کے انتخاب کا مرحلہ پیش آیا، چنانچہ منصور نے حسب ذیل علما کو بارگاہ خلافت میں طلبی کا حکم بھیجا، امام اعظم ابوحنیفہ، سفیان ثوری، شریک بن عبداللہ نخعی، مسعر بن کدام رضوان اللہ علیہم یہ چاروں دارالخلافت بغداد بلائے گئے، خلیفہ کی طلبی سے ان لوگوں کو یقین ہوگیا تھا، کہ حکومت کا کوئی عہدہ یا قضا کی خدمت قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا یہ حضرات حکومت کی کسی بھی ذمے داری کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ تھے، وہ جانتے تھے کہ شخصی اقتدار میں آزادی کے ساتھ اسلامی نہج پر کام کرنا دشوار ہے اور فیصلہ مقدمات میں عدلیہ پر حکومت حاوی ہوتی ہے، اس لیے کسی بھی عہدہ کو منظور کرنے کا

مطلب یہ ہوتا ہے کہ علم وتقویٰ کو اقتدار کی بھینٹ چڑھا دیا جائے، جب یہ حضرات خلیفہ منصور کے پاس پیش کیے گئے، تو اس نے کہا،''لم ادعکم الا بخیر''میں نے تم لوگوں کو اچھے مقصد کے تحت بلایا ہے۔

مسعر بن کدام کو دیکھا گیا کہ وہ صف سے نکل کر خلیفہ کی طرف بڑھے چلے جارہے ہیں اور بے محابا ابو جعفر کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر مصافحہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

كيف حالك يا اميرا لمومنين وكيف كنت بعدى وكيف جواريك وكيف دوابك تولينى القضاء۔

اے امیر المومنین! آپ کا حال کیسا ہے؟ میرے بعد آپ کیسے رہے اور آپ کی باندیوں کا کیا حال ہے؟ آپ کے مویشیوں کا کیا حال ہے؟، آپ مجھے قاضی بنا دیجیے!

ایک درباری اس حرکت کو دیکھ کر آگے بڑھا اور کہا کہ یہ شخص تو پاگل ہے، انہیں دربار سے نکال دیا گیا، اس طرح مسعر کی جان بچی۔ سفیان ثوری بھی کسی بہانے بھاگ نکلے، اب امام اعظم اور قاضی شریک خلیفہ کے سامنے تھے، ابو جعفر منصور نے امام صاحب کو سامنے بلایا اور کہا، میں تم کو کوفہ کا قاضی بنانا چاہتا ہوں، آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

يا امير المومنين ان النعمان بن ثابت بن مملوك الخزاز بالكوفة واهل الكوفة لا يرضون ان يلى عليهم ابن مملوك خزاز۔

یعنی اے امیر المومنین! میں نعمان بن ثابت خزاز کا بیٹا ہوں، میرا نسبی تعلق عرب کے کسی معزز خاندان سے نہیں، کوفہ والے خزاز کے بیٹے کی امامت برداشت نہ کریں گے۔

منصور کو بات سمجھ میں آئی اور اس نے کہا، آپ نے سچ کہا۔

امام صاحب نے اپنی معذرت کچھ اس طرح پیش کی کہ منصور مزید اصرار نہ کر سکا، اس طرح آپ کوفہ کے عہدہ قضا سے بچ گئے۔

منصور نے شریک کو قضا کی پیش کش کی، انہوں نے دماغی ضعف کا بہانہ کیا، تو منصور نے کہا: ''اسکت مابقی غیرك احد خذ عهدك' چپ رہو، تمہارے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا، عہدہ کو قبول کرلو۔

شریک:۔ اے امیر المومنین! مجھے نسیان ہے

منصور:۔ روزانہ روغن بادام میں فالودہ بنا کر پلانے کا حکم تمہارے لیے دے دوں گا۔

شریک:۔ میں صادر اور وارد سب کا فیصلہ کروں گا۔

منصور:۔ تم میرا اور میری اولاد کا بھی فیصلہ کرو گے۔

شریک:۔ آپ مجھ سے اپنا رعب و دبدبہ روک لیجیے۔

منصور:۔ ٹھیک ہے۔

شریک نے ان شرطوں کے ساتھ عہدہ قضا قبول کر لیا۔

بغداد کے منصب قضا کی پیش کش اور اسیری

بغداد کی تعمیر و تزئین سے مکمل طور پر فارغ ہونے کے بعد ابو جعفر منصور کو وہاں کی مسند قضا کے لیے ایسے قاضی کی ضرورت محسوس ہوئی، جو دارالخلافت کی مسند قضا کے علاوہ تمام دیار و امصار کے قاضیوں کا چیف بھی ہو، یہ قاضی القضاۃ کا عہدہ تھا، جس کے لیے خلیفہ کی نگاہ انتخاب امام ابوحنیفہ پر پڑی اور اس نے کوفہ کے گورنر عیسیٰ بن موسیٰ کو لکھا کہ ''احمل ابا حنيفة '' ابوحنیفہ کو سوار کر کے میرے پاس بھیجو! ڈاک کی سواری کا انتظام کیا گیا اور امام صاحب کو سوار ہونے کے بعد گھر جانے کا بھی موقع نہیں دیا گیا۔ براہ راست بغداد روانہ کر دیا گیا۔ امام صاحب دربار خلافت میں پہنچے، منصور نے کہا، آپ بغداد کے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرلیں اور پوری سلطنت عباسیہ کے قاضی آپ

کے ماتحت کام کریں گے۔ آپ نے انکار کر دیا اور مختلف تاویلیں اور عذر پیش کیے۔ منصور نے قسم کھائی کہ اگر یہ عہدہ قبول نہیں کریں گے، تو آپ کو قید کر دیا جائے گا۔ مگر آپ نے انکار پر اصرار کیا، تو منصور نے آپ کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ مگر وہاں بھی آپ کو دعوت بھیجتا رہا، کہ آپ عہدہ قبول کر لیں، پھر بھی آپ انکار پر مصر رہے۔ تو اس نے حکم دیا کہ روزانہ آپ کو دس کوڑے لگائے جائیں، چنانچہ روزانہ آپ پر مسلسل دس کوڑے لگائے جاتے تھے، جس کی تاب نہ لا کر آپ مخلوق کو داغ مفارقت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے جوار رحمت میں چلے گئے۔ (کردری ج ۲ ص ۱۹)

اس واقعہ کو مورخین نے مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے، بعض کہتے ہیں، کہ امام صاحب کو منصور نے سر دربار برہنہ پشت پر تیس کوڑے لگوائے تھے۔

☆ عبدالعزیز بن عصام جو امام صاحب کے دیکھنے والوں میں سے ہیں ان کا بیان ہے کہ خلیفہ ابوجعفر نے ان کو منصب قضا قبول کرنے کے لیے بلایا تھا، لیکن امام نے جب انکار کیا اور دونوں کے درمیان گفتگو اپنی شدت کو پہنچ گئی تو ابوجعفر نے غصہ سے مغلوب ہو کر امام کو برا بھلا کہا اور کوڑوں سے پٹوایا بھی، جب وہ خلیفہ کے پاس سے باہر لائے گئے، تو اس وقت صرف پاجامہ پہنے ہوئے تھے اور ان کی پشت پر مار کے نشانات نمایاں تھے، ایڑیوں پر خون بھی بہہ رہا تھا، تازیانہ کے اس واقعہ کے بعد منصور کا چچا عبدالصمد بن علی بن عبداللہ بن عباس پہنچا اور کہنے لگا۔ ''امیر المومنین! آج آپ نے کیا کیا؟ ایک لاکھ تلواریں اپنے اوپر کھنچوا لیں، یہ عراق والوں کا امام ہے، مشرق والوں کا فقیہ ہے''۔

(موفق ج ۲ ص ۱۸۲)

☆ بشر بن ولید کندی کا بیان ہے، کہ امیر المومنین ابوجعفر منصور نے امام ابوحنیفہ کو بلایا اور وہ انہیں قاضی بنانا چاہتا تھا، تو ابوحنیفہ نے اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو منصور نے قسم کھائی، کہ وہ قاضی بنا کر رہے گا، جواباً ابوحنیفہ نے بھی قسم کھائی کہ میں یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا۔ اس پر منصور کے حاجب ربیع نے کہا، اے امیر المومنین

! آپ نہیں دیکھتے کہ آپ کے مقابلے میں قسم کھا رہا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا، ”امیر المومنین علی کفارۃ یمینہ اقدر منی علی کفارۃ یمینی“ امیر المومنین اپنی قسم کا کفارہ دینے پر مجھ سے زیادہ قادر ہیں۔

اس طرح امام صاحب نے عہدہ قضا قبول کرنے سے صاف صاف انکار کر دیا، تو منصور نے آپ کو قید میں ڈال دیا۔ قید سے دوبارہ طلب کر کے منصور نے کہا ”اترغب عما نحن فیھا“ کیا تم اب بھی عہدہ قضا سے انکار کرتے ہو؟۔

امام صاحب نے فرمایا:

اصلح اللہ امیر المومنین یا امیر المومنین اتق اللہ ولاتشرك فی اماناتك من لایخاف اللہ واللہ ما انا بمامون الرضا فکیف اکون مامون الغضب ولو اتجہ الحکم علیك ثم تھددنی علی ان تغرقنی فی الفرات او ازیل الحکم لاخترت ان اغرق ولك حاشیۃ یحتاجون الی من یکرمھم لك فقال لہ کذبت انت تصلح فقال قد حکمت لی علی نفسك کیف یحل لك ان تولی قاضیا علی اماناتك وھو کذاب۔ (موفق ج۲ ص ۱۷۱)

اللہ امیر المومنین کی اصلاح فرمائے، اے امیر المومنین اللہ سے ڈریے اور اپنی امانت میں اس کو شریک نہ کیجیے، جس کے دل میں اللہ کا خوف نہیں، خدا کی قسم جب میں رضا سے مامون نہیں، تو غضب سے مامون کیسے ہو جاؤں گا، اگر آپ کے خلاف بھی فیصلہ دینے کا موقع میرے سامنے آ گیا اور مجھے یہ دھمکی دی جائے کہ اس فیصلہ سے یا تو ہٹ جاؤ ورنہ دریائے فرات میں تجھے غرق کر دیا جائے گا، تو میں کہتا ہوں کہ فرات میں ڈوب مرنا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے، لیکن فیصلہ بدلنے پر راضی نہیں ہوں۔ آپ کے حاشیہ میں ایسے لوگ ہیں جنہیں ضرورت ایسے آدمی کی ہے، جو آپ کی وجہ

سے ان کے وقار کو برقرار رکھے۔ منصور نے امام صاحب سے کہا، تم جھوٹے ہو، اس کی صلاحیت رکھتے ہو، امام صاحب نے کہا، تم نے تو اپنے خلاف فیصلہ کر دیا، کیسے جائز ہوگا، کہ تم اپنی امانت پر کسی جھوٹے کو قاضی بناؤ؟۔

☆ موفق کی ایک روایت میں ہے: امام ابوحنیفہ جب بغداد آئے تو بارگاہ خلافت سے خنداں وشاداں نکلے، فرمانے لگے، مجھے منصور نے قضا کے لیے بلایا تھا، میں نے بتادیا، کہ میں اس کام کے لیے موزوں نہیں۔ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ مدعی کا کام شہادت پیش کرنا ہے اور مدعی علیہ بصورت انکار حلف اٹھائے، مگر عہدہ قضا کے لے بڑے دل گردے کا آدمی چاہیے، قاضی ایسا جری آدمی ہونا چاہیے جو آپ، آپ کی اولاد اور سپہ سالاروں کے خلاف فیصلہ دے سکے اور مجھ میں یہ ہمت نہیں۔ میری تو یہ حالت ہے کہ آپ مجھے بلاتے ہیں، تو میں آپ سے رخصت ہو کر ہی آرام کا سانس لیتا ہوں۔

منصور نے کہا، آپ میرے تحائف قبول کیوں نہیں کرتے؟ امام صاحب نے فرمایا::

ماوصلنی امیرا لمومنین من ماله بشئ فرددته ولووصلنی بذلك لقبلته انما وصلنی امیر المومنین من بیت مال المسلمین ولاحق لی فی بیت مالهم انی لست من اقاتل من ورائهم فاخذ مایاخذ المقاتل ولست من ولدانهم فاخذ مایاخذ الولدان ولست من فقرائهم فاخذ ما یاخذ الفقراء۔

میں نے آپ کا ذاتی مال سے دیا ہوا کوئی ہدیہ کبھی واپس نہیں کیا، بلکہ ایسا تحفہ قبول کرنے کے لیے تیار ہوں، آپ مجھے بیت المال سے عطیے بھیجتے ہیں اور بیت المال میں مجھے کوئی حق حاصل نہیں، نہ میں فوجی مجاہد ہوں کہ اپنا حصہ وصول کروں، نہ ان کی اولاد ہوں، کہ بچوں کا حصہ وصول کروں، نہ تنگ دست ہوں کہ فقرا کی طرح صدقہ وصول کروں۔

منصور نے کہا، ''اچھا جایئے! لیکن اگر بوقت ضرورت قاضی اگر آپ کی طرف رجوع کریں، تو ان کی مشکلات دور فرمایئے۔ (الموفق ج ا ص ۲۱۵)

☆ ابن البزازی اپنی مناقب میں لکھتے ہیں: ابوجعفر منصور نے امام ابوحنیفہ کو منصب قضا پیش کرنے اور قاضی القضاۃ بنانے کے لیے قید کر دیا، انکار کرنے پر ایک سو دس کوڑے لگوائے اور اس شرط پر قید خانہ سے رہا کیا، کہ آپ گھر سے باہر نہ نکلیں۔ نیز مطالبہ کیا، کہ جو مسائل وہ بھیجے، ان میں فتویٰ دے دیا کریں، وہ مسائل بھیجتا، مگر آپ ان کا جواب نہ دیتے تھے، منصور نے پھر قید کرنے کا حکم دیا، چنانچہ آپ دوبارہ محبوس ہوئے اور اس نے آپ پر بے حد سختی کی۔ (المناقب لابن البزازی ج ۲ ص ۱۹)

بظاہر متذکرہ بالا روایات متضاد نظر آتی ہیں، لیکن فی الواقع ایسا نہیں، بلکہ امام صاحب اور منصور کے درمیان متعدد ملاقاتوں میں سوال و جواب کی نوبت آئی، جنہیں ارباب سیر نے روایت کیا۔ غالباً بغداد کے اسی آخری سفر میں امام صاحب پر جب منصور کا دباؤ حد سے بڑھا، تو آپ نے قضاء القضاۃ کی ذمہ داری قبول کرنے کے بجائے دجلہ اس پار ایک مختصر سی بستی ''رصافہ'' کی قضا قبول فرمالی۔ ابن خلکان کا بیان ہے: جب منصور نے شہر بغداد کی تعمیر کے بعد وہاں قیام کیا اور اس نے مسجد رصافہ بنائی، تو امام اعظم کو دربار میں طلب کیا، وہ کوفہ سے بغداد لائے گئے، منصور نے رصافہ کی قضا آپ کے سامنے پیش کی، آپ نے انکار فرمایا، منصور نے کہا، اگر تم یہ عہدہ قضا قبول نہ کرو گے، تو تمہیں کوڑوں سے پیٹوں گا، امام صاحب نے چار و ناچار رصافہ کی قضا کا عہدہ قبول کیا، آپ دو روز مسند قضا پر بیٹھے، کوئی مقدمہ پیش نہیں ہوا، جب تیسرے دن ایک ٹھٹھیرا اور اس کا حریف عدالت میں حاضر ہوئے تو ٹھٹھیرے نے کہا اس شخص پر میرے ایک برتن کی قیمت سے دو درہم اور چار دانق باقی ہیں، تو امام صاحب نے اس کے حریف سے کہا، اللہ سے ڈرو اور دیکھو یہ ٹھٹھیرا کیا کہہ رہا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ اس کا مجھ پر کچھ واجب نہیں، امام صاحب نے ٹھٹھیرے سے کہا، تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا آپ اس شخص سے قسم لیں،

تو امام صاحب نے اس مرد سے کہا: "قل و اللہ الذی لا الہ الا ھو" وہ شخص قسم کھانے لگا، جب امام صاحب کو یقین ہو گیا، کہ پوری قسم کھالے گا، تو اسے بیچ میں روک دیا اور اپنی آستین سے دو بھاری درہم نکال کر دیے اور ٹھٹھیرے سے کہا، تم اپنے برتن کی بقیہ قیمت لے لو، ٹھٹھیرے نے دراہم کی طرف دیکھا اور کہا ہاں مجھے قبول ہے اور اس نے وہ درہم لے لیے، اس واقعہ کے بعد آپ نے یہ منصب قضا ترک کر دیا۔

(وفیات الاعیان ج ۳ ص ۲۰۲)

امام صاحب کے سامنے متعدد بار عہدہ قضا پیش کیا گیا، کبھی کوفہ کی قضا اور کبھی کسی دوسرے علاقہ کی قضا اور آخر میں قاضی القضاۃ کا منصب پیش کیا گیا اور ساری مملکت اسلامیہ کے قاضی کی پوسٹ پر مقرر کرنے کا ارادہ کیا گیا، چنانچہ کردری کے ایک بیان میں ہے:

وعهد الامام الى البصرة والكوفة وبغداد وما يليها۔ (ج ۲ ص ۲۱)

بصرہ، کوفہ، بغداد اور ان سے ملحقہ علاقوں کے لیے امام صاحب کو منصب قضا پیش کیا گیا۔

علی بن علی الحمیری کا بیان ہے:

اراده على القضاء غير مرة فاعتذر واستعفى واحتال بكل حيلة۔

قضا کی خدمت ابوحنیفہ کے سامنے متعدد بار پیش کی گئی، لیکن وہ عذر ہی کرتے رہے اور معافی ہی چاہتے رہے اور حیلے حوالوں سے کام لیتے رہے۔ (موفق ج ۲ ص ۱۷۸)

موفق نے احمد بن بدیل کے حوالہ سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

يطلب منه ان يكون قاضى القضاة۔ (ج ۲ ص ۱۷۳)

آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا۔

مجد الائمہ سرخسی کی روایت میں ہے:

ان يتولى القضاء ويخرج القضاة من تحت يده الى جميع كور الاسلام.

قضا کے اختیارات بھی دیے جاتے ہیں اور یہ کہ سارے اسلامی صوبوں میں قاضی امام ہی کے ہاتھ سے نکلیں۔ (ج ۲ ص ۱۷۲)

ان روایات سے یہ بات قطعی طور پر واضح ہو جاتی ہے، کہ آخر میں منصور نے امام صاحب کو قاضی القضاۃ بنانا چاہا، فیصلہ مقدمات ہی تک آپ کے فرائض نہ تھے بلکہ پورے بلاد اسلامی میں قاضیوں کے عزل و نصب اور ان کی تربیت کی ذمے داری آپ کو تفویض کی جا رہی تھی۔

ابو جعفر منصور امام صاحب کو اس طرح قابو میں لانا چاہتا تھا اور اپنی سلطنت کا ایک اہم رکن بنا کر حکومت مخالف کارروائیوں سے آپ کو باز رکھنا چاہتا تھا، ماضی میں امام صاحب نے انقلاب حکومت کے لیے اٹھنے والوں کا جو تعاون کیا تھا اور اپنے اثر و رسوخ سے لوگوں کو ان کا حامی و مددگار بنا دیا تھا، جس سے منصور بخوبی واقف تھا، وہ چاہتا تھا یا تو ابوحنیفہ کو قاضی القضاۃ بنا کر اپنا طرفدار کر لیا جائے یا وہ اپنی ضد پر قائم رہیں اور وقت کے سب سے عظیم فرمانروا کی پیش کش کو ٹھکرا دیں تو ان کی شمع حیات گل کرنے کا بہانہ ہاتھ آ جائے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو عزیمت مآب اسوہ حسنہ اختیار کیا تھا اور جابر و ظالم فرمانرواؤں کی حمایت اور تعاون سے تمام عمر پرہیز کرتے رہے، انہوں نے اس آخری پیش کش کو بھی ٹھکرا دیا، جس کا ردعمل یہ ہوا، کہ منصور نے پہلے تو آپ کو قید کیا، کوڑے لگواتا رہا، کہ ان شدائد سے تنگ آ کر امام اپنا موقف ترک کر کے حکومت وقت کی ملازمت قبول کر لیں، مگر امام اعظم نے جو طریق حیات اختیار کیا تھا، اس میں قید و بند اور کوڑوں کی شدید ضرب کچھ اہمیت نہیں رکھتی تھی، بلکہ اس راہ میں اپنی جان بھی قربان کر دینا ان کے لیے آسان کام تھا، زنداں کی صعوبتوں سے جی نہ بھرا، تو منصور نے سرعام سر قلم کرنے کے بجائے زہر خورانی کا منصوبہ بنایا، اعلانیہ قتل کرنے کی صورت میں کسی بڑی شورش اور

بغاوت کا امکان موجود تھا، کیوں کہ امام صاحب کی عبقری علمی شخصیت کا ڈنکا پوری دنیائے اسلام میں بج رہا تھا اور لاکھوں مسلمان آپ سے عقیدت وارادت کا رشتہ رکھتے تھے، وہ اس طرح امام کے قتل پر یقیناً برانگیختہ ہو جاتے اور لاکھوں تلواریں عباسیہ حکومت کے خلاف بے نیام ہو جاتیں۔ کوڑوں کی ضرب کے بعد منصور کے چچا نے کہا تھا، امیر المومنین آپ نے آج کیا کیا ایک لاکھ تلواریں بے نیام کرالیں، یہ عراق والوں کا امام ہے، مشرق والوں کا فقیہ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ منصور منظر عام پر آپ کو قتل کرانے کے بجائے زہر ہلاہل دے کر ابدی نیند سلانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے امام صاحب کو قید خانے میں زہر ہلاہل پیش کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

وفات

ابن حجر ہیتمی رقم طراز ہیں:

وروی جماعة انه رفع الیه قدح فیه سم لیشرب فامتنع وقال انی لاعلم مافیه ولااعین علی قتل نفسی فطرح ثم صب فی فیه قهرا فمات۔

ایک جماعت نے یوں روایت کیا ہے کہ آپ کو زہر کا پیالا پینے کو دیا گیا، آپ نے انکار کیا اور فرمایا میں جانتا ہوں جو اس پیالے میں ہے میں اپنے قتل میں قاتل کا مددگار ہونا پسند نہیں کرتا ہوں، لہذا آپ کو زبردستی زہر پلایا گیا، جس سے آپ کی وفات ہوگئی۔ (الخیرات الحسان ص ۱۵)

جب آپ کے جسم میں زہر ہلاہل سرایت کر گیا اور زندگی کے چند لمحے باقی رہ گئے تو سر معبود حقیقی کی بارگاہ میں زمین پر رکھ دیا، اس طرح مالک حقیقی کی اطاعت وعبادت میں جان جان آفریں کے حوالہ کر دی۔ چنانچہ ابن حجر ہیتمی تحریر فرماتے ہیں:

وصح انه لما احس بالموت سجد فخرجت نفسه وهو ساجد۔

صحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہے، کہ جب آپ کو موت کا احساس ہوا، تو آپ سجدہ میں گر پڑے اور سجدہ ہی کی حالت میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ (ایضا)

تاریخ وفات

اکثر ارباب تاریخ کا بیان ہے، کہ امام صاحب کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ آپ

نے رجب میں انتقال فرمایا اور بعض لوگوں نے نصف شوال کا قول کیا ہے۔

(الخیرات الحسان ص ۱۲۶)

وفات کے بعد پانچ آدمیوں نے جنازہ کو قید خانہ سے باہر نکالا، قاضی بغداد حسن بن عمارہ نے غسل دیا، ابورجا عبداللہ بن واقد ہروی پانی دیتے تھے، حسن جب امام صاحب کو غسل دے چکے تو کہا:

رحمك الله لم تفطر منذ ثلاثين سنة ولم تتوسد يمينك بالليل منذ اربعين سنة كنت افقهنا واعبدنا وازهدنا واجمعنا لخصال الخير وقبرت اذ قبرت الى خير وسنة واتعبت من بعدك۔

اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، آپ نے تیس سال سے افطار نہ کیا اور چالیس سال سے رات کو نہ سوئے، آپ ہم سب لوگوں سے زیادہ فقیہ، عابد و زاہد اور اوصاف خیر کے جامع تھے اور جب آپ نے انتقال فرمایا تو بھلائی اور سنت کی طرف گئے اور اپنے پچھلوں کو مشکل میں ڈال رکھا۔

ابھی لوگوں نے غسل دینے سے فراغت بھی نہ پائی تھی، کہ امام صاحب کے سانحہ ارتحال کی خبر پورے بغداد میں پھیل گئی اور سارا شہر ماتم کدہ بن گیا۔ جنازہ میں شرکت کے لیے جوق در جوق لوگ آنے لگے، نماز جنازہ میں پچاس ہزار لوگوں نے شرکت کی۔ بقول بعض اس سے بھی زیادہ لوگوں نے شرکت کی۔ لوگوں کی بکثرت آمد کی وجہ سے چھ بار نماز جنازہ پڑھی گئی۔ آخر میں آپ کے صاحب زادے حضرت حماد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ کثرت ازدحام سے عصر کے بعد تک آپ کے دفن سے فراغت نہ ہو سکی۔ تدفین کے بعد بھی بیس دن تک لوگ برابر آپ کی قبر پر نماز پڑھتے رہے۔ امام صاحب نے وفات سے پہلے ہی مقام خیزران میں تدفین کی وصیت فرمائی تھی:

واوصى ان يدفن بمقابر الخيزران الجانب الشرقي لان ارضها طيبة

غیر مغصوبۃ

آپ نے وصیت فرمائی تھی، کہ خیزران کے قبرستان میں مشرقی جانب دفن کیا جائے، کیوں کہ اس کی زمین پاکیزہ ہے، غصب کی ہوئی نہیں ہے۔
چنانچہ وصیت کے مطابق آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ (الخیرات الحسان ص ۱۲۷)
ایک زمانے کے بعد سلطان ابوسعد مستوفی خوارزمی نے سلطان الپ ارسلان سلجوقی کے حکم پر ۴۵۹ھ میں آپ کی قبر مبارک پر ایک سلجوقی شاندار قبہ بنوایا اور اس کی ایک جانب مدرسہ قائم کیا۔ (ایضاً)

یہ مقبرہ ساحل دجلہ پر زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔
خلیفہ منصور تدفین کے بعد آپ کی قبر پر نماز پڑھنے آیا، تو اس نے پوچھا، امام صاحب کو عام قبرستان سے علاحدہ کیوں دفن کیا گیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا، کہ حضرت امام نے اپنے علاحدہ دفن کیے جانے کی وصیت فرمائی تھی، وجہ یہ تھی، کہ جس خطہ اراضی پر بغداد آباد کیا گیا تھا، امام صاحب اس کو مغصوبہ قرار دیتے تھے، اس زمین کے بارے میں ان کا یہی فتویٰ تھا اور یہی وصیت تھی، کہ مجھے ایسی زمین میں نہ دفن کرنا جو ناجائز ذریعہ سے حاصل کی گئی ہے۔ خلیفہ منصور نے سنا تو بے اختیار اس کے منہ سے نکلا:

من یحذرنی منہ حیا ومیتا۔ (دفاع ابوحنیفہ ص ۲۲۲)

زندگی اور زندگی کے بعد بھی امام ابوحنیفہ کے حملوں سے مجھے کون بچا سکتا ہے؟

غیبی ندا

امام اعظم کی تدفین سے جب لوگ فارغ ہوئے ایک غیبی ندا سنی گئی، ہاتف کہہ رہا تھا۔

ذھب الفقہ فلا فقہ لکم　　فاتقوا اللہ وکونوا خلفا

مات نعمان فمن ھذا الذی　　یحیی اللیل اذا ما سجنا

فقہ جاتا رہا، اب تمہارے لیے فقہ نہیں، اللہ سے ڈرو اور ان کے نائب

بنو، امام ابوحنیفہ نے انتقال کیا، تو کون ہے اس رتبہ کا جو تاریک رات میں عبادت کرتا ہو۔ (الخیرات الحسان ص ۱۲۸)

تاثرات

آپ کی وفات حسرت آیات پر ائمہ دین نے اپنے تاثرات اس طرح بیان فرمائے۔

فقیہ مکہ ابن جریج کو جب امام صاحب کی وفات کی خبر ہوئی انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا، ''ای علم ذھب'' کتنا بڑا علم جاتا رہا۔

جب شعبہ نے آپ کے وصال کی خبر سنی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا:

طفئ عن الکوفۃ نور العلم اما انھم لایرون مثلہ ابدا۔

علم کا نور کوفہ سے بجھ گیا اب ایسا شخص کبھی پیدا نہ ہوگا۔ (الخیرات الحسان ص ۱۲۷)

صاحب الخیرات الحسان بیان کرتے ہیں، کہ علما اور اہل حاجت آپ کے مرقد انور پر حاضر ہوتے ہیں اور آپ کے پاس آکر اپنی حاجات کے لیے آپ کو وسیلہ بناتے ہیں، اس میں کامیابی پاتے ہیں، ان میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں:

انی لاتبرك بابی حنیفۃ واجئ الی قبرہ فاذا عرضت لی حاجۃ صلیت رکعتین وجئت الی قبرہ وسالت اللہ عندہ فتقضی سریعا۔

میں امام اعظم ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور جب کوئی حاجت پیش آتی ہے، تو میں دو رکعت پڑھ کر ان کی قبر پر آتا ہوں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو وہ حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے۔

(الخیرات الحسان ص ۱۲۹)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ امام اعظم کی قبر پر حاضر ہوئے دعائے مغفرت کی،

اتفاق سے صبح کی نماز پڑھنے کا وقت آیا، تو امام شافعی نے صبح کی نماز میں اپنے ہمیشہ کے معمول کی مخالفت کرتے ہوئے دعائے قنوت نہ پڑھی اور بسم اللہ میں جہر کے بجائے اخفا کیا (جب کہ ان کا مسلک ہے کہ تمام سال فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی جائے اور بسم اللہ میں جہر کیا جائے) جب ان سے ہمیشہ کے معمول کے ترک کر دینے کی وجہ پوچھی گئی، تو فرمایا اس صاحب قبر (امام ابوحنیفہ) سے مجھے حیا آتی ہے، میں نے ادباً واحتراماً ان کے ہاں موجود ہوتے ہوئے اپنی رائے و مسلک کو ترک کر دیا ہے۔ (ایضا)

محامد ومحاسن اور اخلاق

حلیہ ولباس

امام اعظم ابو حنیفہ کا قد میانہ، خوبرو، جاذب نظر، رنگ گندمی، عمدہ لباس زیب تن کرتے، عطریات کا بکثرت استعمال فرماتے، خوشبو کی وجہ سے محفل میں آمد سے پہلے ہی آمد کا پتہ چل جاتا تھا، آواز سریلی، انداز کلام شیریں۔ لوگوں کے ساتھ کرم ومروت کا برتاؤ کرتے، آپ کی رفتار وگفتار میں وقار اور متانت بدرجہ اتم موجود تھی۔ بہت عمدہ جوتے پہنتے تھے، موزہ بھی استعمال کرتے، جامع مسجد کے حلقہ درس میں لمبی سیاہ ٹوپی استعمال کرتے، بوقت ضرورت اونی کپڑے اور سنجاف وسمور بھی استعمال کرتے، جمعہ کے دن ردا اور قمیص (تہہ بند اور کرتا) پہنتے تھے، ایک شاگرد کے بقول ان دونوں کی قیمت چار درہم ہوتی۔ ابو نعیم نے آپ کے بعض اوصاف حمیدہ ان الفاظ میں بیان کیے ہیں:

کان ابوحنیفة حسن الوجه حسن الثیاب طیب الریح حسن المجلس شدید الکرم حسن المواساة لاخوانه.

امام اعظم خوبصورت عمدہ کپڑے والے، بہترین خوشبو والے، اچھے ہم نشیں، انتہائی سخی، رفیقوں کے ساتھ ہمدردی کرنے والے تھے۔ (حلیہ ج ۱۳ص ۳۳۰)

امام صاحب کی طبعی نظافت اور جامہ زیبی خود ان کی ذات ہی تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ اپنے متعلقین کے ملبوسات کو بھی پاکیزہ اور نفیس دیکھنا چاہتے تھے، چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہ نے اپنے جلیسوں میں سے ایک شخص کو بوسیدہ لباس میں دیکھا، جب مجلس برخاست ہوئی اور صرف وہ شخص رہ گیا، آپ نے اس سے فرمایا، جانماز کو اٹھاؤ اور اس

کے نیچے جو کچھ بھی ہے لے لو، اس کے نیچے سے ایک ہزار درہم نکلے آپ نے فرمایا کیا تم نے یہ حدیث شریف نہیں سنی ہے

ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ

اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کہ وہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندوں پر دیکھے۔

لہٰذا تمہیں چاہیے کہ اپنی حالت اچھی رکھو تا کہ تمہارا دوست تم کو دیکھ کر افسردہ دل نہ ہو۔ (سوانح بے بہا ص ۴۷)

ذاتی زندگی

مال و دولت کی فراوانی کے باوجود ذاتی زندگی بڑی سادہ بسر کرتے، دولت کی افراط کے باوجود مصارف ذاتی بہت قلیل تھے، غذا بھی سادہ استعمال کرتے، بیان کرتے ہیں کہ چالیس سال سے میرا معمول ہے کہ سالانہ چار ہزار درہم اپنے پاس رکھ کر باقی رقم نکال دیتا ہوں کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ایک آدمی کے نفقہ کے لیے چار ہزار درہم یا اس سے کم کافی ہے، اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ اپنی ضرورت کے لیے مالداروں کے پاس جانا پڑے گا تو ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھتا۔ (اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ ص ۴۹)

فیض ابن محمد رقی نے امام اعظم سے ایک مرتبہ بغداد میں ملاقات کی اور کہا میں کوفہ جانے کا ارادہ کر رہا ہوں کوئی ضرورت ہو تو فرمایئے، امام صاحب نے کہا تم میرے بیٹے حماد کے پاس جا کر میری طرف سے کہہ دینا کہ میرا ماہانہ خرچ دو درہم ہے کبھی ستو اور کبھی روٹی پر گزر اوقات کرتا ہوں اور تم نے اس کو بھی نہیں بھیجا، جلد بھیج دو۔ (ایضا)

امام اعظم نے امرا و سلاطین کے نذرانوں اور عطیوں کو کبھی قبول نہیں کیا، ان کی خودداری اور عزت نفس کو گوارہ نہ تھا کہ وہ وظیفہ خور بن کر سلاطین و امرا کے مرہون منت بنیں اور ان کے خلاف امر حق بیان کرنے کا موقع آجائے تو احسان کے بوجھ سے سر جھکا لیں یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کا بیدار ضمیر ہمیشہ آزاد رہا اور ہر محاذ پر انہوں نے پوری جرأت ایمانی کے ساتھ حق گوئی وحق شعاری کا مظاہرہ کیا، جو علمائے حق اور وارثین انبیا کی شان

ہے۔امام صاحب اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

عطاء ذی العرش خیر من عطائکم وسیبہ واسع یرجی وینتظر

وانتم یکدر ما تعطون منکم واللّٰہ یعطی بلا من ولاکدر

عرش والے کی داد اور بخشش تمہاری داد و دہش سے بہتر ہے۔اس کا ابر کرم بہت وسیع ہے، جس سے امیدیں وابستہ ہیں اور جس کے سب منتظر ہیں مگر (حکمرانو!) تم لوگ جو کچھ دیتے ہو اس کو گدلا کر کے دیتے ہو، تمہاری بخشش کو تمہارا احسان جتانا مکدر کر دیتا ہے اور حق تعالیٰ جب دیتا ہے تو اس کے احسان میں نہ جتلانے کی اذیت ہوتی ہے نہ کدورت۔(موفق ج ص ۲۴۴)

معمولات شب وروز

امام اعظم کی زندگی کے معمولات لیل ونہار اس نہج پر تھے۔حلقہ درس جامع مسجد میں صبح کی نماز سے ظہر کی نماز تک اور عشا کی نماز سے ایک تہائی رات تک رہا کرتا تھا اور محلے کی مسجد میں عصر سے مغرب تک درس دیتے اور ظہر سے عصر تک گھر کے اندر تخلیہ میں رہتے، نماز عصر میں تعجیل کرتے اور مغرب میں تاخیر اور عشا میں تعجیل اور فجر اسفار میں پڑھتے تھے، ہفتہ کا دن ذاتی مصروفیات کا دن تھا، اس دن نہ مجلس میں بیٹھتے اور نہ بازار جاتے، گھر کے اسباب اور املاک کا بندوبست کرتے بازار میں چاشت کے وقت سے ظہر تک آپ بیٹھا کرتے اور جمعہ کے دن تمام اصحاب کی دعوت اپنے گھر کرتے، عمدہ کھانے تیار کراتے اور نبیذ پلاتے تھے۔کھانا عام لوگوں کے ساتھ نہ کھاتے فرماتے "انما اتفرد بنفسی عنکم لئلا تحتشموا" میں تنہا اس لیے کھاتا ہوں تاکہ تم لوگ تکلف نہ کرو۔ دعوت میں کھانے کے علاوہ طرح طرح کے میوے بھی ہوا کرتے، لوگوں کو کھلا کر بہت خوش ہوتے۔(موفق ج ۲ ص ۱۰۵، ۱۰۶)

مسعر بن کدام امام صاحب کے معمولات شب وروز کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:
میں امام اعظم ابوحنیفہ کی مسجد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ آپ نے

صبح کی نماز پڑھی اور لوگوں کو علم دین پڑھانے میں مشغول ہو گئے، سلسلہ تعلیم ظہر تک جاری رہا پھر نماز کا وقفہ ہوا، نمازِ ظہر کے بعد عصر تک اور عصر سے مغرب تک اور مغرب سے عشا تک اسی جگہ بیٹھے رہے اور تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رہا، بشری تقاضوں اور انسانی حوائج و ضروریات سے قطع نظر، مسلسل یہ خدمت اور تدریس علم کا شغل دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی، امام اعظم عشا کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لے گئے مجھے یہ فکر دامن گیر ہوئی اور تجسس بڑھتا گیا، کہ جب آپ کا تدریسی انہماک اور تعلیمی مسائل کی مصروفیت کا یہ عالم ہے تو مطالعہ کتب اور نوافل و عبادت کے لیے آپ کو کون سا وقت ملتا ہوگا۔ ابھی میں ایسے ہی تصورات میں ڈوبا ہوا تھا، لوگ نماز عشا پڑھ کر گھروں کو جا چکے تھے، کیا دیکھتا ہوں کہ امام صاحب گھر سے مسجد میں تشریف لائے، صاف و سادہ لباس، جسم معطر اور جس کی خوشبو سے فضا بھی معطر ہو رہی تھی، بڑی تمکنت اور سکون و وقار کے ساتھ مسجد کے ایک کونے میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہو گئی، اب رات کی عبادت، شب بیداری و ریاضت سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے گئے۔ (شاید اس دوران قضائے حاجت اور بشری تقاضوں کے پیش نظر تازہ وضو وغیرہ بنایا ہو) واپس تشریف لائے تو لباس بدلا ہوا تھا، صبح کی نماز باجماعت ادا کی، تو پھر حسب سابق وہی تدریس و تعلیم دین کا سلسلہ شروع ہوا جو برابر عشا تک جاری رہا، میں دل میں خیال کرتا تھا کہ آج رات آپ ضرور آرام کریں گے کہ کل کا دن اور رات بیداری میں گزارے ہیں مگر دوسری رات بھی آپ کا معمول وہی رہا جو پہلی رات کا تھا، تیسری رات بھی ایسے ہی گزری اور وہی کچھ دیکھا جو پہلی دو راتوں میں مشاہدہ کر چکا تھا، اس کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ ابو حنیفہ کا ساتھ اور خدمت و مصاحبت اور تلمذ اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک میرا یا ان کا دنیا سے انتقال نہ ہو جائے۔ (حدائق الحنفیہ ص ۶۶)

جود و سخا

امام اعظم کو قدرت نے جود و سخا سے معمور دل عطا فرمایا تھا، بذل و عطا ان کی زندگی

کا دستور تھا، وہ بہت بڑے، تاجر تھے، لیکن تجارت کا مقصد مال جمع کرنا اور اپنی زندگی کو شاہانہ کروفر کے ساتھ گزارنا نہ تھا، بلکہ اس وسیع تجارت کا مقصد تجارتی نفع سے علما اور محدثین، تلامذہ اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کرنا تھا، آپ نے اپنے اصحاب اور متعلقین کے وظیفے مقرر کر رکھے تھے، شیوخ اور محدثین کے لیے اپنی تجارت کا ایک حصہ مخصوص کرلیا تھا اور اس کا نفع سال بسال انہیں پہنچادیا جاتا گھر والوں کے لیے پھل کپڑے یا کوئی چیز خریدتے تو اسی کی مقدار اشیا خرید کر فقہا ومحدثین کی نذر کیا کرتے تھے، ملنے والوں میں سے اگر کوئی حاجت مند ہوتا تو اس کی ضروریات پوری کرتے، قرضداروں کا قرض اپنی جیب خاص سے ادا کرتے۔

ابراہیم بن عتبہ چار ہزار درہم کے مقروض تھے اور اس ندامت کی وجہ سے لوگوں سے ملنا چھوڑ دیا تھا، ان کے ایک دوست نے چندہ کرکے ان کا قرض ادا کرنا چاہا، لوگوں نے بقدر حیثیت اعانت کی، امام صاحب کے پاس گئے تو فرمایا تم پر کتنا قرض ہے؟ انہوں نے کہا چار ہزار درہم فرمایا، اتنی سی رقم کے لیے لوگوں کو کیوں تکلیف دیتے ہو؟ یہ کہہ کر پورے چار ہزار درہم خود دے دیے۔ (موفق ۲۴۰)

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کثرت سے صدقہ دیا کرتے، ان کو جو بھی نفع ہوتا وہ دے دیا کرتے، مجھے اس قدر تحفے ارسال کیے کہ مجھ کو وحشت ہونے لگی میں نے ان کے بعض اصحاب سے اس کا شکوہ کیا تو انہوں نے کہا:

لو رایت ھدایا بعث بھا الی سعید بن ابی عروبة وما کان یدع احدا من المحدثین الا برہ برا واسعا۔

اگر تم ان تحفوں کو دیکھتے جو انہوں نے سعید بن ابی عروبہ کو بھیجے ہیں تو حیران رہ جاتے امام اعظم نے محدثین میں سے کسی کو نہیں چھوڑا جس کے ساتھ بھلائی نہ کی ہو۔ (الخیرات الحسان ص ۸۳)

امام اعظم ابوحنیفہ کی مجلس ''البرکۃ'' کا تذکرہ سوانح کی متعدد کتابوں میں پایا جاتا

ہے، ذیل میں اسی سلسلہ کا ایک واقعہ جسے امام اعظم کے اکثر سوانح نگاروں نے لکھا ہے نقل کیا جاتا ہے، جس سے امام ابو حنیفہ کی قیام گاہ کے مجلس ''البرکہ'' کے نام سے مشہور ہونے کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

کوفہ میں ایک صاحب بڑے خوش حال تھے، مگر ایام بدلے اور وہ زمانے کی گردش میں مبتلا ہو گئے، فقر و تنگ دستی کا دور آیا، لیکن بڑی غیرت اور حمیت والے تھے، جس طرح بھی گزر رہی تھی گزار رہے تھے، اتفاق سے ایک روز ان کی چھوٹی بچی تازہ لکڑیوں کو دیکھ کر چلاتی ہوئی گھر میں آئی، ماں سے لکڑی لینے کے لیے پیسے مانگے مگر افلاس تھا، ماں بچی کی مراد کب پوری کر سکتی تھی۔ بچی بلبلا رہی تھی، اس کا باپ بیٹھا تماشہ دیکھ رہا تھا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور امام اعظم ابو حنیفہ سے امداد حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا، مجلس ''البرکہ'' میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا لیکن جس نے کبھی بھی کسی سے کچھ نہیں مانگا تھا، آج بھی اس کی زبان نہ کھل سکی، حیا و شرم اور حمیت مانع رہی، آخر بے چارہ یوں ہی اٹھ کر چلا آیا۔ امام اعظم ابو حنیفہ نے اس کے چہرے سے تاڑ لیا کہ اسے کوئی حاجت ہے مگر شرافت اس کے اظہار سے مانع ہے، جب وہ شخص گھر چلا تو امام ابو حنیفہ بھی چپکے سے اس کے پیچھے ہو لیے، جس گھر میں وہ داخل ہوا، اس کو خوب پہچان لیا، جب کافی رات بیت گئی تو امام ابو حنیفہ اپنی آستین میں پانچ سو درہم کی تھیلی دبائے اس صاحب حاجت کے دروازہ پر پہنچ گئے کنڈی کھٹ کھٹائی، جب وہ قریب آیا تو ابو حنیفہ نے جلدی سے وہ تھیلی اس کے دروازے کی چوکھٹ پر رکھ دی اور خود اندھیرے میں الٹے پاؤں یہ کہتے ہوئے واپس لوٹے۔ دیکھو تمہارے دروازے پر تھیلی پڑی ہوئی ہے یہ تمہارے لیے ہے۔ اس نے اندر جا کر تھیلی کھولی تو اس کے اندر ایک پرزہ پایا جس پر لکھا ہوا تھا،

هذا المقدار قد جاء به ابو حنيفة اليك من وجه حلال فليفرغ بالا۔

ابو حنیفہ یہ رقم لے کر تیرے پاس آیا تھا یہ حلال ذریعہ سے حاصل کی گئی ہے

چاہیے کہ اس سے اپنے قلب کی فراغت میں کام لو۔(موفق ج ا ص ۲۶۵،۲۶۶)

امام صاحب کے صاحب زادے حماد نے جب سورہ الحمد پڑھی تو آپ نے ان کے معلم کو ایک ہزار درہم عطا فرمائے تو استاذ نے کہا: ''ماصنعت حتی ارسل الی هذا فاحضره واعتذر اليه'' میں نے یہ کام اس لیے نہیں کیا کہ آپ مجھے اتنی بڑی رقم عنایت فرمائیں امام صاحب نے معذرت چاہتے ہوئے فرمایا: ''لاتستحقر ماعلمت ولدی والله لو كان معنا اكثر من ذلك لدفعنا اليك تعظيما للقرآن'' آپ نے جو میرے لڑکے کو تعلیم دی ہے اسے آپ حقیر نہ سمجھیں خدا کی قسم اگر میرے پاس اس سے زیادہ رقم ہوتی تو میں اسے بھی عظمت قرآن کے پیش نظر آپ کے حوالے کر دیتا۔

(الخیرات الحسان ص ۸۲)

ایک مرتبہ امام اعظم ابو حنیفہ کی خدمت میں ایک نوجوان حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے دو اچھے کپڑوں کی ضرورت ہے کیا ہی بہتر ہوتا کہ آپ میرے ساتھ احسان فرماتے ہوئے از روئے مروت و ہمدردی میری مدد فرماتے، مجھے نکاح اور شادی کا مسئلہ درپیش ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر اچھا جوڑا پہن لوں تا کہ سسرال میں کچھ عزت بن سکے۔ امام اعظم نے فرمایا دو ہفتے صبر کرو، چنانچہ دو ہفتوں کے بعد جب وہ شخص دوبارہ حاضر خدمت ہوا تو امام صاحب نے اس نوجوان کو دو عمدہ کپڑے عنایت فرمائے، جب کی اس زمانے میں ان کپڑوں کی قیمت بیس دینار تھی اور اس کے ساتھ ایک دینار نقد مرحمت فرمایا، نوجوان خلاف توقع اس قدر قیمتی سوغات اور نقدی کو دیکھ کر ششدر رہ گیا، امام صاحب بھی اس کی حیرت کو سمجھ گئے اور فرمایا، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں یہ تو تمہاری اپنی رقم ہے تمہارا اپنا مال ہے، ہوا یوں کہ میں نے اپنی طرف سے کچھ سامان تمہارے نام سے اپنے سامان تجارت میں بغداد بھیج دیا، چنانچہ وہ فروخت ہو گیا جس کے منافع میں تمہارے لیے یہ بیس دینار کے دو کپڑے لے لیے گئے اور ایک دینار بچ بھی گیا اور مجھے اپنا راس المال بھی واپس موصول ہو گیا ہے۔ لو اگر تم انہیں قبول کرو فبہا ورنہ میں ان کو بیچ

دوں گا اور تمہاری طرف سے اس کی قیمت اور دینار صدقہ کر دوں گا۔

(موفق ج ا ص ۲۶۲، ۲۶۳)

یوسف بن خالد السمتی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کسی حاجی صاحب نے امام صاحب کی خدمت میں جوتوں کے ایک ہزار جوڑوں کا ہدیہ بھیجا، امام اعظم نے انہیں قبول فرمالیا مگر اپنے مشائخ، علما، تلامذہ اور محبین و مخلصین اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیے، دو ایک روز بعد امام صاحب کو اپنے بیٹے کے لیے جب جوتے خریدنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور بازار تشریف لے جانے لگے تاکہ اپنے بیٹے کے لیے جوتا خریدیں، تو امام صاحب کے مشہور بصری شاگرد یوسف بن خالد سمتی نے عرض کیا، حضرت آپ کی خدمت میں تو کل ایک ہزار جوتوں کا ہدیہ بھیجا گیا تھا اس کے ہوتے ہوئے پھر نئے جوتے لینے کی کیا ضرورت پڑی؟ فرمانے لگے، ان جوتوں میں ایک جوڑا بھی میری ذات کے لیے نہیں رکھا گیا اور نہ ہی میرے گھر بھیجا گیا بلکہ گھر جانے سے قبل میں نے انہیں اپنے رفقا، علما اور تلامذہ میں تقسیم کر دیا۔ (موفق ج ا ص ۲۵۸)

عبداللہ بن بکر سہمی سے روایت ہے کہ مکہ کے راستے میں میرے رفیق سفر جمال نے میرے ساتھ کچھ رقم کے بارے میں تنازع کیا، بات بڑھ گئی تو وہ مجھے امام ابوحنیفہ کی مجلس میں کھینچ کر لے گئے جب انہوں نے ہم سے مقدمہ کی نوعیت دریافت کی تو ہم نے اصل مقدار رقم میں اختلاف کیا اور جھگڑنے لگے تو امام صاحب ششدر ہو کر فرمانے لگے، کتنی رقم ہے جس میں تم لوگ اس قدر تنازع کر رہے ہو، میرے ساتھی جمال نے عرض کیا چالیس درہم! امام صاحب فرمانے لگے عجیب بات ہے کہ لوگوں میں باہمی مروت، اخوت اور مواساۃ ختم ہو چکے ہیں مجھے تو ابوحنیفہ کے اس ارشاد سے بے شرمندگی ہوئی مگر امام صاحب نے اپنی جیب خاص سے چالیس درہم نکال کر جمال کے حوالے کر دیے اور اس طرح ان کے جود و سخا اور لطف و عنایت سے جھگڑا ختم ہو گیا۔

(موفق ج ا ص ۲۵۹)

شفیق بن ابراہیم بیان کرتے ہیں: میں اور امام ابوحنیفہ کسی مریض کی عیادت کے لیے جا رہے تھے تو راستے میں ایک شخص نے دور سے امام صاحب کو آتے ہوئے دیکھا وہ آپ سے چھپنے لگا اور اس نے دوسرا راستہ اختیار کرلیا امام صاحب نے اس کا یہ حال دیکھا تو بلند آواز سے پکارا اے فلاں شخص! تم جس راستے پر چل رہے تھے اسے کیوں بدل دیا، دوسرا راستہ اختیار نہ کرو اسی راستہ پر چلو، جب اس شخص کو معلوم ہوگیا کہ امام صاحب نے اسے دیکھ لیا ہے تو وہ شرمندہ ہوا، امام اعظم نے اس سے پوچھا، تم نے اپنی راہ کیوں بدلی ہے؟ راہ گیر نے عرض کی حضرت! دس ہزار کی رقم آپ کی مجھ پر باقی ہے ادا کرنے میں تاخیر ہوگئی ہے، آپ کو دیکھ کر سخت ندامت ہوئی، نظر ملانے کی ہمت نہیں رکھتا اس لیے دوسری گلی کی طرف مڑ گیا تھا۔ امام اعظم نے فرمایا: ''سبحان اللہ بلغ بك الامر كل هذا حتى اذا رايتني تواريت ''سبحان اللہ! اتنی سی بات کے لیے تم نے مجھے دیکھ کر راستہ بدل دیا تھا اور مجھ سے چھپنے کی کوشش کی۔ صرف یہی نہیں بلکہ امام صاحب نے قرضدار سے یہ بھی کہا ''قد وهبت منك كله'' جاؤ! میں نے یہ ساری رقم تجھے بخش دی۔

امام اعظم نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، راوی کا بیان ہے: مستزاد یہ کہ امام صاحب نے قرض دار سے معافی مانگی اور بڑی لجاجت سے کہا کہ مجھے دیکھ کر تمہارے دل میں ندامت یا دہشت کی جو کیفیت پیدا ہوئی خدا کے واسطے اسے معاف کردو۔

(عقود الجمان ص ۲۳۵)

امام صاحب ہر سال ایک مخصوص رقم کا سامان خرید کر کوفہ سے بغداد جانے والے سامان تجارت کے ساتھ بھیج دیتے اور اسی رقم سے بغداد سے بھی سامان منگوا کر کوفہ میں فروخت کراتے، اس لین دین اور تجارت سے جو آمدنی ہوتی، اولاً کوفہ کے علما و مشائخ اور محدثین کے کھانے پینے اور ضرورت کا سامان خرید کر گھروں میں بھیج دیتے، اس کے بعد اصل سرمایہ اور منافع کی جو رقم بچ جاتی، اسے بھی انہیں لوگوں میں بڑی کشادہ دلی اور

فراخ حوصلگی کے ساتھ یہ کہتے ہوئے تقسیم فرما دیتے کہ

انفقوا في حوائجكم ولاتحمدوا الاالله تعالىٰ فاني مااعطيكم من مالي شيئا ولكن من فضل الله علي فيكم وهذه ارباح منافعكم۔

اسے اپنی ضرورتوں میں خرچ کیجیے اور اللہ کی حمد بجالایئے اس لیے کہ میں نے اپنے مال سے کچھ نہیں دیا بلکہ آپ حضرات کی وجہ سے مجھ پر خدا کا فضل ہے اور یہ آپ ہی لوگوں کے سرمایہ کے منافع ہیں۔ (موفق ج ۱ ص ۲۶۲)

عبدالرحمٰن دوسی کا بیان ہے کہ امام صاحب اپنے صاحب زادے حماد کو حکم دیتے کہ وہ روزانہ دس درہم کی روٹیاں خرید کر پڑوسی مسکینوں کو اور دروازے پر آنے والے فقرا کو تقسیم کر دیں۔ (موفق ج ۱ ص ۲۵۹)

اسحاق بن اسرائیل کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کو سنا وہ کہا کرتے تھے، امام اعظم بہت بڑے سخی تھے، اپنے بہت سے شاگردوں کی امداد کرتے تھے، خوشی کے دنوں میں ان پر احسان کرتے اور ہر ایک کے ساتھ حسب مراتب بخشش کرتے، محتاجوں کی شادی کراتے اپنے پاس سے مصارف ادا فرماتے اور ان کی ضروریات پوری کرتے۔

(موفق ج ۱ ص ۲۵۹)

امام اعظم کی سخاوت ضرب المثل تھی، آپ کے اس وصف جمیل کا اعتراف بہت سے لوگوں نے کیا ہے: حسین بن سلیمان فرمایا کرتے تھے:

مارايت احدا اسخي من ابي حنيفة كان قد اجرى على جماعة من اصحابه كل شهر جراية سوى ماكان يوسيهم في عامة الايام۔

میں نے ابوحنیفہ سے بڑا سخی کسی کو نہیں دیکھا، آپ اپنے تمام شاگردوں کے لیے ماہانہ وظیفہ دیا کرتے، یہ وظیفہ ان ہدایا کے علاوہ ہوتا جو انہیں عام دنوں

میں دیا کرتے تھے۔ (موفق ج اص ۲۶۰)

امانت داری

امام اعظم متدین فقیہ ومجتہد اور ایماندار تاجر تھے، ان کی ثقاہت، معاملات کی صفائی، خشیت الٰہی کو مدنظر رکھتے ہوئے لوگ اپنی امانتیں تفویض کیا کرتے تھے، امام اعظم حسن اخلاق کا پیکر تھے، وہ کسی ضرورت مند کو محروم نہیں کرتے تھے۔ قاضی ابو یوسف کا بیان ہے: ''کان ابو حنیفة لا یکاد یسئل حاجة الا قضاھا' 'امام ابوحنیفہ کا حال یہ تھا، کہ کوئی حاجت جو پیش کرنے والے ان پر پیش کرتے، تو مشکل ہی سے کوئی ایسی حاجت ہوگی، جسے وہ پوری نہ فرماتے ہوں۔ (موفق ج اص ۱۷۵)

رحم دلی اور مروت کی اس صفت کی بنا پر لوگوں کی امانتوں کو مسترد کرنا خلاف انسانیت تصور کرتے تھے، یہ وہ زمانہ تھا کہ ابھی بینکوں کا نظام قائم نہیں ہوا تھا، عام طور پر لوگوں کے گھر غیر محفوظ ہوا کرتے تھے یا پھر سفر پر جانے والوں کے لیے بڑی بڑی رقمیں خالی گھر میں چھوڑنا خطرے سے خالی نہ تھا، ان حالات میں لوگوں کی امانت رکھنا بھی خلق خدا کی بہت بڑی خدمت تھی۔ دوسری جانب خود امانتوں کی حفاظت کے لیے قابل اعتماد بندوبست ان کی نگرانی امانتوں کی فہرست، ان کے مالکوں کے نام اور پتوں کے اندراج کے لیے باضابطہ دفتر کی ضرورت تھی، امام صاحب نے وسیع کاروبار تجارت علمی ودینی مشغولیتوں کے باوجود صرف خلق خدا کی دلداری کے لیے ان کی گاڑھی کمائیوں کی حفاظت کا اہتمام فرمایا اور وہ اس امر میں اتنے ثابت قدم اور مستقل مزاج واقع ہوئے تھے کہ زندگی کے آخری ایام تک یہ اہم اخلاقی فریضہ انجام دیتے رہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وصال کے بعد آپ کے امانت خانے میں پانچ کروڑ روپے کی امانتیں موجود تھیں۔ محمد بن فضل بن عطیہ کا بیان ہے:

مات ابوحنیفة وفی بیته للناس وداقع خسین الف الف فردھا ابنہ جمیع ذلك بعد موته علی اربابھا۔

ابوحنیفہ کی جس وقت وفات ہوئی اس وقت ان کے گھر میں پانچ کروڑ کی امانتیں لوگوں کی تھیں، تو آپ کے صاحب زادے نے ان امانتوں کو ان کے مالکوں کے حوالہ کر دیا۔ (مناقب ج۱ص۲۲)

امام صاحب کے پاس عمر کے آخری ایام میں امانت کی اتنی بڑی رقم موجود تھی جب کہ وہ سلطانی فتنوں کی گرفت میں آچکے تھے، لوگوں کی امانتوں کو حتی المقدور لوٹانے کی کوشش کی ہوگی، پھر بھی پانچ لاکھ روپے بچ رہے، ظاہر ہے کہ صحت وسلامتی کے دور میں اس سے کہیں زیادہ خطیر رقمیں بطور امانت آپ کے پاس ہوا کرتی تھیں۔ آپ کی امانت ودیانت اور وفور تقویٰ کی وجہ سے لوگ بلا تامل اپنی رقمیں بطور امانت جمع کرتے، اس کام میں آپ کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ لوگ امین اعظم کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

وکیع کا بیان ہے: ''کان ابو حنیفة عظیم الامانة' ابوحنیفہ بڑے امانت دار تھے۔

(موفق ج۱ص۲۲۰)

ابونعیم اور فضل بن دکین کا بیان ہے: ''کان ابو حنیفة حسن الدیانة عظیم الامانة' ابوحنیفہ انتہائی دیندار اور بڑے امانت دار تھے۔ (الخیرات الحسان ص ۸۸)

شام میں ایک شخص نے حکم بن ہشام ثقفی سے کہا،

کان اعظم الناس امانة واراده السلطان ان یتولی مفاتیح خزائنه او یضرب ظهره فاختار عذابه علی عذاب الله تعالی۔

ابوحنیفہ لوگوں میں بڑے امانت دار تھے، جب خلیفہ نے چاہا کہ وہ اس کے خزانے کی چابیوں کے متولی اور نگراں بن جائیں ورنہ انہیں وہ سزا دے گا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے بجائے خلیفہ کی ایذا رسانی کو قبول فرمالیا۔

یہ سن کر حکم بن ہشام نے کہا میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو امام ابوحنیفہ کے اوصاف اس طرح بیان کرتا ہو تو اس شخص نے کہا' ھو واللہ کما قلت '' خدا کی قسم وہ ایسے ہی

تھے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ (ایضا)

ایک دیہاتی نے آپ کے پاس ایک لاکھ ستر ہزار درہم بطور امانت رکھے، مگر وہ فوت ہوگیا، اس نے کسی کو بتایا بھی نہ تھا کہ میں نے اس قدر رقم امام اعظم کے پاس بطور امانت رکھوائی ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، جب وہ بالغ ہوئے تو امام اعظم نے انہیں اپنے پاس بلایا اور ان کے والد کی ساری رقم لوٹا دی اور فرمایا یہ تمہارے والد کی امانت تھی، آپ نے یہ امانت خفیہ طور پر لوٹائی تا کہ لوگوں کو اتنی بڑی رقم کا علم نہ ہو اور وہ انہیں تنگ نہ کریں۔ (الموفق ص ۲۳۷)

امام اعظم کا تقویٰ اور امانت و دیانت کے باعث علما اور عوام آپ کی بے حد عزت کیا کرتے تھے، جب کہ مخالفین و حاسدین حسد کی آگ میں جلتے رہتے اور مختلف حربے استعمال کر کے آپ کے مقام و رتبے کو گھٹانے کی مذموم کوشش کرتے۔ ایک بار ایک شخص کے ذریعہ آپ کے پاس ایک تھیلی امانت رکھوائی گئی، جس پر سرکاری مہر بھی لگی ہوئی تھی، حاسدوں کی بدگمانی یہ تھی کہ امام اعظم کچھ عرصہ بعد یقیناً اس رقم کو کاروبار میں استعمال کریں گے اور اس پر گرفت کی جائے گی، چنانچہ اس منصوبہ بندی کے ساتھ ایک شخص نے کوفہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ کے پاس دعویٰ دائر کیا کہ امام ابوحنیفہ نے فلاں شخص کا مال تجارت کے لیے اپنے بیٹے کو دے دیا ہے، حالاں کہ یہ مال امانت کے طور پر رکھوایا تھا۔ چنانچہ امام صاحب کو طلب کیا گیا اور بتایا گیا کہ آپ پر الزام ہے کہ آپ نے فلاں شخص کی امانت اپنے کاروبار میں لگا دی ہے، آپ نے فرمایا یہ الزام بالکل غلط ہے، اس کی امانت جوں کی توں میرے پاس محفوظ ہے، اگر آپ چاہیں، تو سرکاری نمائندہ بھیج کر تصدیق کر لیں۔ جب لوگ آئے تو آپ کے مال خانے میں وہ امانت ویسی ہی موجود پائی جس پر سرکاری مہر لگی ہوئی تھی، یہ دیکھ کر سب کو ندامت ہوئی۔ (ایضا ص ۲۳۴)

صبر و حلم

صبر و حلم انسانی کردار کا وہ جوہر ہے جو اس کی زندگی کو صالح اخلاقی نظام کا پابند

بنا کر اس کے قول وفعل، عمل وکردار کو خالص دینی سانچے میں ڈھال دیتا ہے، جنگ وجدل، عداوت وخصومت، غضب وحسد جیسے مذموم صفات سے محفوظ ومامون رکھتا ہے۔ امام اعظم جلالت شان کے باوجود نہایت حلیم وبردبار اور متواضع انسان تھے۔ آپ عظیم قوت برداشت اور بے پناہ صبر وتحمل کا پیکر تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے مناظرے کے دوران گستاخانہ گفتگو شروع کی اور آپ کو بدعتی اور زندیق کہہ کر مخاطب کیا، اس پر آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے، وہ خوب جانتا ہے میرے بارے میں جو تم نے کہا وہ سچ نہیں ہے، میں تمہارے عقیدے سے اتفاق نہیں کرتا، جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہے اس کے برابر کسی کو نہ جانا، میں اس کی بخشش کا امیدوار ہوں اور میں اس کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے آپ رو پڑے اور روتے روتے بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر ہوش آیا تو اس شخص نے کہا مجھے معاف کر دیجیے آپ نے فرمایا جس جاہل نے بھی میرے بارے میں کچھ کہا ہے وہ معاف ہے اور جو علم کے باوجود مجھ میں عیب بتائے تو وہ قصوروار ہے۔ (الخیرات الحسان ص ۱۳۰)

علامہ ابن حجر رقم طراز ہیں: آپ بہت باوقار انسان تھے، جب گفتگو فرماتے تو کسی کے جواب کے لیے ہی فرماتے اور بے کار ولغو باتوں پر غور نہ کرتے اور نہ ہی ایسی باتیں سنتے۔ جب آپ کے پاس کوئی شخص آکر کہتا کہ فلاں نے ایسی بات کہی ہے تو آپ فرماتے، یہ بات چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ فلاں معاملہ میں کیا کہتے ہو۔ یہ کہہ کر اس کی بات منقطع فرماتے اور ارشاد فرماتے ایسی باتیں کہنے سے بچو جنہیں لوگ ناپسند کرتے ہوں۔

(ایضاً ص ۱۳۱)

ایک دفعہ آپ مسجد خیف میں تشریف فرما تھے، شاگردوں اور ارادت مندوں کا حلقہ تھا، ایک شخص نے مسئلہ پوچھا، آپ نے مناسب جواب دیا، اس نے کہا، مگر حسن بصری نے اس کے خلاف بتایا ہے، آپ نے فرمایا حسن بصری سے اس مسئلہ میں اجتہادی غلطی ہوئی ہے، ایک شخص کھڑا ہوا جس نے کپڑے سے منہ چھپا رکھا تھا، وہ کہنے لگا اے زانیہ

کے بیٹے! تم حسن بصری کو خطا کار اور غلط کہتے ہو اس بے ہودہ گوئی پر لوگ مشتعل ہو گئے اور اسے مارنا چاہا مگر امام اعظم نے انہیں روک دیا اور سب کو خاموش کر کے بٹھا دیا اور اس شخص سے نہایت تحمل اور وقار کے ساتھ فرمایا ہاں حسن بصری سے غلطی ہوئی اور عبداللہ بن مسعود نے اس بارے میں جو حضور سے روایت کی ہے وہ صحیح ہے۔ (مناقب للموفق ص ۲۹۸)

امام اعظم ایک دن مسجد میں درس دے رہے تھے کہ ایک شخص جو آپ سے بغض وعناد رکھتا تھا، آپ کی شان میں برے الفاظ کہنے لگا، آپ نے توجہ نہ کی اور اسی طرح درس میں مشغول رہے اور شاگردوں کو اس کی طرف توجہ کرنے سے منع فرما دیا۔ جب آپ درس کے بعد گھر کی طرف چلے تو وہ شخص بھی گالیاں بکتا ہوا پیچھے پیچھے چلا، آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا بلکہ خاموشی اور وقار سے سر جھکائے اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ وہ آپ کے دروازے پر سر مارنے لگا اور بولا تم مجھے کتا سمجھتے ہو کہ میں بھونک رہا ہوں اور تم جواب بھی نہیں دیتے۔

اس واقعہ کے ذیل میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے جب امام اعظم اپنے گھر کے قریب پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور اس گالی بکنے والے سے فرمایا یہ میرے گھر کا دروازہ ہے اور میں اندر جانا چاہتا ہوں اس لیے تم جتنی گالیاں دینا چاہو دے لو تاکہ تمہیں کچھ حسرت باقی نہ رہے۔ وہ شخص شرم سے سر جھکا کر بولا آپ کے صبر و تحمل کی انتہا ہے آپ مجھے معاف کر دیں۔ آپ نے فرمایا، جاؤ تمہیں معاف کر دیا۔ (ایضاً ص ۲۸۶)

عبادت وریاضت

امام اعظم کی ذات علم و عمل کی جامع تھی، انہوں نے تحصیل علم، اشاعت علم اور عبادت وریاضت کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا۔ وہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ ایک رات میں ختم قرآن کیا کرتے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

وکان معدودا فی الاجواد والاسخیاء والاولیاء الاذکیاء مع الدین والعبادۃ والتعبد وکثرۃ التلاوۃ وقیام اللیل رضی اللہ

عنہ۔

دینداری، عبادت وریاضت، تہجد گزاری، کثرت تلاوت اور شب بیداری کے ساتھ آپ کا شمار بیدار مغز اور فیاض لوگوں میں ہوتا تھا۔

(تاریخ ذہبی ص ۳۰۶)

اسد بن عمرو سے روایت ہے:

ان اباحنيفة صلى العشاء والصبح بوضوء اربعين سنة۔

امام اعظم ابوحنیفہ نے چالیس سال تک ایک ہی وضو سے عشا اور فجر کی نماز پڑھی۔

(ایضا)

یحییٰ بن عبدالحمید حمانی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جو چھ مہینے تک ابوحنیفہ کی صحبت میں رہے۔

فما رآه صلى الغداة الا بوضوء عشاء الاخيرة وكان يختم القرآن في كل ليلة عند السهر۔

انہوں نے امام اعظم کو اس مدت میں عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور ہر رات صبح تک آپ قرآن پاک ختم کردیا کرتے تھے۔

(ایضا)

اسحاق کہتے ہیں:

كان ورعا زاهدا صواما قواما تاليا لكتاب الله عالما بما فيه غاية في الفقه لم يسمع بمثله في فنه۔ (موفق ج ا ص ۲۵۹)

امام اعظم زاہد متقی، روزہ دار شب بیدار کتاب اللہ کی تلاوت کرنے والے، علوم قرآنی کے عالم، زبردست فقیہ، فقہ میں آپ کی نظیر نہیں ملتی۔

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

قال الذهبي قد تواتر قيامه الليل وتهجده وتعبده ومن ثمة

کان یسمی الوتد من کثرۃ قیامہ اللیل بل احیاہ بقرأۃ القرآن فی رکعۃ ثلاثین سنۃ وحفظ عنہ انہ صلی صلاۃ الفجر بوضوء العشاء اربعین سنۃ فکان عامۃ اللیل یقرأ جمیع القرآن فی رکعۃ واحدۃ یسمع بکاءہ باللیل حتی یرحمہ جیرانہ۔

(الخیرات الحسان ص ۷۴)

امام ذہبی نے فرمایا ابوحنیفہ کا پوری رات عبادت کرنا اور تہجد پڑھنا تواتر سے ثابت ہے اور یہی وجہ ہے کہ کثرت قیام کی وجہ سے آپ کو وتد یعنی میخ (کیل) کہا جاتا تھا۔ آپ تیس سال تک ایک رکعت مین مکمل قرآن پڑھتے رہے اور آپ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے عشا کے وضو سے فجر کی نماز چالیس سال تک پڑھی۔ عام راتوں مین ایک ہی رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے رات میں لوگ ان کی گریہ وزاری سنتے یہاں تک کہ ان کے پڑوسیوں کو ان پر رحم آتا۔

امام اعظم کے تمام رات عبادت کرنے کا باعث یہ واقعہ ہوا کہ ایک بار آپ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں آپ نے کسی شخص کو یہ کہتے سنا کہ یہ امام ابوحنیفہ ہیں جو تمام رات اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور سوتے نہیں۔ آپ نے امام ابو یوسف سے فرمایا:

سبحان اللہ الا تریٰ ان اللہ تعالیٰ نشر لنا ھذا الذکر او لیس یقبح ان یعلم اللہ تعالیٰ منا ضد ذلک واللہ لا یتحدث الناس عنی بما لم افعل۔ (ایضا)

سبحان اللہ! کیا تم خدا کی شان نہیں دیکھتے کہ اس نے ہمارے لیے اس قسم کا چرچا کر دیا اور کیا یہ بری بات نہیں کہ لوگ ہمارے متعلق وہ بات کہیں جو ہم میں نہ ہو لہٰذا ہمیں لوگوں کے گمان کے مطابق بننا چاہیے خدا کی قسم! میرے

بارے میں لوگ وہ بات نہ کہیں گے جو میں نہیں کرتا۔

ابو یوسف کا بیان ہے:

فکان یحیی اللیل صلاۃ وتضرعا ودعاء۔

چنانچہ آپ تمام رات نماز، گریہ وزاری اور دعا میں گزارنے لگے۔

ابونعیم نے کہا: میں علما سے بکثرت ملا ہوں، جیسے اعمش، مسعر، حمزۃ الزیات، مالک بن مغول، اسرائیل، عمرو بن ثابت اور دوسرے اکابر جن کو میں شمار نہیں کر سکتا اور میں نے ان حضرات کے ساتھ نماز پڑھی ہے، لیکن میں نے کسی کو بھی ابوحنیفہ کی نماز سے اچھی نماز پڑھنے والا نہیں پایا۔ نماز پڑھنے سے پہلے آپ دعا کرتے تھے اور اللہ سے سوال کرتے تھے اور روتے تھے، آپ کی حالت کو دیکھ کر کہنے والے کہا کرتے تھے، قسم ہے اللہ کی یہ شخص اللہ سے ڈرتا ہے۔ (اخبار ابی حنیفہ ص ۴۵)

معافی بن عمران نے الجویریہ سے سنا کہ میں نے حماد بن ابی سلیمان، حارب بن دثار، علقمہ بن مرثد، عون بن عبداللہ، سلمہ بن کہیل، عطا، طاؤس، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے اور میں ان کی صحبت میں رہا ہوں اور میں نے ابوحنیفہ کو ان کی جوانی میں دیکھا ہے اور ان سب حضرات سے ان کو ''احسن لیلا'' پایا یعنی ان کی رات سب میں اچھی تھی (شب بیداری اور عبادت گزاری میں گزرتی تھی)۔ (ص ۴۵)

خارجہ بن مصعب نے کہا:

ختم القرآن فی رکعۃ اربعۃ من الائمۃ۔

قرآن مجید کو ایک رکعت میں اول تا آخر ائمہ میں سے چار حضرات نے پڑھا ہے اور وہ حضرت عثمان بن عفان، تمیم داری، سعید بن جبیر اور ابوحنیفہ ہیں۔ (ص ۴۵)

ابن حجر ہیتمی مکی نے الخیرات الحسان میں خارجہ کی روایت نقل کی ہے:

ختم القرآن فی رکعۃ داخل الکعبۃ اربعۃ وعد منھم اباحنیفۃ۔

کہ بیت اللہ شریف کے اندر قرآن مجید کا ختم ایک رکعت میں چار حضرات نے کیا ہے اوران چار میں ابوحنیفہ کا شمار کیا ہے۔

ابن حجر آگے چل کر اور لکھتے ہیں: بعض اہل مناقب نے لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم نے جب آخری حج کیا تو آپ نے اپنا آدھا مال بیت اللہ شریف کے خدمتگاروں کو دیا تا کہ ان کو بیت اللہ شریف کے اندر نماز پڑھنے کا موقع مل جائے۔ چنانچہ آپ کو موقع ملا اور آپ نے نصف کلام پاک ایک ٹانگ پر اور نصف کلام پاک دوسری ٹانگ پر کھڑے ہو کر پڑھا اور پھر آپ نے یہ دعا کی:

یارب عرفتك حق معرفتك وماعبدتك حق العبادة فهب لی نقصان الخدمة لكمال المعرفةفنودی من زاوية البيت عرفت واحسنت واخلصت الخدمة غفرلك ولمن كان علی مذهبك الی قيام الساعة۔

اے میرے پروردگار میں نے تجھ کو جانا اچھی طرح کا جاننا اور میں نے تیری بندگی کی جیسی چاہیے تھی نہیں کرسکا۔ میری بندگی کی کوتاہی کو بہ وجہ کمال معرفت عفو فرما، اس وقت بیت اللہ شریف کے کونے سے یہ ندا آئی، تو نے جانا اور اچھا جانا اور تو نے بندگی اخلاص سے کی لہٰذا بخشی گئیں (تیری کوتاہیاں) اوران سب کی جو تیرے طریقہ پر ہوں گے قیامت برپا ہونے تک۔ (الخیرات الحسان ص ٧٦)

ابن حجر نے لکھا ہے:

قال بعضهم ما رايت اصبر علی الطواف والصلاة والفتيا بمكة من ابی حنيفة انما كان كل الليل والنهار فی طلب الآخرة وسمع هاتفا فی المنام وهو فی الكعبة يقول يا اباحنيفة اخلصت خدمتی واحسنت معرفتی فقد غفرت لك۔

بعض حضرات نے کہا ہے، میں نے مکہ مکرمہ میں ابوحنیفہ سے طواف ونماز اور فتویٰ دینے میں زیادہ مشغول کسی شخص کو نہیں دیکھا ہے وہ ساری رات اور سارا دن آخرت کی طلب میں رہتے اور بیت اللہ میں نیند کی حالت میں انہوں نے ہاتف سے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا، اے ابوحنیفہ تو نے میری خدمت اخلاص سے کی اور میری معرفت اچھی حاصل کی، میں نے تیری خطائیں معاف کردیں۔ (ایضاص ۶۷)

خشیت الٰہی

امام اعظم کا قلب خشیت وخوف الٰہی سے ہمیشہ لبریز رہتا تھا۔ ان کا یہ وصف مکارم اخلاق کی اساس ہے، جس انسان کا دل خوف خدا سے آشنا ہو جائے، اس کا دامن کبھی غبار معصیت سے آلودہ نہیں ہوسکتا، وہ اعتدال وانصاف کی ڈگر پر گامزن رہے گا اور دنیا کی بڑی بڑی جبروتی طاقتیں اسے اپنے سامنے سرنگوں نہیں کرسکتیں۔ یہی وجہ تھی کہ امام اعظم نے امرا وخلفا کے روبرو حق بات کہنے میں کوئی خوف محسوس نہیں کیا۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے، اللہ کا نام آتا تو اشکبار ہو جاتے، نمازوں میں خشیت الٰہی کی وجہ سے رویا کرتے۔

وکیع بن جراح کہتے ہیں:

کان واللہ عظیم الامانۃ وکان اللہ تعالیٰ فی قلبہ جلیلا کبیرا وکان یوثر رضا ربہ تبارک وتعالیٰ علی کل شئ ولو اخذتہ السیوف فی اللہ تعالیٰ لاحتمل رحمۃ اللہ علیہ رضی عنہ ربہ رضا الابرار فلقد کان منہم۔

بخدا آپ بہت دیانت دار تھے اور خدا کی جلالت اور کبریائی آپ کے قلب میں راسخ تھی۔ آپ اپنے رب کی خوشنودی کو ہر چیز پر ترجیح دیتے اور چاہے تلواروں سے ان کے ٹکڑے کردیے جاتے وہ اپنے رب کی رضا نہ چھوڑتے۔

آپ کا رب آپ سے ایسا راضی ہوا جیسے ابرار سے ہوتا ہے اور امام اعظم واقعی ابرار میں سے تھے۔ (ایضا)

یزید بن لیث کہتے ہیں: امام اعظم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔ امام نے نماز عشا میں سورہ زلزال تلاوت کی، جب نماز ختم ہوئی، تو میں نے دیکھا کہ امام اعظم متفکر بیٹھے ہیں اور لمبی لمبی سانسیں لے رہے ہیں، میں وہاں سے چلا آیا اور چراغ جس میں تیل کم ہی تھا وہیں چھوڑ دیا کہ کہیں ان کا دھیان نہ بٹے۔ صبح صادق کے وقت میں مسجد آیا تو دیکھا کہ آپ اپنی ڈاڑھی پکڑے ہوئے ہیں اور فرمار ہے ہیں:

یامن یجزی بمثقال ذرة خیرخیرا ویامن یجزی بمثقال ذرة شرشرا اجز النعمان عندك من النار ومایقرب منها وادخله فی سعة رحمتك۔

اے وہ جو ذرہ بھر نیکی کا بدلہ دیتا ہے اور اے وہ جو ذرہ بھر برائی کی سزا دیتا ہے اگر نعمان کی جزا تیرے پاس جہنم یا اس سے قریب ہے تو اسے بچا اور اپنی رحمت میں داخل فرما۔

راوی کہتے ہیں جب میں پہنچا تو چراغ ٹمٹما رہا تھا آپ نے فرمایا کیا چراغ لینے آئے ہو؟ میں نے عرض کی حضور! فجر کی اذان ہو چکی ہے۔ آپ نے فرمایا جو تم نے دیکھا اسے چھپانا پھر آپ نے عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔ (ایضاص ۱۲۶)

ابوالاحوص فرماتے ہیں:

لوقیل له انك تموت الی ثلاثة ایام ماکان فیه فضل شیٔ یقدر ان یزید علی عمله الذی کان یعمل۔

(الخیرات الحسان ص ۷۸)

اگر امام اعظم سے یہ کہا جاتا کہ آپ تین دن میں انتقال کر جائیں گے تو بھی آپ اپنے معمول کے اعمال سے کچھ زیادہ نیکی نہیں کر سکتے تھے، کیوں کہ وہ

اس قدر نیکیاں کرتے تھے کہ ان میں اضافہ ممکن ہی نہ تھا۔ (ایضاً ص ۱۲۷)

ابو یحییٰ نیشاپوری کہتے ہیں: میں نے ساری رات امام ابوحنیفہ کو نماز پڑھتے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتے دیکھا، میں دیکھتا کہ آپ کے آنسو مصلے پر بارش کے قطرے کی طرح ٹپک رہے ہیں۔ (الخیرات الحسان ص ۷۹)

امام اعظم فرماتے تھے: اگر لوگ اپنے معاملات میں درست رہتے تو میں کسی کو فتویٰ نہ دیتا، مجھے اس سے بڑھ کر کوئی خوف نہیں کہ میں اپنے کسی فتویٰ کی وجہ سے کہیں دوزخ میں نہ چلا جاؤں۔ مزید فرمایا:

ما اجترأت علی اللہ تعالیٰ منذ فقهت.

میں جب سے فقیہ ہوا کبھی اللہ تعالیٰ پر جرأت نہ کی۔ (ایضاً)

ایک روز امام اعظم کہیں جا رہے تھے، کہ لاعلمی میں آپ کا پاؤں ایک لڑکے کے پاؤں پر آ گیا۔ اس لڑکے نے کہا، اے شیخ! کیا تم قیامت کے روز خدا کے انتقام سے نہیں ڈرتے؟ آپ نے یہ بات سنی تو غش کھا کر گر پڑے کچھ دیر بعد ہوش آیا تو مسعر بن کدام نے عرض کیا۔ اس لڑکے کی بات نے آپ کے دل پر اتنا عظیم اثر کیا؟ آپ نے فرمایا:

اخاف انه لقن

کیا عجب کہ اس کی آواز غیبی ہدایت ہو۔ (ایضاً)

آپ کے دل میں خوف خدا اس قدر تھا کہ ایک مرتبہ کسی شخص سے گفتگو فرما رہے تھے، کہ اس شخص نے کہا، خدا سے ڈرو۔ یہ سننا تھا کہ امام اعظم کا چہرہ زرد پڑ گیا، سر جھکا لیا اور فرمایا خدا تمہیں جزائے خیر دے، ہر وقت لوگوں کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی انہیں خدا کی یاد دلائے۔ (سوانح امام اعظم ص ۲۲۲)

ایک دن امام نے فجر کی نماز میں یہ آیت کریمہ پڑھی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ. (ابراہیم: ۴۲/۱۴)

(اور ہرگز اللہ کو بے خبر نہ جاننا ظالموں کے کام سے)

تو آپ لرز گئے اور کپکپی طاری ہوگئی۔آپ کی اس کیفیت کو لوگوں نے محسوس کر لیا۔
امام اعظم کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ فرماتے، یہ مشکل میرے کسی گناہ کی وجہ سے ہے تو آپ اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے اور وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرتے اور استغفار کرتے تو مسئلہ حل ہو جاتا۔آپ فرماتے، مجھے خوشی ہوئی کیوں کہ مجھے امید ہے کہ رب تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے گا اس بات کی اطلاع حضرت فضیل بن عیاض کو ہوئی تو بہت روئے اور فرمایا:

رحم اللہ اباحنیفۃ انما کان ذلك لقلۃ ذنوبہ واما غیرہ فلا یتنبہ لذلك لان ذنوبہ قد استغرقتہ۔

اللہ تعالیٰ ابو حنیفہ پر رحم فرمائے یہ بصیرت ان کے گناہوں کی کمی کی وجہ سے ہے جب کہ دوسرے لوگوں کو یہ بیداری حاصل نہیں ہوتی کیوں کہ وہ گناہوں میں مستغرق ہوتے ہیں۔(الخیرات الحسان ۷۹)

زہد و تقویٰ

امام اعظم کا دامن اخلاق زہد و تقویٰ کے لعل و گہر سے مالا مال تھا، ان کا دل دنیاوی مال و جاہ کی حرص سے پاک تھا۔ دنیا ان کے نزدیک پرکاہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔انہوں نے کبھی جاہ و منصب اور شاہی نذور و فتوح کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔
حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: میں نے امام اعظم سے زیادہ متقی کسی کو نہ دیکھا، تم ایسے شخص کی کیا بات کرتے ہو جس کے سامنے کثیر مال پیش کیا گیا اور اس نے اس مال کو نگاہ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں، اس پر اسے کوڑوں سے مارا گیا مگر اس نے صبر کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مصائب کو برداشت کیا مگر مال و متاع قبول نہ کیا، بلکہ دوسروں کی طرح (جاہ و مال دنیا کی) کبھی تمنا اور آرزو بھی نہ کی حالاں کہ لوگ ان چیزوں کے لیے سو سو جتن اور حیلے کرتے ہیں، بخدا آپ ان تمام علما کے برعکس تھے جنہیں ہم مال و انعام کے لیے دوڑتا دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کے طالب ہیں اور دنیا ان سے بھاگتی

ہے۔ جب کہ امام اعظم وہ تھے کہ دنیا ان کے پیچھے آتی تھی اور آپ اس سے دور بھاگتے تھے۔ (الخیرات الحسان ص ۵۸)

مکی بن ابراہیم نے فرمایا:

جالست الکوفیین فلم ار فیھم اورع منہ. (ایضا)

میں کوفہ والوں کے ساتھ رہا ہوں لیکن میں نے امام اعظم ابوحنیفہ سے متقی کسی کو نہ دیکھا۔

حسن بن صالح کہتے ہیں:

کان شدید الورع ھائبا للحرام تارکا للکثیر من الحلال مخافۃ الشبھۃ ما رایت فقیھا اشد منہ صیانۃ لنفسہ ولعلمہ وکان جھادہ کلہ الی قبرہ. (ایضا)

آپ سخت پرہیز گار تھے، حرام سے ڈرتے تھے اور شبہ کی وجہ سے کئی حلال چیزیں بھی چھوڑ دیتے تھے۔ میں نے کوئی فقیہ ایسا نہ دیکھا جو اپنے نفس اور علم کی حفاظت آپ سے زیادہ کرتا ہو وہ آخری عمر تک جہاد کرتے رہے۔

یزید بن ہارون فرماتے ہیں: میں نے ایک ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا مگر میں نے ان میں امام ابوحنیفہ سے زیادہ نہ تو کسی کو متقی پایا اور نہ اپنی زبان کا حفاظت کرنے والا۔ آپ کو زبان کی حفاظت کا اتنا شدید احساس تھا کہ وکیع فرماتے ہیں، آپ نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی سچی قسم کھائی تو ایک درہم صدقہ کریں گے۔ چنانچہ ایک بار قسم کھائی تو ایک درہم صدقہ کیا پھر عہد کیا کہ اگر اب قسم کھائی تو ایک دینار صدقہ کریں گے۔ (ایضا)

آپ کے کاروباری شریک حفص کہتے ہیں: میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ تیس سال تک رہا، لیکن میں نے کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے اس چیز کے خلاف ظاہر کیا ہو جو آپ کے دل میں ہو، جب آپ کو کسی چیز کے بارے میں شبہ پیدا ہوتا تو آپ اپنے دل سے اس کو

نکال دیتے تھے، اگر چہ اس کی خاطر اپنا تمام مال ہی کیوں نہ خرچ کرنا پڑے۔ (ایضا)

کسی نے امام اعظم سے عرض کی، آپ کو دنیا کا مال واسباب پیش کیا جاتا ہے، مگر آپ اسے قبول نہیں فرماتے، حالاں کہ آپ ایماندار ہیں اور یہ آپ کا حق ہے، آپ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ للعیال وانما قوتی فی الشھر درھمان فما جمعی۔ (ایضا)

میں نے اپنے اہل وعیال کو اللہ کے سپرد کر رکھا ہے وہ ان کا خود کفیل ہے میرا ذاتی خرچ دو درہم ماہانہ ہے تو میں اپنی ضرورت سے بڑھ کر کیوں جمع کروں۔

شفیق بن ابراہیم فرماتے ہیں: ہم ایک دن امام اعظم کے پاس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک چھت سے ایک سانپ آپ کے سر پر لٹکتا دکھائی دیا۔ سانپ دیکھ کر لوگوں میں بھگڈر مچ گئی، سانپ سانپ کہہ کر سب بھاگے، مگر امام اعظم نہ تو اپنی جگہ سے اٹھے اور نہ ہی ان کے چہرے پر کسی پریشانی کے آثار نظر آئے، ادھر سانپ سیدھا امام اعظم کی گود میں آگرا آپ نے ہاتھ سے جھٹک کر اسے ایک طرف پھینک دیا مگر خود اپنی جگہ سے نہ ہلے، اس دن سے مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین اور پختہ اعتماد ہے۔

بکیر بن معروف کہتے ہیں: میں نے ایک دن امام اعظم سے عرض کی حضور میں نے آپ جیسا کوئی دوسرا نہیں دیکھا، آپ کے مخالفین آپ کا گلہ کرتے ہیں، آپ کی غیبت کرتے ہیں، مگر آپ جب بھی کسی کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی خوبیاں ہی بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا میں نے کبھی کسی کے عیب تلاش نہیں کیے اور کبھی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا۔ (ایضاص ۲۱۳)

امام اعظم کے بے مثال زہد وتقویٰ کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ ایک بار کوفہ میں کچھ بکریاں چوری ہو گئیں تو آپ نے دریافت کیا، بکری زیادہ سے زیادہ

کتنے سال زندہ رہتی ہے لوگوں نے بتایا سات سال تو آپ نے سات سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا۔ (کہ کہیں چوری کی بکری کا گوشت جسم میں نہ چلا جائے)

انہی دنوں آپ نے ایک فوجی کو دیکھا کہ اس نے گوشت کھا کر اس کا فضلہ کوفہ کی نہر میں پھینک دیا تو آپ نے مچھلی کی طبعی عمر کے بارے میں دریافت کیا اور پھر اتنے سال تک مچھلی کھانے سے پرہیز کیا۔ (الخیرات الحسان ص ۱۴۳)

امام رازی شافعی لکھتے ہیں ایک مرتبہ امام اعظم کہیں جا رہے تھے راستہ میں اتفاقاً آپ کی جوتی میں کچھ نجاست لگ گئی، آپ نے نجاست دور کرنے کے لیے جوتی کو جھاڑا تو کچھ نجاست اڑ کر ایک مکان کی دیوار سے لگ گئی۔ آپ پریشان ہو گئے کہ اگر نجاست یوں ہی چھوڑ دی جائے تو اس کی دیوار خراب ہوتی ہے اور اگر اسے کرید کر دیوار صاف کی جائے تو دیوار کی مٹی بھی اتر آئے گی اور اس سے مالک مکان کو نقصان ہے۔ چنانچہ آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا صاحب خانہ باہر آیا اتفاق سے وہ شخص مجوسی تھا اور آپ کا مقروض بھی تھا، وہ یہ سمجھا کہ آپ قرض واپس لینے آئے ہیں، پریشان ہو کر عذر پیش کرنے لگا، آپ نے فرمایا قرض کو چھوڑو میں اس الجھن میں ہوں کہ تمہاری دیوار کیسے صاف کروں، پھر سارا واقعہ بتا دیا وہ مجوسی آپ کا تقویٰ اور کمال احتیاط دیکھ کر بے ساختہ بولا آپ دیوار بعد میں صاف کیجیے گا پہلے کلمہ پڑھا کر میرا دل صاف کر دیں چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔

(تفسیر کبیر زیر آیت یوم الدین)

کشف و فراست

امام اعظم علم و دانش، سیاست و دانائی، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت کا مجمع البحرین تھے۔ خداداد عقل و فراست کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت کی کثرت نے ان کے قلب کو مزکی اور باطن کو مصفی کر دیا تھا۔ حقائق رسی آئندہ آنے والے حالات کا کشف انہیں اس طرح ہو جاتا، گویا وہ اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کی ذات بلاشبہ علم ظاہر و باطن کا سنگم تھی، وہ صاحب کشف و کرامت ولی تھے۔ حقائق و دقائق

آپ کے آئینہ قلب میں منعکس ہو جاتے تھے۔ کشف و مشاہدہ ان کا روحانی وصف تھا۔ متعدد واقعات شاہد ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے کسی موقع پر اپنی باطنی فراست سے جو بات ارشاد فرمائی وہ پوری ہو کر رہی۔

امام اعظم ایک دن اپنے اصحاب کے حلقہ میں بیٹھے تھے، اتنے میں وہاں سے ایک شخص کا گزر ہوا، امام صاحب نے اسے دیکھ کر فرمایا، کہ میرا خیال ہے کہ یہ شخص مسافر ہے۔ کچھ دیر بعد ارشاد فرمایا، کہ میرا خیال ہے کہ اس شخص کی آستین میں کوئی میٹھی چیز بھی ہے، پھر کچھ دیر بعد فرمایا، کہ میرے خیال میں یہ شخص معلم الصبیان ہے۔ کسی نے اس اجنبی کے حالات معلوم کیے، تو پتہ چلا، کہ یہ اجنبی ہے، اس کی آستین میں کشمش ہے، پھر بچوں کا معلم ہے۔ حاضرین نے امام صاحب سے دریافت کیا، کہ آپ کو ان حالتوں کا علم کیسے ہوا؟ امام صاحب نے فرمایا، کہ وہ گھور گھور کر دائیں بائیں دیکھتا رہا اور مسافر جہاں بھی جاتا ہے یہی کرتا ہے۔ میں نے اس کی آستین پر مکھیاں دیکھیں تو سمجھا، کہ اس کی آستین میں کوئی میٹھی چیز ہے۔ مکھی ایسی چیزوں کی طرف دوڑا کرتی ہے اور میں نے اس شخص سے یہ بھی محسوس کیا، کہ صبیان (چھوٹے بچوں) کو بڑی تیز نگاہوں سے دیکھ رہا ہے، جس سے میں نے یہ اندازہ لگایا، کہ یہ بچوں کا استاذ ہے۔ (عقود الجمان ص ۲۵۰)

قاضی ابو یوسف غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، ان کی والدہ اکثر انہیں امام صاحب کے درس سے اٹھا کر لے جاتیں، تا کہ کچھ کمائی کریں، ایک دن امام اعظم نے ان کی والدہ سے فرمایا، تم اسے علم سیکھنے دو، میں دیکھ رہا ہوں، کہ ایک دن یہ روغن پستہ کے فالودہ کھائے گا، یہ سن کر وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں۔ مدتوں بعد ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید کے دسترخوان پر فالودہ رکھا گیا، خلیفہ نے امام ابو یوسف کی خدمت میں پیش کیا، پوچھا، یہ کیا ہے؟ خلیفہ نے کہا، فالودہ اور روغن پستہ، یہ سن کر آپ ہنس پڑے، خلیفہ نے ہنسنے کی وجہ دریافت کی، تو آپ نے مذکورہ واقعہ بیان کیا۔ خلیفہ نے کہا، علم دین و دنیا میں عزت دیتا ہے، اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ پر رحمت فرمائے، وہ باطن کی آنکھوں سے وہ چیزیں

دیکھتے تھے، جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتیں۔ (تاریخ بغداد ج ۱۴ص ۲۴۵)

ایک مرتبہ امام اعظم ابوحنیفہ جامع کوفہ کے طہارت خانہ میں داخل ہوئے، تو دیکھا، کہ ایک جوان وضو کررہا ہے اور پانی کے قطرات اس کے اعضا سے ٹپک رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا، اے میرے بیٹے! والدین کی نافرمانی سے توبہ کر، اس نے فوراً کہا، میں نے توبہ کی۔ اسی طرح ایک دوسرے شخص کے پانی کے قطرات دیکھے تو فرمایا، اے بھائی! زنا سے توبہ کر، اس نے کہا میں نے توبہ کی۔ اسی طرح ایک اور شخص کے وضو کا مستعمل پانی دیکھا، تو فرمایا، شراب نوشی اور گانے بجانے سے توبہ کر، اس شخص نے توبہ کی۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۲ص ۶۵)

امام اعظم سے علمائے مدینہ کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو آپ نے فرمایا:

ان افلح منهم احد فالاشقر الازرق يعني مالك بن انس.

اگر ان میں سے کوئی فلاح یاب ہے، تو گورے چٹے رنگ والے یعنی مالک بن انس ہیں۔

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد صاحب الخیرات الحسان رقم طراز ہیں:

لقد بر وصدق في فراسته لان مالكا بلغ من العلم والفلاح مالم يلحقه احد من اهل المدينة في عصره.

امام اعظم نے ٹھیک کہا اور سچ فرمایا، اس لیے کہ امام مالک علم وفضل میں اس مرتبہ پر پہنچے کہ مدینہ شریف میں کوئی عالم ان کا ہم پلہ نہ ہوسکا۔

(الخیرات الحسان ص ۹۱)

ابوجعفر منصور نے جب امام صاحب، شریک، سفیان ثوری اور مسعر بن کدام کو دربار میں طلب کیا اور لوگ چلنے لگے، تو امام اعظم ابوحنیفہ نے قبل از وقت ہی دربار میں پیش آنے والے واقعات اور چاروں کے طرز عمل کے بارے میں بتادیا تھا، امام صاحب نے فرمایا تھا، میں تم لوگوں کے بارے میں اندازے سے ایک بات کہتا ہوں، میں تو کسی

حیلے سے بچ جاؤں گا اور سفیان راستہ سے بھاگ جائیں گے مسعر مجنون بن جائیں گے اور شریک قاضی بنائے جائیں گے۔ چنانچہ سفیان اثنائے راہ قضائے حاجت کے لیے موقع نکال کر بھاگ کھڑے ہوئے، مسعر دربار میں پہنچے، تو پاگلوں جیسی حرکت کرنے لگے، دربار سے نکال دیے گئے، امام صاحب نے کہا، میں خزاز کا بیٹا ہوں، کوفہ والے میری امارت نہیں مانیں گے، باقی رہے شریک تو انہوں نے کوفہ کی قضا کا عہدہ قبول کرلیا، اس طرح امام صاحب کا قول سچ ثابت ہوا۔ (الخیرات الحسان ص ۹۱)

والدین سے حسن سلوک

امام اعظم کے والد گرامی آپ کے بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے جب کہ آپ کی والدہ ایک مدت تک زندہ رہیں۔ آپ اپنی والدہ سے بے حد محبت کرتے اور ان کی خوب خدمت کرتے۔ آپ کی والدہ شکی مزاج تھیں اور عام عورتوں کی طرح انہیں بھی واعظوں اور قصہ گویوں سے عقیدت تھی۔ کوفہ کے مشہور واعظ عمرو بن ذر اور قاضی زرعہ پر انہیں زیادہ اعتماد تھا، اس لیے کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تو امام اعظم کو حکم دیتیں، کہ عمرو بن ذر سے پوچھ آؤ۔ آپ اپنی والدہ ماجدہ کے ارشاد کی تعمیل کے لیے ان کے پاس جاتے۔ وہ بے چارے سراپا عذر بن کر عرض کرتے، حضور! آپ کے سامنے میں کیسے زبان کھول سکتا ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ عمرو کو جس مسئلہ کا جواب معلوم نہ ہوتا تو امام اعظم سے درخواست کرتے، آپ مجھ کو جواب بتا دیجیے تا کہ میں اسی کو آپ کے سامنے دہرا دوں آپ جواب بتاتے تو وہ اسے آپ کے روبرو دہرا دیتے اور پھر وہی جواب امام اعظم اپنی والدہ کو آ کر بتا دیتے۔ (الخیرات الحسان ص ۱۹۶)

آپ کی والدہ کبھی کبھی اصرار کرتیں، کہ میں خود چل کر پوچھوں گی، چنانچہ وہ خچر پر سوار ہوتیں اور امام اعظم پیدل ساتھ جاتے حالاں کہ آپ کا گھر وہاں سے کئی میل دور تھا، وہ خود مسئلہ پوچھتیں اور اپنے کانوں سے جواب سن لیتیں، تب اطمینان ہوتا۔ امام ابو یوسف کا بیان ہے، ایک دن میں نے دیکھا کہ امام اعظم اپنی والدہ کو خچر پر بٹھائے

عمرو بن ذر کے پاس لے جارہے تھے، تاکہ آپ سے کسی مسئلہ پر گفتگو کرسکیں، آپ اپنی والدہ کی خواہش پر لے جارہے تھے ورنہ آپ کو معلوم تھا کہ عمرو بن ذر کا کیا مقام ہے۔ یہ سب اپنی والدہ کی خواہش کے احترام کے پیش نظر تھا۔ (مناقب للموفق ص ۲۹۲)

ایک بار آپ کی والدہ نے آپ سے فتویٰ پوچھا، آپ نے فتویٰ تحریر فرمادیا، وہ بولیں، میں تو وہی فتویٰ قبول کروں گی، جو زرعہ لکھیں گے۔ چنانچہ آپ اپنی والدہ کی دل جوئی کے لیے زرعہ کے پاس گئے اور فرمایا، میری والدہ آپ سے یہ فتویٰ پوچھتی ہیں، انہوں نے کہا، آپ مجھ سے بڑے فقیہ ہیں، آپ فتویٰ دیجیے! آپ نے فرمایا، میں نے یہ فتویٰ دیا ہے، لیکن وہ آپ سے تصدیق چاہتی ہیں، تو زرعہ نے تحریر دیکھ کر کہا، فتویٰ وہی صحیح ہے، جو امام ابوحنیفہ نے دیا تھا، تب وہ مطمئن ہوئیں۔ (ایضا)

والی کوفہ یزید بن عمرو بن ہبیرہ فزاری نے امام صاحب کے سامنے عہدہ قضا پیش کیا، مگر آپ نے انکار کردیا، اس پر ابن ہبیرہ برہم ہوا اور ایک سو دس کوڑے کی سزا دی، آپ کہتے تھے، اس سزا سے اتنی تکلیف نہ ہوئی، جتنی کہ اس حادثہ پر میری والدہ کے رنج وغم سے ہوئی۔ والدہ نے کہا کہ نعمان جس علم کی وجہ سے تم کو یہ دن دیکھنا پڑا، اس سے ترک تعلق کرلو، میں نے کہا کہ اگر میں اس علم سے دنیا حاصل کرنا چاہتا تو بہت زیادہ حاصل کرلیتا، میں نے یہ علم صرف اللہ کی رضا جوئی اور اپنی نجات کے لیے حاصل کیا ہے۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۵۲)

آپ فرماتے تھے: میں اپنے والدین کے ایصال ثواب کے لیے ہر جمعہ کے دن بیس درہم خیرات کرتا ہوں اور اس بات کی میں نے نذر مانی ہے، دس درہم والد اور دس درہم والدہ کے لیے خیرات کرتا ہوں۔ ان مقررہ درہموں کے علاوہ آپ اپنے والدین کے لیے فقرا و مساکین میں اور بھی چیزیں صدقہ کیا کرتے تھے۔ (ایضا)

پڑوسیوں سے حسن سلوک

امام اعظم ابوحنیفہ اتباع رسول کے جذبات سے سرشار تھے چنانچہ انھوں نے

پڑوسیوں کے حقوق اور ان کی مراعات کا پوری عمر لحاظ کیا اور یہ سب کچھ اس ارشاد نبوی کی بدولت تھا:

من سر ان یحب اللہ ورسولہ اویحبہ اللہ ورسولہ فلیصدق فی حدیثہ اذاحدث ولیود امانتہ اذاائتمن ولیحسن جوار من جاورہ۔(البیہقی فی شعب الایمان)

جسے یہ پسند ہو کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھے یا اللہ ورسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہیے کہ سچ بولے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اسے ادا کرے اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

سیدنا امام اعظم کے پڑوس میں ایک موچی رہتا تھا جو دن میں محنت ومزدوری کرتا اور شام کو بازار سے گوشت اور شراب لے کر آتا۔ گوشت بھون کر کھاتا اور شراب پیتا، جب شراب کے نشے میں دھت ہوتا تو خوب غل مچاتا اور بلند آواز سے یہ شعر پڑھتا رہتا۔

اضاعونی وای فتی اضاعوا

لیوم کریھۃ وسداد ثغر

لوگوں نے مجھ کو ضائع کر دیا اور کتنے بڑے باکمال نوجوان کو کھودیا جو لڑائی اور صف بندی کے دن کام آتا۔

امام صاحب روزانہ اس کی آواز سنا کرتے اور خود تمام رات عبادت میں مشغول رہتے۔ ایک رات آپ نے اس کی آواز نہ سنی تو صبح لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا۔ بتایا گیا کہ اسے کل رات سپاہیوں نے پکڑ لیا ہے اور وہ قید میں ہے۔ امام صاحب نماز فجر کے بعد گورنر کے پاس پہنچے۔ گورنر نے بڑے ادب سے عرض کی، حضور آپ یہاں کیسے تشریف لائے؟ آپ نے فرمایا، میرے پڑوسی کو کل رات آپ کے سپاہیوں نے پکڑ لیا ہے، اسے چھوڑ دیجیے۔ گورنر نے حکم دیا، وہ قیدی اور اس کے ساتھ کے تمام قیدی چھوڑ دیے جائیں، پھر قیدیوں سے کہا، تم سب کو امام ابوحنیفہ کی وجہ سے رہائی مل رہی

ہے۔امام اعظم نے اپنے پڑوسی نوجوان سے فرمایا، ہم نے تم کو ضائع تو نہیں کیا؟ آپ کا اشارہ اس کے شعر کی طرف تھا۔اس نے عرض کیا، نہیں بلکہ آپ نے میری حفاظت فرمائی اور میری سفارش کی، اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے، آپ نے ہمسایہ کے حق کی رعایت فرمائی پھر اس نے توبہ کرلی اور نیک بن گیا۔ (تبیض الصحیفہ ص ۳۹)

امام اعظم اپنے پڑوسیوں سے حسن سلوک اور رواداری میں بے مثل تھے۔آپ کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی تھی، کہ سب لوگوں کو نفع پہنچائیں۔

اساتذہ کا ادب

امام اعظم کا ارشاد ہے: جب سے میرے استاذ امام حماد کا وصال ہوا ہے، میں ہر نماز کے بعد ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں نیز فرماتے:

مامددت رجلی نحو دار استاذی حماد اجلالا له وكان من بين داره وداری سبع سكك۔ (مناقب ج ۲ ص ۷)

میں نے کبھی ان کے گھر کی طرف اپنے پاؤں نہیں پھیلائے حالاں کہ میرے اور ان کے گھر کے درمیان سات گلیاں ہیں۔

ایک روایت میں ہے، کہ آپ نے فرمایا، میں اپنے استاذ حماد اور اپنے والد کے لیے استغفار کرتا ہوں، بلکہ میں اپنے ہر استاذ کے لیے استغفار کرتا ہوں، جس نے مجھے ایک لفظ بھی پڑھایا۔اسی طرح اپنے ہر شاگرد کے لیے بھی استغفار کرتا ہوں۔

(مناقب للموفق ۲۹۵)

علامہ موفق فرماتے ہیں: امام اعظم جب کسی کے لیے دعا کرتے، تو حضرت حماد کا نام سب سے پہلے لیتے۔آپ فرمایا کرتے تھے والدین بچے کو جنم دیتے ہیں، مگر استاذ اسے علم وفضل کے خزانے دیتا ہے۔ (ایضا ۲۹۶)

یہ آپ کے حسن تربیت کا نتیجہ تھا، کہ امام ابو یوسف فرماتے تھے، میں اپنے والدین سے پہلے اپنے استاذ امام ابوحنیفہ کے لیے ہر نماز کے بعد استغفار کرنا واجب جانتا ہوں

کیوں کہ حضرت امام اعظم فرمایا کرتے تھے، کہ میں اپنے والدین کے ساتھ اپنے استاذ کے لیے بلا ناغہ استغفار کرتا ہوں۔ (ایضا)

امام اعظم ابوحنیفہ کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد چار ہزار بیان کی جاتی ہے۔ آپ اپنے اساتذہ کرام کا محبت وعقیدت سے ذکر فرماتے اور اکثر کی خدمت میں ہدیے اور تحائف بھیجتے۔ آپ کے اساتذہ اور شیوخ بھی آپ سے بہت محبت فرماتے۔ آپ کو اہل بیت اطہار سے خاص محبت تھی۔ آپ نے امام محمد باقر سے بھی اکتساب فیض کیا۔ ایک بار ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام باقر نے فرمایا، ہم سے کچھ پوچھیے آپ نے چند سوالات دریافت کیے اور پھر اجازت لے کر وہاں سے رخصت ہوئے تو امام باقر نے حاضرین سے فرمایا ابوحنیفہ کے پاس ظاہری علوم کے خزانے ہیں اور ہمارے پاس باطنی علوم کے ذخائر ہیں۔ (ایضا)

امام ابن عبدالبر لکھتے ہیں، کہ ایک مرتبہ جب امام ابوحنیفہ امام باقر سے علمی گفتگو کر کے رخصت ہوئے تو امام باقر نے فرمایا ان کا طریقہ اور انداز کتنا اچھا ہے اور ان کی فقہ کتنی زیادہ ہے۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم ص ۱۹۵)

جامع مکارم اخلاق

خلیفہ ہارون رشید نے قاضی ابویوسف سے امام اعظم کے فضائل، اخلاق اور عالمانہ عظمت کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے مختصر مگر جامع الفاظ میں امام اعظم کی ہمہ جہت عبقری شخصیت کا تعارف ان الفاظ میں پیش کیا۔

یاامیر المومنین! ان اللّٰہ عز وجل یقول مایلفظ من قول الالدیہ رقیب عتید کان علمی بہ رحمہ اللّٰہ کان شدیدالذب من محارم اللّٰہ تعالیٰ ان توتی شدیدالورع لاینطق فی دین اللّٰہ بمالایعلم یحب ان یطاع اللّٰہ تعالیٰ ولایعصیٰ مجانبا لاھل الدنیا فی زمانھم لاینافس فی عزھا طویل الصمت دائم

الفکر علی علم واسع لم یکن مھذارا ولاثرثارا ان سئل عن مسألة وکان عنده فیها علم نطق به واصاب فیها وان کان غیر ذلك قاس علی الحق واتبعه صائنا لنفسه ودینه بذ ولا للعلم والمال مستغنیا بنفسه عن جمیع الناس لایمیل الی طمع بعیدا عن الغیبة ولایذکر احدا الابخیر (الخیرات الحسان ص ۱۱۰)

اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "بندہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات کہ اس کے پاس ایک نگہبان تیار ہوتا ہے" جہاں تک میرا علم ہے، ابوحنیفہ محرمات الٰہیہ سے بچنے کی بہت کوشش کرتے تھے، ان کا ورع بہت تھا، اس بات سے کہ دین میں کوئی ایسی بات کہیں جس کا ان کو علم نہ ہو، ان کی خواہش رہتی تھی، کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے اور کوئی بھی اس کی نافرمانی نہ کرے، وہ اپنے زمانے کے دنیاداروں سے بچتے تھے، دنیوی جاہ وعزت میں ان سے مقابلہ نہیں کرتے تھے، ان کا زیادہ وقت خاموش رہنے میں گزرتا تھا، ہمیشہ فکر علم میں رہا کرتے تھے، علم میں فراخی تھی باتیں بنانے والے نہیں تھے، اگر ان سے مسئلہ پوچھا جاتا اور ان کو اس سلسلے میں علم ہوتا وہ اس کو بیان کر دیتے اور اس میں درستگی تک پہنچتے اور اگر اس سلسلہ میں کچھ نہیں سنا ہے تو صحیح اور حق طریقہ پر قیاس کرتے تھے اپنے نفس کی اور دین کی حفاظت کرتے تھے، خوب عمل کرنے والے فیاض تھے، ان کا نفس تمام لوگوں سے بے نیاز تھا لالچ اور حرص کی طرف میلان نہ تھا، غیبت کرنے سے بہت دور رہتے۔ اگر کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی سے کرتے۔

یہ سن کر ہارون رشید نے کہا، یہی اخلاق صالحین (نیکوں) کے ہیں۔

معافی موصلی امام صاحب کے فضائل ومناقب میں دس ایسی چیزوں کا تذکرہ کرتے ہیں، جو شاذونادر کسی انسان میں یکجا پائی جاتی ہیں:

كان فيه عشر خصال ما كانت واحدة منها فی انسان الاصار رئيسا في وقته وساد قبيلته الورع والصدق والعفة ومداراة الناس والمودة الصادقة والاقبال على ماينفع وطول الصمت والاصابة بالقول ومعونة اللهفان ولوعدوا۔

امام صاحب کے اندر دس باتیں ایسی تھیں، کہ اگران میں سے ایک بھی کسی کے اندر ہوتو وہ اپنے وقت کا رئیس اوراپنے قبیلے کا سردار ہو، وہ دس باتیں یہ ہیں۔(۱) پرہیزگاری (۲)سچ بولنا (۳) پاکدامنی (۴)لوگوں کی خاطرمدارات (۵) سچی محبت رکھنا (۶)اپنے نفع کی باتوں پر متوجہ ہونا(۷)زیادہ تر خاموش رہنا(۸) ٹھیک بات کہنا(۹)عاجزوں کی مدد کرنا(۱۰)اگرچہ وہ عاجز دشمن ہی کیوں نہ ہو۔(الخیرات الحسان ص ۱۱۱)

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں:

وكان عالما عاملا زاهدا ورعا تقيا كثير الخشوع دائم التضرع الى الله تعالىٰ۔

حضرت ابوحنیفہ عالم باعمل، زاہد، پرہیزگار، متقی، خوف الٰہی سے بہت رونے والے اور اللہ کی بارگاہ میں ہمیشہ آہ وزاری کرنے والے تھے۔(وفیات الاعیان ج ۳ ص ۲۰۲)

ابوزہرہ مصری امام اعظم کے اخلاق وکردار کا ذکران الفاظ میں کرتے ہیں:

اتصف ابوحنيفة بصفات تجعله فی الذروة العلياء بين العلماء فقد اتصف بصفات العالم الحق الثبت الثقة البعيد المدى فی تفكيره المتطلع الى الحقائق والحاضر البديهة الذى تسارع اليه الافكار۔ وقد كان رضى الله عنه ضابطا لنفسه مستوليا على مشاعره لاتعبث به الكلمات العارضة

ولا تبعده عن الحق العبارات النابية۔ (ابوحنیفہ ص ۵۲-۵۳)

امام ابوحنیفہ میں وہ تمام خصوصیتیں موجود تھیں، جو ایک بلند پایہ عالم دین میں ہونی چاہئیں، آپ ایک سمجھ رکھنے والے، حقائق کی غوطہ زنی کرنے والے، بڑے حاضر دماغ تھے۔ آپ ضبط نفس پر قادر تھے اور اپنے جذبات واحساسات پر انہیں کنٹرول تھا، نہ دلکش عبارت آپ پر اثر انداز ہوتی، نہ شیریں کلامی آپ کو جادہ مستقیم سے منحرف کرسکتی۔

حق گوئی

امام اعظم ابوحنیفہ کے کردار کا ایک اہم باب ان کی حق گوئی و بے باکی ہے، وہ حق وصداقت کی ڈگر پر ہمیشہ استقامت وعزیمت کے ساتھ چلتے رہے، اس سلسلے میں وقت کی بڑی سے بڑی طاغوتی قوتوں کے سامنے ان کی زبان حق بولنے سے کبھی خاموش نہ رہی، جب کہ یہ تلخ سچائیاں سلطان جابر کے خلاف ہوتیں اور ان کا بیان کرنا اپنی گردن تہہ تیغ لانے کے مترادف تھا۔ آپ نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر ”افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر“ پر نازک سے نازک حالات میں عمل کیا اور پوری جرأت کے ساتھ ”افضل الجهاد“ کا فریضہ انجام دیا۔

امام اعظم کا موقف یہ تھا، کہ خلافت اہل الرائے کے اجتماع سے منعقد ہوتی ہے، پہلے اقتدار پر قبضہ کرلینا پھر بہ زور وجبر خلافت کی بیعت لینا جائز نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے اس موقف کا اعلان ایسے موقع پر کیا، جب حق بولنا اپنا سر قلم کرادینے کے مترادف تھا، لیکن ایسے نازک موقع پر بھی امام کی زبان خاموش نہیں رہی اور بلا لیت ولعل حقیقت خلیفہ کے سامنے بیان کردی اور جان عزیز کی ذرہ برابر پروانہ کی۔

ابوجعفر منصور کے حاجب ربیع بن یونس کا بیان ہے کہ منصور نے امام مالک، ابن ابی ذئب اور امام ابوحنیفہ کو بلایا اور ان سے کہا:

كيف ترون هذا الامر الذى حولنى الله تعالىٰ فيه من امر

هذه الامة لعل انا لذلك اهل ؟

یہ حکومت جو اللہ تعالیٰ نے اس امت میں مجھے عطا کی ہے، اس کے متعلق آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ کیا میں اس کا اہل ہوں؟

امام مالک نے کہا:

لو لم تكن اهلا ما ولاك الله تعالى

اگر آپ اس کے اہل نہ ہوتے تو یہ امر خلافت اللہ آپ کے سپرد نہ کرتا۔ ابن ابی ذئب نے کہا:

دنیا کی بادشاہت اللہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، مگر آخرت کی بادشاہی اسی کو دیتا ہے، جو اس کا طالب ہو اور جسے اللہ اس کی توفیق دے۔ اللہ کی توفیق آپ سے قریب ہوگی، اگر آپ اس کی اطاعت کریں، ورنہ اس کی نافرمانی کی صورت میں وہ آپ سے دور رہے گی، حقیقت یہ ہے کہ خلافت اہل تقویٰ کے اجتماع سے قائم ہوتی ہے اور جو شخص خود اس پر قبضہ کر لے اس کے لیے کوئی تقویٰ نہیں ہے۔ آپ اور آپ کے مددگار توفیق سے خارج اور حق سے منحرف ہیں۔ اب اگر آپ اللہ سے سلامتی مانگیں اور پاکیزہ اعمال سے اس کا تقرب حاصل کریں، تو یہ چیز آپ کو نصیب ہوگی ورنہ آپ خود ہی اپنے مطلوب ہیں۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ جس وقت ابن ابی ذئب یہ باتیں کہہ رہے تھے، میں نے اور امام مالک نے اپنے کپڑے سمیٹ لیے کہ شاید ابھی ان کی گردن اڑا دی جائے گی اور ان کا خون ہمارے کپڑوں پر پڑے گا۔ اس کے بعد منصور امام ابوحنیفہ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا آپ کیا کہتے ہیں، انہوں نے جواب دیا:

المسترشد لدينه يكون بَعيدا الغضب ان انت نصحت نفسك علمت انك لم ترد اللّٰه باجتماعنا فانما اردت ان تعلم العامة انا نقول فيك ماتهواه مخافة عنك ولقد وليت الخلافة

وما اجتمع علیك اثنان من اهل الفتوىٰ والخلافة تكون اجتماع المومنين ومشورتهم وهذا ابوبكر الصديق رضي اللّٰه عنه امسك عن الحكم ستة اشهر حتي جاء ه بيعة اهل اليمن۔

اپنے دین کی خاطر راہ راست تلاش کرنے والا غصے سے دور رہتا ہے۔ اگر آپ اپنے ضمیر کو ٹٹولیں تو آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے ہم لوگوں کو اللہ کی خاطر نہیں بلایا ہے بلکہ آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے ڈر سے آپ کی منشا کے مطابق بات کہیں اور وہ عوام کے علم میں آ جائے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ آپ اس طرح خلیفہ بنے ہیں، کہ آپ کی خلافت پر اہل فتویٰ لوگوں میں سے دو آدمیوں کا اجماع بھی نہیں ہوا حالاں کہ خلافت مسلمانوں کے اجماع اور مشورے سے قائم ہوتی ہے دیکھیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چھ مہینے تک فیصلہ کرنے سے رکے رہے، جب تک کہ اہل یمن کی بیعت نہ آ گئی۔

یہ باتیں کہہ کے تینوں حضرات اٹھ گئے، ان کے جانے کے بعد منصور نے ربیع کو تین توڑے درہموں کے دے کر ان تینوں اصحاب کے پاس بھیجا اور اس کو ہدایت کی کہ اگر مالک لے لیں، تو ان کو دے دینا، لیکن اگر ابوحنیفہ اور ابن ابی ذئب لیں تو ان کا سر اتار لانا، امام مالک نے عطیہ لے لیا، جب ربیع ابن ذئب کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا:

ما ارضى بهذا المال له كيف ارضاه لنفسي۔

میں اس مال کو خود منصور کے لیے بھی حلال نہیں سمجھتا اپنے لیے کیسے حلال سمجھوں۔

ابوحنیفہ نے کہا:

واللّٰه لو ضرب عنقي على ان امس منه درهما ما فعلت۔

خواہ میری گردن ہی کیوں نہ ماردی جائے میں اس مال کو ہاتھ نہ لگاؤں گا منصور نے یہ روداد سن کر کہا:

بھذہ الصیانۃ احقنوا دمائھم۔

اس بے نیازی نے ان دونوں کا خون بچادیا۔ (کردری ج۲ص۱۵۔۱۶)

خالد ابن النصرانیہ کے ظالمانہ عہد کا ایک واقعہ جو امام صاحب کی غیرت دینی اور معروف ومنکر کے فرض کی ادائیگی کے سلسلے میں بیان کیا جاتا ہے، جس کے راوی ابوالملیح ہیں کہتے ہیں میں جمعہ کے دن نووارد کی حیثیت سے مسجد کوفہ میں داخل ہوا، دیکھا کہ والی کوفہ خالد ابن النصرانیہ منبر پر بیٹھا ہوا ہے اور تمام لوگ خاموش ہیں، اچانک ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا:

الصلوۃ الصلوۃ خرج الوقت ودخل وقت آخر۔

نماز جمعہ کا وقت ختم ہوگیا اور عصر کا وقت داخل ہوگیا۔ فوراً اس شخص کو گرفتار کرلیا گیا۔ ابوالملیح کہتے ہیں میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ کسی نے کہا یہ نعمان ابوحنیفہ ہیں۔

ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ ابوحنیفہ ہاتھ میں کنکریاں لیے ہوئے تھے اور انہیں منبر کی طرف پھینکتے ہوئے بلند آواز سے پکار رہے تھے "الصلوۃ" یعنی نماز نماز خالد نے نماز پڑھی پھر حکم دیا کہ اس شخص کو گرفتار کرلو لوگوں نے آپ کو پکڑ لیا اور خالد کے سامنے حاضر کیا، خالد نے پوچھا اس حرکت پر تجھے کس چیز نے آمادہ کیا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

ان الصلوۃ لاتنتظر احدا قال فی کتاب اللہ تعالیٰ وانت احق من اتبعہ اضاعوا الصلوۃ واتبعوا الشھوات۔

نماز کسی کا انتظار نہیں کرتی، اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے اور تم زیادہ مستحق ہو کہ قرآن کی پیروی کرو (اللہ کا فرمان ہے) انہوں نے اپنی نمازیں ضائع

کر دیں اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گئے، امام صاحب کے اس طرز عمل پر خالد کو یہ گمان گزرا کہ ایسا تو نہیں کہ یہ شخص امویوں کے خلاف اٹھنے والی تحریک کا نمائندہ ہے اس لیے سوال کیا سچ سچ بتاؤ کہ کیا نماز کے علاوہ کوئی دوسری چیز تمہارے پیش نظر نہ تھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ تھا، خالد نے یہ سن کر انہیں چھوڑ دیا۔ (موفق ج ۱ ص ۱۷۲)

ائمہ وعلمائے کبار کے اقوال

امام الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی بلند قامت علمی، دینی اور روحانی شخصیت اور کارناموں کے بارے میں دنیائے اسلام کی مقتدر ہستیوں نے ہر دور میں اپنے گراں قدر تاثرات پیش کیے ہیں، اور آپ کی عظیم المرتبت ذات وصفات کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ذیل میں ہم وقت کے جلیل القدر ائمہ فن اور متبحر علما کے اعترافات درج کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

☆ **عبداللہ بن داؤد:** ۔ لایتکلم فی ابی حنیفة الا احد رجلین اما حاسد لعلمه واما جاهل بالعلم لایعرف قدر حملته۔ (اخبار ابو حنیفه و اصحابه ص ٥٤)

ابو حنیفہ پر ردو قدح کرنے والا یا تو ان کے علم سے حسد کرنے والا ہے یا علم کے مرتبہ سے جاہل ہے، اور علم کے حاملوں کی قدر سے بے خبر ہے۔

☆ **سفیان:** ۔ ابو حنیفة فی العلم محسود۔ (ایضا)

علم میں ابو حنیفہ سے لوگ حسد کرتے ہیں۔

☆ **سفیان ثوری:** ۔ قال ثابت الزاهد کان الثوری اذا سئل عن مسألة دقیقة یقول ما کان احد یحسن ان یتکلم فی هذا الامر الا رجل قد حسدناه ثم یسأل اصحاب ابی حنیفة رضی الله عنه مایقول صاحبکم فیحفظ الجواب ثم یفتی به۔ (ایضا)

ثابت زاہد نے کہا، جب ثوری سے کوئی دقیق مسئلہ پوچھا جاتا تھا، تو کہتے تھے، ایسے مسائل میں صحیح طور پر بولنے والا صرف ایک شخص تھا، جس سے ہم نے حسد کیا اور پھر وہ ابوحنیفہ کے اصحاب سے پوچھتے تھے، کہ اس مسئلہ میں تمہارے استاذ کیا کہتے تھے اور آپ کے اصحاب کے جواب کو یاد رکھتے تھے اور اس پر فتویٰ دیتے تھے۔

☆مسعر:۔ما احد بالکوفة الارجلین اباحنیفة لفقهه والحسن بن صالح لزهده (ایضا)

مسعر کہتے ہیں، کوفہ میں دو آدمیوں سے مجھ کو رشک ہوتا ہے، فقہ کی وجہ سے ابوحنیفہ سے اور زہد کی وجہ سے حسن بن صالح سے۔

☆یحییٰ بن معین:۔ یحییٰ بن معین سے اگر ابوحنیفہ پر طعن کرنے والے کا ذکر کیا جاتا تھا، وہ یہ دو شعر پڑھتے تھے۔ (ایضاص ۵۵)

حسدوا الفتیٰ اذالم ینالوا سعیه   فالقوم اضداد له وخصوم
کضرائر الحسناء قلن لوجهها   حسد اوبغضا انه لدمیم

جب اس جوان کے مرتبہ کو نہ پا سکے، تو اس سے حسد کرنے لگے اور ساری قوم اس کی مخالف اور دشمن ہے۔ جس طرح حسینہ کے چہرے کو دیکھ کر اس کی سوکنیں حسد اور عداوت کی بنا پر کہتی ہیں کہ یہ بدصورت ہے۔

☆ابن مبارک:۔ الرجال فی الاسم سواء حتی یقع المحن فی الانام والبلویٰ ولقد ابتلی ابوحنیفة بالضرب علی راسه بالسیاط فی السجن حتی یدفع الیه من الحکم ما یری مما یتنافس علیه ویتصنع له فحمد الله فصبر علی الذل والضرب والسجن لطلب السلامة فی دینه۔ (ایضا)

نام میں سب لوگ برابر ہیں، البتہ جب کوئی آفت لوگوں میں پڑتی ہے اور کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے، (تو پتہ چلتا ہے) ابوحنیفہ پر آفت پڑی،

آپ کے سر پر قید خانہ میں کوڑے مارے گئے تا کہ آپ کو حکم کا وہ پروانہ دے دیا جائے جس کے لیے لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، تعریف اللہ کے لیے ہے، کہ آپ نے اس ذلت پر، مار پر، قید ہونے پر صبر کیا اور آپ اپنے دین کی سلامتی کے طالب رہے۔

☆ زائدہ:۔ رایت تحت راس سفیان کتابا ینظر فیه فاستاذنته فی النظر فیه فدفعه الی فاذا هو کتاب الرهن لابی حنیفة فقلت له تنظر فی کتبه فقال وددت انها کلها عندی مجتمعة انظر فیها مابقی فی شرح العلم غایة ولکنا م انصفه۔ (ایضا ۶۵)

میں نے سفیان کے سرہانے ایک کتاب رکھی دیکھی جس کو وہ دیکھا کرتے تھے، میں نے ان سے اس کتاب کے دیکھنے کی اجازت طلب کی، انہوں نے وہ کتاب مجھ کو دی، وہ کتاب ابوحنیفہ کی کتاب الرہن تھی، میں نے ان سے کہا کیا تم ان کی کتابیں دیکھتے ہو، انہوں نے کہا، میری خواہش ہے کہ ان کی سب کتابیں میرے پاس جمع ہوں، علم کے بیان کرنے میں ان سے کوئی بات رہی نہیں ہے، لیکن ہم ان کے ساتھ انصاف نہیں کرتے ہیں۔

☆ حماد بن زید:۔ اردت الحج فاتیت ایوب اودعه فقال بلغنی ان الرجل الصالح فقیه اهل الکوفة ابوحنیفة یحج فان لقیت فاقرأه منی السلام قال ابوسلیمان وسمعت حماد بن زید یقول انی لاحب اباحنیفة من اجل حبه لایوب۔

میں نے حج کا ارادہ کیا اور میں ایوب کے پاس آیا کہ ان سے رخصت چاہوں، انہوں نے مجھ سے فرمایا، کہ نیک مرد، اہل کوفہ کے فقیہ ابوحنیفہ حج کررہے ہیں، اگر ان سے تمہاری ملاقات ہوجائے میرا اسلام ان سے کہہ

دو، ابوسلیمان نے بیان کیا، کہ میں نے حماد بن زید کو کہتے سنا، میں ابوحنیفہ سے محبت رکھتا ہوں، کیوں کہ ان سے ایوب کو محبت ہے۔

☆ نصر بن علی:۔ ہم شعبہ کے پاس تھے، ان سے کہا گیا:

مات ابوحنیفة فقال بعدما استرجع لقد طفئ عن اهل الکوفة ضوء نور العلم اما انهم لایرون مثله ابدا۔(ایضاص ۷۲)

ابوحنیفہ کی وفات ہوگئی، انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر کہا، اہل کوفہ سے علم کے نور کی روشنی بجھ گئی، جان لو کہ اب اہل کوفہ ان کا مثل کبھی نہ دیکھیں گے۔

☆ ابن نمیر:۔ قال ابی کان الاعمش اذاسئل عن مسئلة قال علیکم بتلك الحلقة یعنی حلقة ابی حنیفة۔ (ایضاص ۷۰)

میرے والد نے کہا جب اعمش سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا، وہ کہتے تھے، تم اس حلقہ میں جاؤ یعنی ابوحنیفہ کے حلقہ میں۔

☆ ابن عیینہ:۔ اتیت سعید بن ابی عروبة فقال لی یا ابامحمد مارایت مثل هدایا تاتینا من بلدك من ابی حنیفة وددت ان الله اخرج العلم معه الی قلوب المومنین فلقد فتح الله لهذا الرجل فی الفقه شیئا کانه خلق له۔(ص ۷۵)

ابن عیینہ نے کہا میں سعید بن ابی عروبہ کے پاس گیا، انہوں نے مجھ سے کہا، اے ابومحمد میں نے ان ہدایا کا مثل نہیں دیکھا ہے جو تمہارے شہر سے ابوحنیفہ کے پاس سے ہمارے پاس آتے ہیں، میں سمجھتا ہوں، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم مخزون کو قلوب مومنین پر کھول دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آدمی (ابوحنیفہ) پر فقہ کے اسرار کھول دیے ہیں، گویا کہ ان کی تخلیق اسی کام کے لیے ہوئی تھی۔

☆ ابن مبارک:۔ذکر ابوحنیفة بین یدی داؤد الطائی فقال ذلك نجم یهتدی به الساری وعلم تقلبه قلوب المومنین فکل علم لیس من علمه فهو بلاء علی حامله معه واللہ علم بالحلال والحرام والنجاة من عذاب الجبار مع ورع مستکن وخدمة دائمة۔(ایضاص ۷۶)

ابن مبارک نے بیان کیا، کہ حضرت داؤد طائی کے پاس امام ابوحنیفہ کا ذکر آیا، آپ نے فرمایا، آپ وہ ستارہ ہیں، جس سے سفر کرنے والے ہدایت پاتے ہیں اور آپ وہ علم ہیں، جس کو مومنوں کے دل لیتے ہیں، ہر وہ علم جو ان کے علم میں سے نہیں ہے وہ اس علم والے کے لیے آفت ہے، اللہ کی قسم ہے ان کے پاس حلال وحرام کا، اور بڑے طاقت ور کے عذاب سے نجات پانے کا علم ہے اور اس علم کے ساتھ عاجزی، ورع اور پیوستہ خدمت بھی۔

☆ یحییٰ بن اکثم:۔کان ابویوسف اذاسئل عن مسئلة اجاب فیها وقال هذا قول ابی حنیفة ومن جعله بینه وبین ربه فقد استبرأ لدینه۔(ایضاص ۷۶)

جب ابو یوسف سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا، وہ اس کا جواب دیتے تھے اور کہتے تھے، یہ ابوحنیفہ کا قول ہے اور جو شخص ابوحنیفہ کو اپنے اور اللہ کے بیچ میں رکھے گا، اس نے دین کو بری کرلیا۔

حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی ۴۶۲ھ نے اپنی کتاب تاریخ بغداد جلد ۱۳ کے ص ۳۲۳ سے ۳۶۸ تک امام اعظم کے بارے میں علمائے حق کی جو آرا درج کی ہیں، ان میں سے بعض یہاں نقل کی جاتی ہیں:

☆ خلف بن ایوب:۔صار العلم من اللہ تعالی الی محمد صلی اللہ علیه وسلم ثم صار الی اصحابه ثم صار الی التابعین ثم

الی ابی حنیفة واصحابه فمن شاء فلیرض ومن شاء فلیسخط۔
(ص۳۳۶)

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو علم عنایت کیا اور آپ سے آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو پہنچا، پھر ان سے تابعین کو پہنچا اور ان سے ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کو پہنچا، اب چاہے کوئی خوش ہو یا ناخوش۔

☆ روح بن عبادہ:۔ کنت عند ابن جریج سنة خمسین واتاه موت ابی حنیفة فاسترجع وتوجع وقال ای علم ذهب قال ومات فیها ابن جریج۔(ص۳۳۸)

روح بن عبادہ نے کہا میں ۱۵۰ھ میں ابن جریج کے پاس تھا کہ ان کو ابوحنیفہ کی وفات کی خبر پہنچی، انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی اور غمگین ہوئے اور انہوں نے کہا کیسا علم ہاتھ سے گیا اور راوی نے بیان کیا کہ اسی سال ابن جریج کی وفات ہوئی ہے۔

☆ فضیل بن عیاض:۔ کان ابوحنیفة رجلا فقیها معروفا بالفقه مشهورا بالورع واسع المال معروفا بالافضال علی من یطیف به صبورا علی تعلیم العلم باللیل والنهار حسن اللیل کثیر الصمت قلیل الکلام حتی ترد مسئلة فی حلال وحرام فکان یحسن ان یدل علی الحق هاربا من مال السلطان۔(خطیب ج۱۳ص۳۴۵)

ابوحنیفہ ایک فقیہ شخص تھے اور فقہ سے معروف تھے، ان کی پرہیزگاری مشہور تھی، ان کے مال میں فراخی تھی، جو ان کے پاس آتے تھے ان کے ساتھ بھلائی کرتے تھے اور یہ بات معروف تھی، کہ علم کے سکھانے میں رات دن مصروف رہتے تھے، رات میں عبادت کرتے تھے، خاموش زیادہ رہتے تھے، بات کم کرتے تھے، ہاں جب مسئلہ حلال وحرام کا ہوتا، تو اچھی طرح

حق کو بیان کرتے، سلطان کے مال سے بھاگتے تھے۔

☆ **ابو یوسف:۔** ماخالفت اباحنیفة فی شئ قط فتدبرته الا رایت مذهب الذی ذهب الیه انجیٰ فی الآخرة وکنت ربما ملت الی الحدیث وکان هو ابصر بالحدیث الصحیح منی۔ (ایضاً)

میں نے جب بھی کسی مسئلہ میں ابوحنیفہ کی مخالفت کی اور پھر میں نے اس میں غور وخوض کیا، یہ ظاہر ہوا کہ ابوحنیفہ کا مذہب جس کی طرف وہ گئے ہیں آخرت میں زیادہ نجات دہندہ ہے بسا اوقات میں حدیث کی طرف مائل ہو جاتا تھا اور صحیح حدیث کی پرکھ میں وہ مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے تھے۔

☆ **عبداللہ بن مبارک:۔** ما رایت احدا اورع من ابی حنیفة وقد جرب بالسیاط والاموال۔ (ایضاً ص ۲۵۷)

میں نے ابوحنیفہ سے زیادہ پرہیزگار کسی کو نہیں دیکھا، ان کی آزمائش دولت اور کوڑوں سے ہوئی ہے۔

☆ **ابن خلدون:۔** اہل عراق کے امام اور مذہبی پیشوا ابوحنیفہ النعمان بن ثابت جن کا مقام فقہ میں اتنا اعلیٰ وارفع ہے کہ کوئی اس تک نہ پہنچ سکا، یہاں تک کہ ان کے ہم مشرب حضرات بھی خصوصا امام مالک وشافعی کھلے الفاظ میں کہہ گئے کہ فقہ میں امام ابوحنیفہ کا کوئی مثیل ونظیر نہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۲۱)

☆ **علامہ ابن عبدالبر قرطبی:۔** قد اثنیٰ علیه قوم کثیر لفهمه ویقظته وحسن قیاسته وورعه ومجانبة السلاطین۔

ابوحنیفہ کی سمجھ، آگاہی، آپ کے قیاس کی خوبی، آپ کے ورع اور امرا وسلاطین سے کنارہ کش رہنے کی وجہ سے بڑی جماعت نے آپ کی تعریف کی ہے۔ (سوانح بے بہا ص ۱۹۵)

☆ قاضی شریک:۔ کان ابو حنیفة رحمه الله طویل الصمت دائم الفکر قلیل المجادلة للناس (ایضاص ۱۹۷)

ابوحنیفہ پر اللہ رحم فرمائے کم گو، ہر وقت فکر میں ڈوبے رہتے تھے لوگوں سے نہ جھگڑتے۔

☆ ابن شبرمہ:۔ عجزت النساء ان تلد مثل النعمان۔(ایضاص ۱۹۸)

عورتیں عاجز ہو گئیں کہ نعمان ابوحنیفہ کا مثل جنیں۔

☆ سلیمان بن ابی شیخ:۔ کان ابو حنیفة حلیما ورعا سخیا۔

(ایضاص ۱۹۹)

ابوحنیفہ بردبار، پرہیزگار اور سخی تھے۔

اسماعیل بن عیاش کا بیان ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی شامی اور عمری سے سنا یہ دونوں صاحبان کہہ رہے تھے:

ابو حنیفة اعلم الناس بمعضلات المسائل۔(ایضاص ۲۲۶)

سخت اور مشکل مسائل میں ابوحنیفہ سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

امام اعظم کی تابعیت

امام اعظم ابوحنیفہ بلاریب تابعی تھے اور یہ عظیم شرف اور سعادت کبریٰ ان کے معاصر فقہاو محدثین امام اوزاعی (شام) امام حماد بن زید اور امام حماد بن سلمہ (بصرہ) امام سفیان ثوری (کوفہ) امام مالک بن انس (مدینہ) امام لیث بن سعد (مصر) مسلم بن خالد زنجی (مکہ) کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ یہ وہ فخر ہے جو ائمہ اربعہ میں صرف امام اعظم کی کلاہ افتخار میں چار چاند لگاتا ہے۔

تابعی

تابعی کی تعریف میں مختلف اقوال ہیں، علامہ جلال الدین سیوطی تدریب الراوی میں لکھتے ہیں:

اختلف فی حد التابعی قیل ای قال الخطیب هو من صحب صحابیا ولایکتفی فیه بمجرد اللقاء وقیل هو من لقیه وان لم یصحبه کماقیل فی الصحابی وعلیه الحاکم قال ابن الصلاح وهو اقرب وقال المصنف النووی وهو الاظهر قال العراقی وعلیه عمل الاکثرین واشترط ابن حبان ان یکون راه فی سن من یحفظ عنه فان کان صغیرا لم یحفظ عنه فلا عبرة لرویته قال العراقی وما اختاره ابن حبان له وجه کما اشترط فی الصحابی رویته وهو ممیز قال وقد اشار النبی صلی الله علیه وسلم الی الصحابة والتابعین بقوله طوبی لمن

رانی وآمن بی وطوبی لمن رای من رانی الحدیث فاکتفی فیھما بمجرد الرویة۔ (تدریب الراوی ص ٤١٧)

تابعی کی تعریف میں اختلاف ہے، خطیب کا قول یہ ہے کہ تابعی وہی ہے جو صحابی کی صحبت میں رہا ہو، صرف ملاقات کافی نہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ تابعی وہ ہے جس نے صحابی سے ملاقات کی ہو چاہے اس کی صحبت میں نہ رہا ہو، جیسا کہ صحابی کی تعریف میں صرف ملاقات کافی ہے، یعنی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی حالت میں دیکھا ہو، چاہے حقیقتاً یا حکماً (جیسے نابینا) اور ایمان ہی پر اس کا خاتمہ ہوا ہو یعنی جس طرح صحابی کے لیے صرف ملاقات ورویت کافی ہے صحبت میں رہنا کوئی ضروری نہیں، اسی طرح تابعی میں بھی صرف ملاقات کافی ہے، یہی حاکم کا مسلک ہے، ابن صلاح فرماتے ہیں، یہی اقرب ہے، علامہ نووی فرماتے ہیں، یہی زیادہ ظاہر ہے، علامہ عراقی فرماتے ہیں، اسی کے مطابق اکثر لوگوں کا عمل ہے، البتہ ابن حبان نے شرط لگائی ہے کہ سن تمیز میں دیکھا ہو اگر بہت چھوٹا ہو تو اس کی رویت معتبر نہیں، علامہ عراقی فرماتے ہیں، کہ ابن حبان کے قول مختار کی وجہ یہ ہے کہ صحابی میں بھی یہی شرط ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ اور تابعین کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ بشارت ہو اس کے لیے جس نے مجھے دیکھا اور اس کے لیے بھی جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف رویت پر اکتفا کیا۔

اکثر محققین کے نزدیک تابعیت کے لیے صحابی کی لقا ہی کافی ہے، جیسا کہ صحابیت کے لیے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لقا۔ امام بخاری صحابی کی تعریف میں فرماتے ہیں:

من صحب النبی اورآہ من المسلمین فھو من اصحابہ

(بخاری کتاب المناقب)

مسلمانوں میں سے جس نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی یا فقط آپ کو دیکھا، وہ آپ کا صحابی ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی تابعی کی تعریف کرتے ہیں:

وهو من لقي الصحابي كذلك وهذا من متعلق باللقاء

(نزہۃ النظر ص ۶۷)

تابعی وہ ہے جس نے صحابی سے ملاقات کی ہو اسی طرح (جیسا کہ صحابی کی تعریف میں مذکور ہوا) اور اس (تعریف) کا تعلق ملاقات کے ساتھ ہے۔

علامہ شیخ محمد بن علوی مالکی مکی لکھتے ہیں:

هو من لقي الصحابي مومنا ومات على الايمان وان لم يصحبه ولم يرو عنه كما رجحه ابن الصلاح وغيره.

(المنہل اللطیف ص ۲۴۹)

تابعی وہ ہے جس نے حالت ایمان میں صحابی سے ملاقات کی ہو اور ایمان پر ہی فوت ہوا ہو اگر چہ نہ تو ان کی صحبت اختیار کی ہو اور نہ ہی ان سے روایت کیا ہو جیسا کہ محدث ابن صلاح اور دیگر علما نے اس تعریف کو ترجیح دی ہے۔

قول مختار کی رو سے امام صاحب کی ولادت ۸۰ھ تسلیم کی جائے، تو آپ کے عہد میں مندرجہ ذیل صحابہ کرام مختلف دیار و امصار میں موجود تھے۔

(۱) حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ م ۱۰۷ھ یا ۱۱۰ھ۔

(التاریخ الصغیر ج ۱ ص ۲۵۰)

(۲) حضرت ہرماس بن زیاد رضی اللہ عنہ م ۱۰۱ھ کے بعد۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۷ ص ۲۳۰)

(۳) حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ م ثقہ قول کے مطابق ۹۹ھ۔ (مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ للکردری ج ۱ ص ۱۲)

(۴) حضرت عکراش بن ذویب رضی اللہ عنہ کی وفات پہلی صدی ہجری کے آخر میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۲۹)

(۵) حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ م ۹۹ھ۔ (مشاہیر علماء الامصار لابن حبان ج ۱ ص ۲۸)

(۶) حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی وفات عمر بن عبدالعزیز کے دور میں ہوئی، ان کا عہد خلافت ۹۹ھ سے ۱۰۱ھ تک رہا۔

(۷) حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ م ۸۸ھ یا ۹۶ھ (الاصابہ ج ۴ ص ۲۳)

(۸) حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ م ۹۶ھ۔ (الثقات لابن حبان ج ۵ ص ۴۳۴)

(۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ م ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۵ھ۔ (التاریخ الکبیر ج ۲ ص ۲۷)

(۱۰) حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ م ۹۲ھ۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۱۷۲)

(۱۱) حضرت سائب بن یزید بن سعید کندی رضی اللہ عنہ م ۹۱ھ۔
(مشاہیر علماء الامصار ج ۱ ص ۲۹)

(۱۲) حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ م ۸۸ھ یا ۹۱ھ۔
(التاریخ الکبیر ج ۴ ص ۹۷)

(۱۳) حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ م ۸۹ھ۔ (مشاہیر علماء الامصار ج ۱ ص ۳۶)

(۱۴) حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ م ۸۷ھ یا ۸۸ھ۔
(التاریخ الصغیر ج ۵ ص ۱۴۵)

(۱۵) حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ م ۸۷ھ۔
(تقریب التہذیب ج ۱ ص ۵۴۵)

(۱۶) حضرت عتبہ بن عبدالسلمی رضی اللہ عنہ م ۸۷ھ۔ (مشاہیر علماء الامصار ج ۱ ص ۵۲)

(۱۷) حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ م ۸۶ھ۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۶۳)

(۱۸) حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ م ۸۶ھ۔ (الاصابہ ج ۱ ص ۲۸۹)

(۱۹) حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ م ۸۵ھ۔ (التاریخ الصغیر ج ۱ ص ۱۸۱)

(۲۰) حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ م ۸۳ھ یا ۸۵ھ۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۸۹)

(۲۱) حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ م ۸۴ھ یا ۹۰ھ۔

(ایضاج ۵ ص ۱۴۹)

حضرت امام اعظم کا عہد جس میں خیر وصلاح کے چشمے پھوٹتے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور آپ کی سنت معلوم کرنے کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا، لوگ اس امر کے لیے صحابہ کرام کی جستجو کرتے اور جہاں یہ مقدس ہستیاں موجود ہوتیں، زیارت کرنے والوں کا ازدحام رہتا۔ زائرین کی صفوں میں بچے جوان بوڑھے سبھی شامل ہوا کرتے تھے۔ یہ کیسے ممکن ہے، کہ امام اعظم ابوحنیفہ کی ذات صحابہ کے شرف لقا سے محروم رہ جاتی، جب کہ خود کوفہ ہی میں عبداللہ بن ابی اوفی، عمرو بن ابی حریث اور مکہ میں ابوالطفیل عمرو عامر بن واثلہ، عبداللہ بن حارث بن جزء مدینہ میں سہل بن سعد اور بصرہ میں انس بن مالک موجود تھے۔

انس بن مالک بارہا کوفہ آئے اور امام اعظم نے صغرسنی ہی میں والد گرامی کے ساتھ حج وزیارت کی سعادت حاصل کی، حرمین شریفین میں رہنے والے صحابہ کی زیارت ضرور کی ہوگی اگرچہ متذکرہ بالا صحابہ کرام میں ہر ایک کے ساتھ ملاقات کی صراحت تذکروں میں نہیں ملتی، تاہم چند اصحاب رسول سے لقا کی وضاحت کتب تاریخ وسیر سے ہوتی ہے۔

انس بن مالک کی زیارت

امام اعظم خود فرماتے ہیں:

رایت انس بن مالک قائما یصلی۔ (مسند الامام ابی حنیفہ ص ۱۷۶)

میں نے حضرت انس بن مالک کو نماز پڑھتے ہوئے اس حال میں دیکھا کہ وہ حالت قیام میں تھے۔

ایک روایت میں امام صاحب نے فرمایا:

قدم انس بن مالك الكوفة ونزل النخع رايته مرارا.

(التدوین فی اخبار قزوین ج ۳ ص ۱۵۳)

حضرت انس کوفہ تشریف لائے اور مقام نخع پر اترے میں نے انہیں کئی بار دیکھا۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

رای انس بن مالك. (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۴)

حضرت انس بن مالک کو دیکھا ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

رای انس بن مالك غير مرة لما قدم الكوفة.

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۸)

حضرت انس بن مالک کو جب وہ کوفہ آئے کئی مرتبہ دیکھا۔

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

رای انسا. (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۰۱)

حضرت انس کو دیکھا۔

بہت سے علما نے تصریح کی ہے، کہ حضرت انس کو دیکھا، جمہور اہل رجال کا یہی مسلک ہے، بڑے بڑے علامہ اجل اور ثقات اکمل مثل دارقطنی، ابن سعد، خطیب، ذہبی، ابن حجر، ولی عراقی، سیوطی، علی قاری، اکرم سندھی، ابومعشر، حمزہ سہمی، یافعی، جزری، تورپشتی، ابن الجوزی، سراج، وغیرہ نے بھی اس کا اقرار کیا ہے۔ نواب حسن صدیق خاں مقتدائے اہل حدیث نے بھی اتحاف المکلل میں حضرت انس کی رویت کا اعتراف کیا ہے۔

عبداللہ بن حارث بن جزء کی زیارت اور ان سے روایت

ان اباحنيفة راى انس بن مالك وعبدالله بن الحارث بن

الجزء (جامع بیان العلم وفضلہ ج ۱ ص ۱۰۱)

یقیناً امام ابوحنیفہ نے حضرت انس بن مالک اور عبداللہ بن حارث بن جزء کو دیکھا ہے۔

بچپن میں امام صاحب نے مکہ مکرمہ میں ایام حج میں حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء کی زیارت کی اور ان سے ایک حدیث سن کر اس کی روایت کی۔ مسند ابی حنیفۃ کتاب العلم میں ہے:

قال ابوحنیفة رضی الله عنه ولدت سنة ثمانین وحججت مع ابی سنة ست و تسعین وانا ابن ست عشرة سنة فلما دخلت المسجد الحرام رایت حلقة فقلت لابی حلقة من هذه؟ فقال حلقة عبدالله بن الحارث بن جزء صاحب النبی صلی الله علیه وسلم فتقدمت فسمعته یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من تفقه فی دین الله کفاه الله مهمه ورزقه من حیث لایحتسب. (مسند ابی حنیفہ ص ۲۵، ۲۶)

امام ابوحنیفہ نے بیان کیا ہے، کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور ۹۶ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کیا، اس وقت میں سولہ سال کا تھا، جب مسجد حرام میں داخل ہوا، تو ایک حلقہ درس دیکھا، والد سے پوچھا کہ یہ کس کا حلقہ ہے؟ انہوں نے بتایا، کہ یہ صحابی رسول عبداللہ بن حارث بن جزء کا حلقہ ہے، یہ سن کر میں آگے بڑھا، تو ان کو کہتے ہوئے سنا، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ جو شخص اللہ کے دین میں تفقہ حاصل کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی مہمات کے لیے کافی ہوگا اور اس کو بے شان وگمان روزی دے گا۔

عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی زیارت

امام بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

عبداللہ بن ابی اوفیٰ واسمه علقمة بن خالد بن الحارث الاسلمی المدنی من اصحاب بیعة الرضوان روی له خمسة وتسعون حدیثا للبخاری خمسة عشر وھو آخر من لقی من اصحابه بالکوفة مات سنة سبع وثمانین وھواحد الصحابة السبعة الذین ادرکھم ابوحنیفة سنة سبع وثمانین وکان عمره سبع سنین سن التمییز والادراك من الاشیاء۔

(عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۰۶)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کے والد کا نام حضرت علقمہ بن خالد بن حارث اسلمی مدنی ہے، آپ اصحاب بیعت رضوان میں شامل ہیں، آپ سے ۹۵؍احادیث روایت کی گئی ہیں، امام بخاری نے پندرہ روایت کی ہیں، آپ وہ آخری صحابی ہیں، جنہوں نے کوفہ میں ۸۷ھ میں وصال فرمایا اور آپ کا شماران سات صحابہ کرام میں ہوتا ہے، جن کو امام اعظم نے ۸۷ھ میں پایا، امام ابوحنیفہ کی عمر اس وقت سات سال تھی، جو کہ اشیا کو سمجھنے اوران میں تمیز کرنے کا زمانہ ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کوفی کی وفات ۸۷ھ یا ۸۸ھ میں ہوئی اوران کی وفات کے وقت امام کی عمر علامہ کوثری کی تحقیق کی بنا پر سترہ یا اٹھارہ برس ہوتی ہے کیوں کہ ان کے نزدیک امام صاحب کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی، علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر کی تحقیق کی بنا پر سات یا آٹھ برس ہوگی۔ یہ بھی ان صحابہ میں سے ہیں، جن سے امام کی ملاقات اور روایت بھی ثابت ہے۔

حافظ خوارزمی نے جامع المسانید میں یہ روایت نقل کی ہے:

عن ابی التمام عن ابی حنیفة قال سمعت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من بنی

للہ بیتا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنة وقد ذکر سید الحفاظ
الدیلمی عنه قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم
یقول حبك الشئ یعمی ویصم والدال علی الخیر کفاعله
واللہ یحب اغاثة اللهفان۔

یہ صحابی کوفہ کے رہنے والے ہیں، امام بھی کوفہ ہی میں رہتے تھے، اس لیے ملاقات و روایت میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے، خاندانی حالات کے لحاظ سے بھی امام کے جد امجد زوطی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آتے رہتے تھے اور حضرت ثابت کا حاضر ہونا اور ان کے لیے ان کی اولاد کے لیے دعا کرنا بھی روایات میں موجود ہے، پھر امام اعظم ایک صحابی کی خدمت میں حاضری کو غنیمت نہ سمجھیں یہ ناممکن ہے، اس روایت کے ثبوت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور صغر سنی کا عذر درست نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ حسب تحقیق علامہ کوثری امام کی عمر سترہ یا اٹھارہ برس کی تھی، حافظ وغیرہ کی تحقیق کی بنا پر سات یا آٹھ سال کی بھی ہو تو یہ عمر بالاتفاق شعور وادراک کے لیے کافی ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ کی زیارت صحابہ اور آپ کے تابعی ہونے پر ائمہ حدیث کی ان تصریحات کے بعد آپ کے تابعی ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔ ایسا جلیل القدر رتبہ معاصرین اور بعد کے کسی امام کو نصیب نہیں ہوا۔ اس کے باوجود اگر کوئی آپ کی تابعیت کا انکار یا شک کرے، تو بقول امام بدرالدین عینی تعصب، عناد اور بغض وحسد کے علاوہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

صحابہ کرام سے روایت

امام اعظم کے تمام تذکرہ نگار محدثین ومورخین کی کتابوں کے گہرے مطالعے سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے، کہ امام اعظم نے نہ صرف صحابہ کی زیارت ولقا کا

شرف پایا، بلکہ آپ نے براہ راست صحابہ کرام سے سماع وروایت حدیث بھی کیا۔ اگرچہ صحابہ سے روایت حدیث کے بارے میں بعض لوگوں کا اختلاف ہے، چنانچہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

وقفت علی فتیا رفعت الی الحافظ العراقی صورتها هل روی ابوحنیفة عن احد من اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وهل یعد فی التابعین ام لا فاجاب بما نصه الامام ابوحنیفة لم تصح روایته عن احد من اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وقد رای انس بن مالك فمن یکتفی فی التابعی مجرد رویة الصحابة یجعله تابعیا ومن لایکتفی بذالك لایعده تابعیا ورفع هذا السوال الی الحافظ ابن حجر العسقلانی فاجاب بما نصه ادرك الامام ابوحنیفة جماعة من الصحابة لانه ولد بالکوفة سنة ثمانین من الهجرة وبها یومئذ من الصحابة عبداللّٰه بن ابی اوفیٰ فانه مات بعد ذالك بالاتفاق وبالبصرة یومئذ انس بن مالك ومات سنة تسعین اوبعد هاوقد اورد ابن سعد بسند لاباس به ان اباحنیفة رای انسا وکان غیر هذین من الصحابة احیاء فی البلاد (تبییض الصحیفہ ص ۲۳)

حافظ ولی عراقی کی خدمت میں ایک فتویٰ پیش کیا گیا کہ کیا امام ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے روایت کیا ہے اور کیا تابعین میں ان کا شمار ہے یا نہیں؟ تو جواب دیا کہ امام کی کوئی روایت کسی صحابی سے ثابت نہیں البتہ انس بن مالک کو دیکھا ہے، پس جو لوگ تابعیت کے لیے صرف رویت کو کافی سمجھتے ہیں وہ ان کو تابعی کہتے ہیں (جیسا کہ اکثر محدثین کی تحقیق ہے) جو صرف رویت کو کافی نہیں سمجھتے وہ ان کو تابعی نہیں کہتے۔ (یہ صرف بعض کا قول

ہے)اور یہی سوال حافظ ابن حجر عسقلانی کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ امام ابوحنیفہ نے صحابہ کی ایک جماعت کا زمانہ پایا اس لیے کہ ۸۰ھ میں ان کی ولادت کوفہ میں ہوئی اور کوفہ میں اس وقت عبداللہ بن ابی اوفی صحابی تھے اس لیے کہ باتفاق ان کا انتقال اس کے بعد ہوا اور اس وقت بصرہ میں حضرت انس تھے جن کا انتقال ۹۰ھ میں یا اس کے بعد ہوا اور ابن سعد نے قابل اعتماد سند سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا اور دوسرے شہروں میں اس وقت ان دو کے علاوہ بھی صحابہ موجود تھے۔

امام اعظم کا صحابہ کرام سے لقا جس طرح ثابت ہے، اسی طرح صحابہ سے آپ کا روایت کرنا بھی علمائے محققین کے نزدیک ثابت ہے ذیل میں چند علما و محققین کے اقوال درج کیے جاتے ہیں:

امام فضل بن دکین

امام اعظم کے شاگرد اور امام احمد بن حنبل کے شیخ امام ابونعیم فضل بن دکین امام صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں:

رای انس بن مالك سنة خمس وتسعين وسمع منه.

امام ابوحنیفہ نے حضرت انس بن مالک کو ۹۵ھ میں دیکھا اور ان سے سماع کیا۔

حضرت انس بن مالک کے سن وصال میں اختلاف ہے۔ ان کے سن وصال پر ایک قول ۹۵ھ کا بھی ہے لہٰذا عین ممکن ہے کہ امام اعظم نے ان سے اس سال بھی سماع کیا ہو۔

امام یحییٰ بن معین

امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد کے شیخ امام یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ) فرماتے

ہیں:

ابو حنیفة صاحب الرای قد سمع من عائشة بنت عجرد

(روایۃ الدوری تاریخ ابن معین ج ۳ ص ۴۸۰)

امام ابو حنیفہ صاحب رائے نے عائشہ بنت عجرد سے سنا ہے۔

بعض لوگوں نے عائشہ بنت عجرد کو تابعی بتایا ہے، لیکن یحییٰ بن معین نے ان کا حضور سے سماع صراحتاً بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

ان اباحنیفة صاحب الرای سمع عائشة بنت عجرد تقول سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

(الانتصار والترجیح للمذہب الصحیح ص ۲۶۳)

امام ابو حنیفہ صاحب الرائے نے حضرت عائشہ بنت عجرد کو سنا کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

امام ابو معشر عبدالکریم شافعی نے اپنے ایک جز میں امام اعظم کی صحابہ سے مرویات کو شمار کرایا ہے۔ اس میں ذکر کرتے ہیں:

قال ابو حنیفة لقیت من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سبعة انس بن مالك عبداللّٰہ بن انیس عبداللّٰہ بن جزء الزبیدی وجابر بن عبداللّٰہ ومعقل بن یسار وواثلة بن الاسقع وعائشة بنت عجرد ثم روی له عن انس ثلاث احادیث وعن ابن جزء حدیثا وعن واثلة حدیثین وعن جابر حدیثا وعن عبداللّٰہ بن انیس حدیثا وعن عائشة بنت عجرد حدیثا وروی له ایضا عن عبداللّٰہ بن ابی اوفیٰ حدیثا۔

(تبییض الصحیفۃ ص ۲۳)

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں، میں نے سات اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سے ملاقات کی ہے، جن میں حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن انیس، حضرت عبداللہ بن جزء زبیدی، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت معقل بن یسار، حضرت واثلہ بن اسقع اور حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنھم شامل ہیں۔ پھر آپ نے حضرت انس سے تین احادیث، حضرت ابن جزء سے ایک حدیث، حضرت واثلہ سے دو حدیثیں، حضرت جابر سے ایک حدیث، حضرت عبداللہ بن انیس سے ایک حدیث، حضرت عائشہ بنت عجرد سے ایک حدیث اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے ایک حدیث روایت کی۔

امام ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی (۶۶۵ھ) اپنی کتاب جامع المسانید کی نوع ثالث کا عنوان یوں تحریر کرتے ہیں:

من مناقبه وفضائله التي لم يشاركه فيها احد بعده انه روى عن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فان العلماء اتفقوا على ذلك وان اختلفوا في عددهم فمنهم من قال انهم ستة وامرأة ومنهم من قال خمسة وامرأة ومنهم من قال سبعة وامرأة۔ (خوارزمی جامع المسانید للامام ابی حنیفہ ج ا ص ۲۲)

امام اعظم کے ایسے مناقب اور فضائل کا بیان جو آپ کے بعد کسی کے حصے میں نہیں آئے، بے شک آپ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، علما اس بات پر متفق ہیں، مگر کتنے صحابہ سے روایت کی، ان کی تعداد میں اختلاف ہے، ان میں سے کسی نے کہا، چھ صحابہ اور ایک صحابیہ، کسی نے کہا پانچ صحابہ اور ایک صحابیہ اور کسی نے کہا، سات صحابہ اور ایک صحابیہ۔

امام عبدالقادر بن ابی الوفاء قرشی (۷۷۵ھ) نے امام اعظم سے روایت پر مشتمل

جزء تالیف کیا اور آپ کی صحابہ کرام سے روایت کو بیان کیا، اس سلسلے میں وہ امام اعظم کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

ادعی بعضهم انه سمع ثمانية من الصحابة وقد جمعهم غير واحد في جزء ورويناه هذا الجزء عن بعض شيوخنا وذكرت هذاالجزء من سمعه من الصحابة ومن رآه. والذى سمعه منهم رضى الله تعالىٰ عنهم اجمعين عبدالله بن انيس وعبدالله بن جزء الزبيدى وانس بن مالك وجابر بن عبدالله ومعقل بن يسار وواثلة بن الاسقع وعائشة بنت عجرد (الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ ص ۲۱)

ائمہ میں سے بعض نے دعویٰ کیا ہے، کہ امام ابوحنیفہ نے آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سماع کیا، کئی محدثین نے ان کو الگ الگ جزء میں جمع کیا ہے اور ہم نے بھی اس جزء کو اپنے بعض شیخوں سے روایت کیا ہے، میں نے اس جزء میں ان صحابہ کا ذکر کیا ہے، جن سے آپ نے سماع کیا اور جن کی زیارت کی آپ نے صحابہ کرام میں سے ان حضرات سے سماع کیا، حضرت عبداللہ بن انیس، حضرت عبداللہ بن جزء زبیدی، حضرت انس بن مالک، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت معقل بن یسار، حضرت واثلہ بن اسقع اور حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ان روایات وتحقیقات کی روشنی میں امام اعظم ابوحنیفہ کی تابعیت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

علم وفضل

امام اعظم نے اپنے عہد کے مقتدر علما ومشائخ سے قرآن، حدیث، فقہ، کلام اور دیگر علوم وفنون حاصل کیے۔ اپنی ذہانت وطباعی اور خداداد علمی استعداد سے سب میں عبور حاصل کیا۔ وہ اپنے انہماک علم کے بارے میں کہتے ہیں:

میں نے جب تحصیل علم کا ارادہ کیا، تو تمام علوم کے حصول کو اپنا نصب العین قرار دیا، ہرفن کو پڑھا۔ (تاریخ علم فقہ ص ۱۴)

امام اعظم نے جس ذوق وشوق کے ساتھ علوم اسلامی کی تحصیل کی، وہ اپنے وقت کے بے نظیر فقیہ، مجتہد، امام حدیث اور عبقری عالم بن گئے۔ قدرت نے ان کی ذات میں بے شمار صوری ومعنوی خوبیاں جمع کر دی تھیں اور وہ بلاریب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مصداق کامل بن گئے تھے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے، کہ ہم حضور کی بارگاہ میں حاضر تھے، اسی مجلس میں سورہ جمعہ نازل ہوئی، جب آپ نے اس سورہ کی آیت "وآخرین منهم لما يلحقوا بهم" کی تلاوت فرمائی تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا، حضور! یہ دوسرے کون ہیں، جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے؟ حضور نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا، جب بار بار سوال کیا گیا، تو حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر دست اقدس رکھ کر فرمایا:

لو كان الايمان عند الثريا لناله رجال من هؤلاء۔

(بخاری ج ۲ ص ۷۲۷)

اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو اس کی قوم کے لوگ اس کو ضرور تلاش کریں گے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو متعدد ماخذوں کے حوالہ سے اپنی تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفۃ میں تحریر فرمایا:

قد بشر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بالامام ابی حنیفة فی الحدیث الذی اخرجه ابونعیم فی الحلیة عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لوکان العلم بالثریا لناله رجال من ابناء فارس واخرج الشیرازی فی الالقاب عن قیس بن سعد بن عبادة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لوکان العلم معلقا بالثریا لتناوله قوم من ابناء فارس واخرج البخاری ومسلم فی صحیحیهما حدیث ابی هریرة بلفظ لوکان الایمان عند الثریالناله رجال من فارس ولفظ مسلم لوکان الدین عندالثریالذهب به رجل من ابناء فارس حتی یتناوله وفی معجم الطبرانی عن ابن مسعود قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لوکان الدین معلقا بالثریا لتناوله ناس من ابناء فارس فهذا اصل صحیح یعتمد علیه فی البشارة والفضیلة فی الاشارة الی ابی حنیفة.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام اعظم ابوحنیفہ کے حق میں ایک حدیث میں بشارت سنائی، جس کی تخریج ابونعیم نے حلیہ میں کی ہے، حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر علم ثریا پر ہو، تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص اسے پالے گا شیرازی نے القاب میں

تخریج کی، قیس بن سعد سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علم اگر ثریا پر بھی ہو تو ابنائے فارس میں سے ایک قوم اسے پالے گی، بخاری اور مسلم نے صحیحین میں ابوہریرہ کی اس حدیث کی تخریج ان الفاظ میں کی ہے، اگر ایمان ثریا کے پاس ہو تو اسے رجال فارس پالیں گے۔ مسلم کے الفاظ ہیں، اگر دین ثریا کے پاس ہو، تو ابنائے فارس میں سے کوئی شخص وہاں تک پہنچ کر اسے حاصل کرے گا۔ معجم طبرانی میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر دین ثریا پر ہو تو ابنائے فارس کے کچھ لوگ اسے پالیں گے۔ پس یہ اصل صحیح ہے، جو امام اعظم ابو حنیفہ کی بشارت و فضیلت میں قابل اعتماد اشارہ ہے۔

امام سیوطی کے شاگرد محمد بن یوسف دمشقی تحریر کرتے ہیں:

ماجزم به شیخنا من ان اباحنیفة هوالمراد من هذا الحدیث ظاهر لاشك فیه لانه لم یبلغ احد ای فی زمنه من ابناء فارس فی العلم مبلغه احد۔ (حاشیہ تبییض الصحیفہ ص ۲۱)

ہمارے شیخ امام سیوطی نے جو فیصلہ کیا ہے کہ اس حدیث سے مراد ابو حنیفہ ہیں، وہ بالکل ظاہر ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، اس لیے کہ اہل فارس میں کوئی شخص علم میں ابو حنیفہ تک نہیں پہنچا۔

علمائے اسلام کی تصریحات اور امام اعظم کے علمی کمالات، تفقہ فی الدین سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے، کہ اس حدیث نبوی کا مصداق صرف اور صرف آپ کی ذات والا صفات ہے، کیوں کہ ائمہ اربعہ میں فقط امام اعظم ہی فارسی النسل ہیں۔ امام اعظم سے پہلے یا آپ کے بعد ایرانیوں میں اس رتبہ کا کوئی فقیہ و مجتہد پیدا نہیں ہوا۔

یہ حدیث بھی امام اعظم کی عظمت شان پر روشن دلیل ہے۔ علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

انہ قال ترفع زینة الدنیا سنة خمسین ومأة.(الخیرات الحسان ص ۳۰)
دنیا کی زینت ۱۵۰ھ میں اٹھالی جائے گی۔
آگے رقم طراز ہیں:

ومن ثم قال شمس الائمة الکردری ان ھذا الحدیث محمول علی ابی حنیفة لانہ مات تلک السنة.

اسی وجہ سے شمس الائمہ کردری نے کہا ہے، یہ حدیث امام اعظم ابوحنیفہ پر صادق آتی ہے، کیوں کہ اسی سن میں ان کا وصال ہوا۔

امام اعظم کی علمی جلالت وفقہی کمال، اجتہادی قوت اور عظیم عبقریت کا اعتراف ملت کے علما وفقہا محدثین ومجتہدین عہد امام سے لے کر آج تک کرتے چلے آرہے ہیں۔ذیل میں کچھ اہم شخصیتوں کے اقوال درج کیے جاتے ہیں۔

☆ **عبداللہ بن مبارک:**۔ افقہ الناس ابوحنیفة مارایت فی الفقہ مثلہ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۱)

لوگوں میں ابوحنیفہ سب سے بڑے فقیہ تھے، میں نے فقہ میں کسی کو ان کی مانند نہیں دیکھا۔

لورایت اباحنیفة لرایتہ رجلا کبیرا.

(فتح الرحمان فی اثبات مذہب النعمان ص ۱۰)

اگر تم ابوحنیفہ کو دیکھتے تو یقیناً انہیں بڑا آدمی پاتے۔

☆ **ابونعیم:**۔ کان ابوحنیفة صاحب غوص فی المسائل.

(تہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۲)

ابوحنیفہ مسائل کی گہرائیوں میں اترنے والے تھے۔

☆ **یزید:**۔ مارایت احدا اورع ولا اعقل من ابی حنیفة.(ایضا)
میں نے ابوحنیفہ سے زیادہ پرہیزگار اور ان سے زیادہ عقل مند کسی کو نہیں دیکھا۔

☆ابوداؤد:۔ان اباحنیفة کان اماما.(ایضا)

بے شک ابوحنیفہ امام تھے۔

☆ یحییٰ بن معین:۔القرأة عندی قرأة حمزة والفقه فقه ابی حنیفة.(ایضا)

میرے نزدیک قرأت حمزہ کی ہے اور فقہ ابوحنیفہ کی۔

☆اسرائیل:۔احکام سے متعلق کسی کو ان سے زیادہ احادیث یاد نہ تھیں، ان سے زیادہ کوئی حدیث کی فقہ جاننے والا نہ تھا۔(تذکرۃ المحدثین ص۶۰)

☆امام وکیع:۔میں کسی عالم سے نہیں ملا، جو امام ابوحنیفہ سے زیادہ فقیہ ہو اور ان سے زیادہ نماز پڑھتا ہو۔(ایضا)

☆سفیان ثوری:۔سفیان ثوری نے ایک شخص سے فرمایا (جو امام صاحب کی مجلس سے واپس آیا تھا) تم روئے زمین پر سب سے بڑے فقیہ کے پاس سے واپس آ رہے ہو۔

(محدثین عظام ص۵۲)

☆ امام احمد بن حنبل:۔انه من العلم والورع والزهد بمحل لایوجد له فی زمانه مثال. (فتح الرحمان فی تائید مذہب النعمان)

وہ علم، تقویٰ اور زہد کے ایسے مقام پر فائز ہیں، جس کی نظیر ان کے زمانے میں نہیں ملتی۔

☆امام اوزاعی:۔مجھے امام ابوحنیفہ پر ان کی کثرت علم اور وفور عقل کی وجہ سے رشک آیا۔(ایضا)

☆علی بن عاصم:۔لووزن علم ابی حنیفة بعلم اهل زمانه لرجح علیهم.(تاریخ ذهبی ص ۳۱۲)

اگر ابوحنیفہ کے علم کو ان کے زمانہ والوں کے علم کے ساتھ وزن کیا جائے، تو آپ کے علم کا پلہ بھاری ہوگا۔

عبداللہ بن مبارک درج ذیل اشعار میں امام صاحب کے مناقب بیان کرتے ہیں۔

رایت اباحنیفة کل یوم　　یزید نبالة ویزید خیرا

وینطق بالصواب ویصطفیه　　اذا ما قال اهل الجور جورا

یقایس من یقایسه بلب　　ومن ذاتجعلون له نظیرا

کفانا فقد حماد وکانت　　مصیبتنا به امرا کبیرا

فرد شماتة الاعداء عنا　　وابدی بعده علما کثیرا

رایت اباحنیفة حین یوتی　　ویطلب علمه بحراغزیرا

اذا ما المشکلات تدافعتها　　رجال العلم کان بها بصیرا

میں نے ابوحنیفہ کو دیکھا کہ ان میں ہر دن شرافت اور خیر کا اضافہ ہوتا ہے۔

اور وہ صحیح بات کہتے ہیں اور اسی کو اختیار کرتے ہیں جب کہ اہل جور ٹیڑھی بات کرتے ہیں۔

وہ اس شخص سے قیاس کی بحث کرتے ہیں جو آپ سے عقل کی بات کرے وہ کون ہے جس کو تم ان کی نظیر بناتے ہو۔

انہوں نے ہمارے لیے حضرت حماد کے فقدان کا مداوا کیا حالاں کہ حماد کی جدائی ہمارے لیے ایک بڑی مصیبت تھی۔

انہوں نے ہم پر دشمنوں کے ہونے والے شر کا دفاع کیا اور اس کے بعد اپنی ذات سے علم کثیر کا فیض عام کیا۔

میں نے ان کو گہرا سمندر دیکھا جب کہ کوئی ان کے پاس آتا تھا اور علم کا طلب گار ہوتا تھا۔

جب کہ علما مسائل کو ایک دوسرے پر ٹالتے تھے آپ ان سے واقف تھے۔ (تبییض الصحیفہ ص ۵۶)

☆ عبداللہ بن مبارک:۔لولا ان اللہ تعالیٰ اغاثنی بابی حنیفة

وسفیان کنت کسائر الناس۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۵۰)

اگر اللہ تعالیٰ امام اعظم اور سفیان ثوری کے ذریعہ میری دستگیری نہ فرماتا تو میں عام آدمیوں میں سے ہوتا۔

☆ **حضرت امام شافعی:۔** الناس عیال فی الفقه علی ابی حنیفة من لم ینظر فی کتبه لم یتبحر فی العلم ولایتفقه۔

(تبییض الصحیفہ ص ۱۸)

سب لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں، جس نے امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا اسے علم میں تبحر حاصل نہیں ہوا اور نہ وہ فقیہ ہوا۔

☆ **خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی:۔** ھذا عالم الدینا الیوم۔

(تبییض الصحیفہ ص ۲۵)

یہ دنیائے اسلام کے آج سب سے بڑے عالم ہیں۔

☆ **ابن عیینہ:۔** ما رات عینی مثله۔ (الخیرات الحسان ص ۲۹)

آپ جیسا میری آنکھ نے نہ دیکھا۔

☆ **مکی بن ابراہیم:۔** کان ابو حنیفة اعلم اھل زمانه۔

(الخیرات الحسان ص ۳۱)

امام ابوحنیفہ اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم تھے۔

☆ **حافظ محمد بن میمون:۔** لم یکن فی زمن ابی حنیفة اعلم واورع ولاازھد ولااعرف ولاافقه۔ (الخیرات الحسان ص ۳۲)

امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں آپ سے بڑھ کر نہ کوئی عالم تھا نہ کوئی پرہیزگار نہ زاہد نہ عارف نہ فقیہ۔

امام اعظم کی عبقری شخصیت اور مقبولیت نے ان کے بعض معاصرین اور کچھ ناعاقبت اندیشوں کو آپ کا مخالف بنا دیا تھا اور وہ اس آفتاب علم وحکمت پر کیچڑ اچھالنے

کی مذموم کوشش کرتے اور آپ کو طرح طرح سے متہم کرتے، مخالفین کا یہ طرز عمل آپ کی عظمت شان کو چھپانے کی ناکام کوشش تھی، چنانچہ آپ کے حاسدوں کا نام تو مٹ گیا، مگر امام صاحب کی علمی جلالت اور فقہی عظمت کا آفتاب پوری دنیا کو منور کر رہا ہے۔

امام اعظم اور علم کلام ومناظرہ

اسلام جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر جب دنیا کے مختلف خطوں میں پہنچا اور مختلف ادیان وملل کے ماننے والے مسلمان ہوئے۔ ان کی طبیعتوں میں عربوں جیسی سادگی نہ تھی، بلکہ ان کے مزاج میں نکتہ آفرینی اور بال کی کھال نکالنے کا وصف موجود تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے سابق مذہب کی روایات اور عقائد کے عناصر نے ان کو اسلامی عقائد ومسائل میں اپنی ذہنی اُپج سے کام لینے اور نکتہ آفرینی کا خیال پیدا ہوا۔ مزید براں وہ اسلام دشمن عناصر جو اس کی عسکری قوت سے دب گئے تھے، اور بظاہر اسلام بھی قبول کر لیا تھا، لیکن دشمنی کی چنگاری ان کے دل کے نہاں خانوں میں چھپی ہوئی تھی، انہوں نے اپنے باطل افکار وآرا کو اسلامی فکر واعتقاد میں شامل کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح مسلمانوں میں متعدد مذہبی فرقے وجود میں آئے اور اسلامی معتقدات پر بحث ومناظرہ کا بازار گرم ہوا۔ امام صاحب کی زندگی میں چند مخصوص فرقے وجود میں آچکے تھے۔ شیعہ، خوارج، مرجئہ، معتزلہ، قدریہ، جبریہ، یہ سارے فرقے اسلام کے بعض بنیادی عقائد سے انحراف رکھتے تھے اور وہ شد ومد کے ساتھ اپنے اقوال وآرا پھیلانے کی جدوجہد کر رہے تھے، لیکن ان باطل فرقوں کی تردید کے لیے جس اعلیٰ ترین ذہانت، دقیقہ رسی، قرآن وحدیث کے صحیح رموز واسرار سے واقفیت اور مذہبی معلومات درکار تھیں، یہ اوصاف امام اعظم سے بڑھ کر کسی دوسری علمی شخصیت میں یک جا نظر نہیں آتے۔ رگوں میں ایرانی خون اور طبیعت میں زور اور حدت تھی۔ چنانچہ جوانی کے ایام میں بحث ومناظرہ کے میدان میں اترے۔ خداداد ذہانت وطباعی اور بصیرت علم سے اسلامی عقائد وافکار کی صحیح ترجمانی کی۔ خوارج، روافض، معتزلہ، مرجئہ، قدریہ، جبریہ، زنادقہ اور ملاحدہ

سے مناظرے کیے اور انہیں شکست فاش دی۔ اس دور کے اہم کلامی مباحث جو باطل فرقوں نے پیدا کیے مثلاً ایمان کی حقیقت، مرتکب کبیرہ کا حکم، مسئلہ تقدیر، مسئلہ جبر واختیار، امام اعظم نے ان مسائل کے سلسلے میں صحیح اسلامی نقطہ نظر کو اپنی کتاب ''الفقہ الاکبر'' میں بھی بیان فرمایا، اس طرح وہ علم کلام کے مدون اول ہوئے۔ ان کلامی بحثوں کی گرم بازاری یوں تو ایران وعراق کے مختلف شہروں میں تھی، لیکن ان کا خاص مرکز بصرہ تھا، جہاں بھانت بھانت کے مذہبی افکار وآرا کے مبلغین موجود تھے۔ چنانچہ امام اعظم نے ان باطل فرقوں کے نمائندوں سے بار بار بصرہ جاکر مناظرے کیے اور جب تک وہ علم فقہ کی طرف مائل نہ ہوئے ان کی ساری توجہ کلامی مباحث اور جدل ومناظرہ کی طرف منعطف رہی۔ وہ خود بیان کرتے ہیں:

کنت اعطیت جدلا فی الکلام واصحاب الاھواء فی البصرة کثیرة فدخلتھا نیفا وعشرین مرة وربما اقمت بھا سنة او اکثر او اقل ظنا ان علم الکلام اجل العلوم۔ (کردری ج۱ص۱۲۱)

مجھے کلامی مباحث میں جدل ومناظرہ کا شوق تھا، چوں کہ بصرہ میں باطل فرقے بکثرت موجود تھے، تو میں ان سے مناظرہ کرنے کے لیے بیس مرتبہ سے زیادہ بصرہ گیا اور کبھی کبھی میں سال سال بھر یا اس سے کم وبیش وہاں ٹھہرا رہتا اس لیے کہ میرا گمان یہ تھا، کہ یہ عظیم ترین علم ہے۔

ذیل میں امام صاحب کے بعض اہم مناظروں کی اجمالی روداد پیش کی جاتی ہے، جس سے آپ کی حاضر جوابی، قوت استدلال، دقت نظر، وسعت فکر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

☆ امام اعظم مسجد کوفہ میں تشریف فرما تھے، کہ مشہور رافضی مناظر شیطان الطاق آپ کے پاس حاضر ہوا اور کہا، یہ بتایئے، کہ لوگوں میں سب سے بڑا طاقت ور اور اشد الناس کون ہے؟ امام صاحب نے فرمایا، کہ ہمارے نزدیک اشد الناس حضرت علی

ہیں اور تمہارے نزدیک اشد الناس حضرت ابوبکر ہیں۔ شیطان الطاق سٹ پٹایا اور کہا، تم نے بات الٹ کر کہی ہے، اصل میں ہمارے نزدیک اشد الناس کا مصداق حضرت علی اور تمہارے نزدیک ابوبکر صدیق ہیں۔ ابوحنیفہ نے فرمایا، ہرگز ایسا نہیں، ہم جو حضرت علی کو اشد الناس قرار دیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے، کہ جب انہیں معلوم ہوگیا، کہ خلافت کا استحقاق ابوبکر ہی کو حاصل ہے، تو انہوں نے اسے تسلیم کرلیا اور تمام عمر ابوبکر کی اطاعت کی اور تم لوگ کہتے ہو، کہ خلافت حضرت علی کا حق تھا، ابوبکر نے جبراً ان سے یہ حق چھین لیا تھا، مگر حضرت علی کے پاس اتنی قوت اور طاقت نہیں تھی، کہ وہ اپنا حق ابوبکر سے واپس لے لیتے، معلوم ہوتا ہے، کہ تمہارے نزدیک ابوبکر حضرت علی سے زیادہ طاقت ور اور قوت والے تھے۔ شیطان الطاق رافضی ابوحنیفہ کا جواب سن کر لال پیلا ہو کر بھاگ گیا۔

(کردری ج ۱ ص ۱۶۲)

☆ علامہ مکی المناقب میں لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ جہم بن صفوان گفتگو کے لیے امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا، عند الملاقات بولا میں چند مسائل میں آپ سے تبادلہ افکار کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا، تمہارے ساتھ گفتگو کرنا باعث عار ہے اور جن مسائل میں تم مشغول ہو ان میں حصہ لینا سبب دخول نار۔

جہم:۔ آپ نے مجھ سے ملاقات اور کلام کیے بغیر یہ فیصلہ کیسے صادر کردیا؟

امام صاحب:۔ تمہارے جو اقوال مجھے پہنچے وہ مسلمانوں کے نہیں ہوسکتے۔

جہم:۔ آپ بغیر دیکھے سنے یہ فیصلہ صادر کر رہے ہیں۔

امام صاحب:۔ یہ باتیں تمہارے متعلق مشہور ہیں اور ہر کس و ناکس جانتا ہے، لہٰذا مجھے تمہارے خلاف یہ بات کچھ وثوق سے کہنی پڑی۔

جہم:۔ میں آپ سے صرف ایمان کی حقیقت دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

امام صاحب:۔ کیا تم ابھی تک حقیقت حال سے آشنا نہیں ہو کہ سوال کی ضرورت

پڑی۔

جہم:۔ کیوں نہیں البتہ ایمان کی ایک نوع میں مجھے شبہ ہو گیا وہ دور کرنا چاہتا ہوں۔

امام صاحب:۔ ایمان میں شک کرنا کفر ہے۔

جہم:۔ آپ کے لیے بالکل جائز نہیں کہ میرے کفر کی وجہ نہ بتائیں۔

امام صاحب:۔ پھر بولو کیا پوچھتے ہو۔

جہم:۔ اچھا بتایئے ایک شخص دل سے خدا کی معرفت حاصل کرتا ہے، وہ اس کو واحد یگانہ اور بلا مثیل و نظیر سمجھتا ہے، اس کی صفات سے بھی آشنا ہے "لیس کمثلہ شئ" بھی مانتا ہے، مگر ان باتوں کا زبان سے اقرار کیے بغیر فوت ہو جاتا ہے، کیا یہ شخص کفر پر مرا یا اسلام پر؟

امام صاحب:۔ یہ شخص کافر ہے اور لہٰذا دوزخی، جب تک کہ قلبی معرفت کے ساتھ لسانی اقرار جمع نہ ہو۔

جہم:۔ وہ مومن کیسے نہیں جب کہ وہ خدا کی مع صفات معرفت حاصل کر چکا؟

امام صاحب:۔ اگر تم قرآن پر ایمان رکھتے ہو اور اسے حجت شرعیہ سمجھتے ہو، تو میں قرآنی دلائل پیش کروں اور اگر ایسا نہیں تو میرا انداز گفتگو تم سے وہی ہو گا جو مخالفین اسلام سے ہوتا ہے۔

جہم:۔ میں قرآن پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کو حجت سمجھتا ہوں۔

امام صاحب:۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کا تعلق قرآن میں دو اعضا سے وابستہ کیا ہے، ایک دل اور دوسری زبان چنانچہ ارشاد ہے:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۔ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ۔ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (المائدۃ:۵/۸۵،۸۴،۸۳)

جب وہ آیات قرآنی سنتے ہیں، تو معرفت حق کی وجہ سے ان کے آنسو بہنے لگتے ہیں اور وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے، ہمیں حق کی شہادت دینے والوں میں لکھ دے اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ ہم خدا اور اس کے نازل کردہ حق و صدق کو نہ مانیں، ہم امیدوار ہیں کہ ہمارا خدا ہمیں نیکو کاروں میں داخل فرمائے گا۔ اس قول کی وجہ سے خدا نے بدلہ میں انہیں جنت عطا کی، جس میں نہریں جاری ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور نیکو کاروں کا بدلہ یہی ہے۔

فرمایا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے معرفت اور اقرار کی وجہ سے جنتی فرمایا ہے اور ماننے کے باعث مومن قرار دیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا۔ (البقرۃ:۲/۱۳۷،۱۳۶)

کہہ دیجیے کہ ہم خدا تعالیٰ اور اس کی نازل کردہ آیات پر ایمان لائے اور جو ابرہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام اور آپ کے اسباط و احفاد پر اتارا گیا، جو موسیٰ و عیسیٰ اور دیگر انبیا کو خدا کی طرف سے عطا کیا گیا، ہم ان میں باہم فرق نہیں کرتے اور اسی کے تابع ہیں، اگر وہ تمہاری طرح ایمان لے آئیں، تو وہ ہدایت یافتہ ہو گئے۔

ایک مقام پر ارشاد باری ہے:

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى (الفتح: ۴۸/۲۶)

لازم کردیا ان پر کلمہ تقوی۔

نیز ارشاد ربانی ہے:

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ (الحج ۲۲/۲۴)

انہیں پاکیزہ باتوں کی ہدایت کی گئی۔

نیز فرمایا:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (الفاطر: ۳۵/۱۰)

پاکیزہ کلمات اسی کی جانب چڑھتے ہیں۔

نیز فرمایا:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (ابراہیم ۱۴/۲۷)

اللہ تعالیٰ مومنوں کو دنیوی زندگی اور آخرت میں قول ثابت کی وجہ سے ثابت قدم رکھتا ہے۔

اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی ملاحظہ ہوں

قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا۔:

لا الہ اللہ کہہ دو فلاح پاؤ گے۔

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے، کہ فلاح و بہبود کا انحصار صرف معرفت پر نہیں بلکہ قول بھی اس میں شامل ہے۔

نیز فرمایا:

یخرج من النار من قال لا الہ الا اللہ وکان فی قلبہ کذا۔

جو شخص زبان سے لا الہ الا اللہ کہہ دے اور وہ دل سے اس پر ایمان رکھتا ہو تو وہ دوزخ سے نکل جائے گا۔

اگر قلبی معرفت کافی ہوتی اور اقرار باللسان کی مطلقاً حاجت نہ ہوتی، تو زبان سے اللہ تعالیٰ کی تردید اور انکار کرنے والے دل سے خدا کی معرفت حاصل کر کے مومن بن جاتے۔ اندریں صورت ابلیس کا مومن ہونا بھی کسی شبہ سے بالا ہوتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق، مارنے والا، زندہ کرنے والا اور اس کو جادہ مستقیم سے بھٹکانے والا ہے، جیسا کہ ابلیس نے کہا:

رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ۔ (الحجر:۱۵/۳۹)

اے رب تو نے مجھے گمراہ کیا۔

اور کہا:

اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔ (الحجر۱۵/۳۶)

روز قیامت تک کے لیے مہلت عطا کر۔

نیز کہا:

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ۔ (ص ۳۸/۷۶)

تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔

اگر صرف خدا کی معرفت موجب ایمان ہوتی تو کافر حصول معرفت کے بعد زبان سے منکر ہونے کے علی الرغم مومن ہوتے حالاں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ۔ (النمل ۲۷/۱۴)

یقین کرنے کے باوجود انہوں نے انکار کر دیا۔

اس آیت میں وحدانیت کا یقین رکھنے کے باوجود مومن نہیں کہا، کیوں کہ وہ زبان سے منکر تھے۔

نیز فرمایا:

یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔

(النحل:۱۶/۸۳)

خدا کی نعمت کو پہچان کر انکار کر دیتے ہیں اور ان میں سے اکثر تو بالکل نہیں مانتے۔

نیز فرمایا:

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ. فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ. (یونس:۱۰/۳۱،۳۲)

ان سے پوچھیے تو، کہ تمہیں زمین و آسمان سے رزق کون بہم پہنچاتا ہے یا کان اور آنکھ کس کے قبضہ قدرت میں ہیں؟ اور زندے کو مردے اور مردے کو زندے سے کون نکالتا ہے، جملہ امور کس کے زیر تصرف ہیں تو جواب میں کہیں گے یہ سب تصرف خدا کے قبضہ میں ہیں، پھر ان سے پوچھیے کہ تم اس سے ڈرتے کیوں نہیں؟ بس یہی تمہارا خدا ہے جو پروردگار حقیقی ہے۔

مندرجہ بالا آیت پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے، کہ انکار کی موجودگی میں ان کی معرفت قطعی طور سے بے کار تھی، نیز فرمایا:

يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ. (البقرہ:۲/۱۴۶)

وہ آپ کو ایسے پہچانتے ہیں، جیسے اپنے بیٹے کو۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ منکرین کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لینا کافی نہ تھا، جب کہ وہ آپ کی نبوت و رسالت کو مانتے نہ تھے اور انہوں نے اس واضح حقیقت پر پردہ ڈال رکھا تھا۔

جب امام ابوحنیفہ یہ دلائل بیان کر چکے، تو جہم نے کہا، آپ نے میرے دل کی دنیا ہی بدل دی، میں پھر لوٹ کر حاضر خدمت ہوں گا۔

(موفق ج ا ص ۱۴۵ تا ۱۴۸، کردری ج ا ص ۱۸۶)

☆ فرقہ قدریہ کے ایک وفد نے امام اعظم ابوحنیفہ سے دریافت کیا، کہ جب اللہ تعالیٰ بندہ کے کفر کا ارادہ کرے تو اس کے حق میں اچھا ہے یا برا؟ آپ نے فرمایا، برے سلوک کی نسبت اس شخص کی طرف کی جاتی ہے، جو مامور بہ کی خلاف ورزی کرتا ہو اور خدائے تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ (الانتقاء ص ۱۶۵)

امام ابوحنیفہ نے مناظرہ میں کامیابی کے اصول بتاتے ہوئے ایک مرتبہ یہ بھی ارشاد فرمایا: جب کسی سے مناظرہ کا اتفاق ہو تو الٹا اسی سے پوچھنا شروع کردو تم ہی غالب آجاؤ گے، پھر خود اپنی زندگی میں امام ابوحنیفہ نے اس اصول پر عمل کیا، ذیل میں بطور مثال مناقب کردری سے خوارج سے مناظرہ کا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔

☆ ایک مرتبہ خوارج کے ستر افراد پر مشتمل ایک گروہ اچانک امام ابوحنیفہ کے سر پر آچڑھا اور تلوار یں نکال کر کہا، چوں کہ تم مرتکب کبیرہ کو کافر نہیں کہتے، اس لیے تمہیں قتل کردیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا، جذبات میں آنے کے بجائے ٹھنڈے دل سے بات کیجیے، پہلے بات پوچھ لیں اگر واقعتا میری ہی غلطی ہے تب قتل کا اقدام کریں، بہتر ہے کہ اولا اپنی تلواریں نیام میں ڈالیں اور سنجیدگی سے اپنے سوالات بیان کرلیں بعد میں جو جی میں آئے کریں۔

خوارج نے کہا، ہم اپنی تلواروں کو آپ کے خون سے رنگین کریں گے، ہمارے عقیدے کے مطابق ایسا کرنا، ستر سال جہاد فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، اچھا بات کرو، کیا کہنا چاہتے ہو۔ تب خارجیوں نے کہا، کہ باہر دو جنازے پڑے ہیں، ایک جنازہ مرد کا ہے اور ایک عورت کا۔ مرد نے شراب پی اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوگئی، جب کہ عورت حاملہ تھی اور اس نے خودکشی کرلی اور مرگئی، ان کے بارے میں تمہارا کیا قول ہے؟

امام اعظم نہ تو گھبرائے نہ ذہن غائب ہوا، بڑی حاضر دماغی، حوصلے اور سنجیدگی سے ان سے ہی دریافت فرمایا اور کہا یہ بتاؤ، کہ یہ دونوں یہودی تھے یا نصرانی تھے یا مجوسی تھے

؟ خارجیوں نے کہا، نہ یہودی تھے، نہ نصرانی اور نہ مجوسی۔ امام ابوحنیفہ نے دریافت کیا اچھا تو ان کا تعلق کس ملت سے تھا؟ خارجیوں نے کہا، کہ ان کا تعلق اس ملت سے تھا، جو کلمہ شہادت پڑھتے اور اقرار کرتے ہیں، کہ

اشهد ان لااله الاالله واشهد ان محمدا رسول الله.

تو امام ابوحنیفہ نے پھر دریافت کیا اچھا یہ بتاؤ کہ یہ کلمہ ایمان کا کونسا جزء ہے؟ نصف ہے یا چوتھائی یا تہائی؟ خارجیوں نے کہا، یہ تو کل ایمان ہے اس لیے کہ ایمان کے اجزا نہیں ہوتے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جب ایمان کے اجزا نہیں ہوتے اور وہ دونوں اس کلمہ کے قائل اور اس پر یقین کرنے والے تھے، تو اب تم ہی بتاؤ کہ یہ دونوں جنازے کن کے ہوئے مسلمانوں کے یا کافر کے؟ خارجی پریشان ہوئے، حواس باختگی ان پر طاری ہوئی اور کہنے لگے اچھا ان کو رہنے دیجیے!

ایک دوسرے سوال کا جواب عنایت فرمایئے! وہ یہ کہ یہ دونوں جہنمی ہیں یا جنتی؟ ابوحنیفہ نے فرمایا: اس سوال کے جواب میں میرے سامنے انبیا کا اسوہ حسنہ موجود ہے، جو اللہ کی سچی کتاب قرآن میں منقول ہے، میں وہی کہوں گا، جو حضرت ابراہیم نے ان دونوں سے بڑے مجرموں کے بارے میں اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا تھا:

فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ وَمَنْ عَصَانِىْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

(ابراہیم:۱۴/۳۶)

جس نے میری اتباع کی، وہ میرا ہے اور جس نے نافرمانی کی، پس اے خدا تو غفور رحیم ہے اور وہ کہوں گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (المائدۃ:۵/۱۱۸)

اے اللہ! اگر تو ان کو عذاب دے، تو وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر بخش دے، تو تو غالب حکمت والا ہے۔

اور وہ کہوں گا، جو حضرت نوح علیہ السلام نے کہا تھا:

وَمَا عِلْمِیْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. اِنْ حِسَابُھُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ.

(الشعراء:۲۶/۱۱۳)

جو کچھ انہوں نے کیا، وہ مجھ پر نہیں، ان کا حساب تو اللہ پر ہے وہ جو چاہے کرے۔

خارجیوں نے امام ابوحنیفہ کی یہ مدلل گفتگو سن کر ندامت محسوس کی، نیام سے نکلی اور سونتی ہوئی تلواریں واپس نیاموں میں داخل کر لیں۔ توبہ کی اور عقیدہ اہل سنت و جماعت کو اختیار کیا۔ امام ابوحنیفہ کے حسن سلیقہ، تدبیر و فراست کی وجہ سے ان کی عظمت کے قائل ہوئے اور ان کے غلام بن گئے۔ (کردری ج ا ص ۱۲۴)

فقہ اکبر اور مسلک اہل سنت کی وضاحت

امام ابوحنیفہ کے عہد تک جو سیاسی اور کلامی فرقے وجود میں آچکے تھے اور ان کے باطل معتقدات امت اسلام میں افتراق وشقاق پیدا کر رہے تھے، سادہ لوح مسلمان ان مدعیان فرق وملل کے اوہام باطلہ سے متاثر ہوکر صراط مستقیم سے انحراف کی راہ اختیار کر رہے تھے، ایسے نازک حالات میں امام اعظم نے سب سے پہلے رسالہ "الفقہ الاکبر" لکھ کر اہل سنت وجماعت کے صحیح معتقدات کو بیان فرمایا، تاکہ مسلمان سنت متواترہ کے ذریعہ جو صحیح عقائد وافکار اسلامی چلے آرہے ہیں، ان پر بلا ریب وشک ایمان واعتقاد درست کریں۔ ذیل میں چند اعتقادی مسئلے فقہ اکبر سے درج کیے جاتے ہیں، جو اس وقت زیر بحث تھے۔

مسئلہ خلافت

مسئلہ خلافت میں شیعہ وخوارج اہل سنت وجماعت سے مختلف تھے، خوارج حضرت علی کو دین سے خارج مانتے تھے، شیعہ حضرات شیخین اور عثمان غنی کی خلافت کے منکر بلکہ معاذ اللہ ان کو غاصب خیال کرتے تھے، امام اعظم نے خلفاے راشدین کی حیثیت اور ان کی ترتیب بیان کر کے اہل سنت کے عقیدہ خلافت کی وضاحت فرمائی:

> افضل الناس بعد النبیین ابوبکر الصدیق ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان ثم علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیھم اجمعین۔ (الفقہ الاکبر ص ۴)

انبیا کے بعد سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں، پھر عمر بن خطاب پھر عثمان

بن عفان پھر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔
عقیدہ طحاویہ میں اس کی مزید تشریح اس طرح کی گئی ہے:
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام امت پر افضل قرار دیتے ہوئے سب سے پہلے خلافت ان کے لیے ثابت کرتے ہیں، پھر عمر بن خطاب کے لیے پھر عثمان کے لیے پھر علی بن ابی طالب کے لیے اور یہ خلفاے راشدین اور ائمہ مہدین ہیں۔ (شرح الطحاویہ ص ۴۰۲)

صحابہ کرام

روافض حضرات صحابہ کرام کے بارے میں سب وشتم کو روا رکھتے تھے اور بعض غالی شیعہ یہاں تک کہتے تھے، کہ چند صحابہ کے علاوہ سارے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد معاذ اللہ دین سے منحرف ہوگئے تھے، امام اعظم نے ان کی تردید فرمائی اور یہ اعلان کیا، کہ تمام صحابہ حق پر تھے اور وہ قابل احترام ہیں کیوں کہ وہ دین حق کے مبلغ اور ملت بیضا کے امین تھے۔
چنانچہ لکھتے ہیں:

ولا نذکر احدا من الصحابة الا بخیر (شرح فقہ اکبر ص ۳۰۵)
ہم صحابہ کا ذکر بھلائی کے سوا اور کسی طرح نہیں کرتے۔
عقیدہ طحاویہ میں اس کی مزید تفصیل یہ ہے:
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کو محبوب رکھتے ہیں، ان میں سے کسی کی محبت میں حد سے نہیں گزرتے اور نہ کسی سے تبری کرتے ہیں، ان سے بغض رکھنے والے اور برائی کے ساتھ ان کا ذکر کرنے والے کو ہم ناپسند کرتے ہیں اور ان کا ذکر بھلائی کے سوا کسی اور طرح نہیں کرتے۔ (شرح الطحاویہ ص ۳۹۸)

ایمان

ایمان کی تشریح وتعبیر کے بارے میں کلامی موشگافیاں عام ہو رہی تھیں، امام نے

ایمان کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

الایمان هو الاقرار والتصدیق۔(فقہ اکبر ص ۶)

ایمان اقرار وتصدیق کو کہتے ہیں۔

الوصیۃ میں اس کی تشریح یوں ہے:

ایمان زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کا نام ہے، پھر کہتے ہیں، نہ اقرار اکیلا ایمان ہے اور نہ محض معرفت ہی کو ایمان کہا جا سکتا ہے، آگے چل کر اس کی مزید تشریح کرتے ہیں، عمل ایمان سے الگ ایک چیز ہے اور ایمان عمل سے الگ، اس کی دلیل یہ ہے، کہ بسا اوقات مومن سے عمل مرتفع ہو جاتا ہے، مگر ایمان اس سے مرتفع نہیں ہوتا، مثلاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ فقیر پر زکوۃ واجب نہیں، مگر یہ نہیں کہا جا سکتا، کہ اس پر ایمان واجب نہیں۔(الجوہرۃ المنیفۃ ص ۳)

اس طرح انہوں نے خوارج کے اس خیال کی تردید کر دی، کہ عمل ایمان کی حقیقت میں شامل ہے اور گناہ لازماً عدم ایمان ہے۔

گناہ کبیرہ

خوارج کا عقیدہ تھا، کہ مرتکب کبیرہ مومن نہیں رہتا ہے اور اس عقیدے کی وجہ سے وہ عام مسلمانوں کو مباح الدم قرار دیتے تھے۔ امام صاحب نے اس سلسلے میں صراط مستقیم کی وضاحت فرمائی:

ولا نکفر مسلما بذنب من الذنوب وان کانت کبیرۃ اذا لم یستحلها ولانزیله عنه اسم الایمان ونسمیه مومنا حقیقة ویجوز ان مومنا فاسقا غیر کافر۔(فقہ اکبر ص ۵)

ہم کسی مسلمان کو کسی گناہ کی بنا پر خواہ وہ کیسا ہی بڑا گناہ ہو، کافر نہیں قرار دیتے، جب تک کہ وہ اس کے حلال ہونے کا قائل نہ ہو، ہم اس سے ایمان کا نام سلب نہیں کرتے بلکہ اسے حقیقتاً مومن قرار دیتے ہیں، ہمارے

نزدیک ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک مومن شخص فاسق ہو اور کافر نہ ہو۔

الوصیۃ میں امام اس مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں:

امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہ گار سب مومن ہیں کافر نہیں ہیں۔ (ص ۲۹)

عقیدہ طحاویہ میں اس کی مزید تشریح یہ ہے:

بندہ خارج از ایمان نہیں ہوتا مگر صرف اس چیز کے انکار سے جس کے اقرار نے اسے داخل ایمان کیا تھا۔ (ص ۳)

اس عقیدے اور اس کے اجتماعی نتائج پر پوری روشنی اس مناظرے سے پڑتی ہے، جو گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

گناہ گار مومن کا انجام

گناہ کبیرہ سے مومن کافر نہیں ہوتا، لیکن گناہ مومن کی عاقبت کے لیے مضرت رساں ہے اور گناہوں کی پاداش میں مبتلائے عذاب ہونے کا مستحق ہے اگر اللہ مغفرت نہ فرمائے، امام صاحب نے اہل سنت و جماعت کے نقطہ نظر کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی:

ولانقول ان المومن لاتضرہ الذنوب ولا یدخل النار ولا انہ یخلد فیہ وان کان فاسقا بعد ان یخرج من الدنیا مومنا۔

(فقہ اکبر ص ۶)

ہم یہ نہیں کہتے، کہ مومن کے لیے گناہ نقصان دہ نہیں ہے اور ہم نہ یہ کہتے ہیں کہ مومن دوزخ میں نہیں جائے گا اور نہ یہی کہتے ہیں کہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، اگر وہ فاسق ہو۔

ولانقول ان حسناتنا مقبولۃ وسیئاتنا مغفورۃ کقول المرجئۃ۔

(ایضا)

ہم مرجئہ کی طرح یہ نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں ضرور مقبول اور ہماری

برائیاں ضرور معاف ہو جائیں گی۔

عقیدہ طحاویہ اس پر اتنا اضافہ اور کرتا ہے:

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کے نہ جنتی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں نہ دوزخی ہونے کا اور نہ ہم ان پر کفر و شرک یا منافقت کا حکم لگاتے ہیں، جب تک کہ ان سے ایسی کسی بات کا عملاً ظہور نہ ہو اور ان کی نیتوں کا معاملہ ہم خدا پر چھوڑتے ہیں۔ (ص ۴۴)

اس طرح امام نے شیعہ و خوارج اور معتزلہ و مرجئہ کی انتہائی آرا کے درمیان ایک ایسا متوازن عقیدہ پیش کیا، جو مسلم معاشرے کو انتشار اور باہمی تصادم و منافرت سے بھی بچاتا ہے اور اس کے افراد کو اخلاقی بے قیدی اور گناہوں پر جسارت سے بھی روکتا ہے، جس فتنے کے زمانے میں امام نے عقیدہ اہل سنت کی یہ وضاحت پیش کی تھی، اس کی تاریخ کو نگاہ میں رکھا جائے، تو اندازہ ہوتا ہے، کہ یہ ان کا بڑا کارنامہ تھا، جس سے انہوں نے امت کو راہ اعتدال پر قائم رکھنے کی سعی بلیغ فرمائی تھی۔ اس عقیدے کے معنی یہ تھے، کہ امت اس ابتدائی اسلامی معاشرے پر پورا اعتماد رکھتی ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا، اس معاشرے کے لوگوں نے جو فیصلے بالاتفاق یا اکثریت کے ساتھ کیے تھے، امت ان کو تسلیم کرتی ہے، جن اصحاب کو انہوں نے یکے بعد دیگرے خلیفہ منتخب کیا تھا، ان کی خلافت کے بھی اور ان کے زمانے کے فیصلوں کو بھی وہ آئینی حیثیت سے درست مانتی ہے اور شریعت کے اس پورے علم کو بھی قبول کرتی ہے، جو اس معاشرے کے افراد یعنی صحابہ کرام کے ذریعہ سے بعد کی نسلوں کو ملا ہے۔

الزام ارجاء

امام اعظم کی بلند رتبہ علمی و دینی شخصیت پر ان کے بعض معاندین نے جہاں قلت حدیث، قلت عربیت، قلت حفظ جیسے نازیبا الزامات عائد کیے ہیں، وہیں بعض نافہم منکرین امام نے آپ کو فرقہ مرجئہ کا مقلد قرار دیا ہے اور آپ کی نسبت عقیدہ ارجاء کا الزام لگا کر خود اپنی ذات کو ہدف طعن بنالیا ہے۔ ابو مسہر کا قول ہے:

كان ابو حنيفة رأس المرجئة (تاريخ بغداد ص ٣٧٤)

ابوحنیفہ مرجیہ کے سردار تھے۔

امام پر یہ الزام حسد اور ناواقفیت کی بنیاد پر لگایا گیا حتیٰ کہ امام بخاری بھی عدم آگاہی کی بنا پر اس گروہ میں شامل ہو گئے اور انہوں نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں لکھ دیا:

كان مرجئا (ج۲ص ۸۱)

ابوحنیفہ مرجی تھے۔ فرقہ مرجیہ کا عقیدہ یہ تھا، کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ ضرررساں نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا، ایمان کے ساتھ کوئی معصیت نقصان نہیں پہنچاتی، جس طرح کفر کے ساتھ کوئی طاعت مفید نہیں یعنی مومن گناہوں کی وجہ سے عذاب کا مستحق قرار نہیں پائے گا۔ (کتاب الملل والنحل ج ا ص ۲۵۸)

علامہ کوثری نے اپنی کتاب ''تانیب الخطیب'' میں خطیب بغدادی کی تاریخ میں مذکور اقوال و آرا کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور امام صاحب پر الزام ارجاء کو دلائل کی روشنی میں بے اصل قرار دیا ہے۔

امام اعظم مرجیہ کے اس باطل عقیدے سے منزہ تھے، چنانچہ ابن اثیر نے آپ کی براءت ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے:

والظاهر انه كان منزها عنها۔ (اوضحۃ الجید)

ظاہر یہی ہے کہ امام صاحب اس الزام سے بری ہیں۔

خود امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس غلط عقیدے سے براءت ظاہر کرتے ہوئے اپنی کتاب ''فقہ اکبر'' میں لکھا ہے:

ولا نقول ان حسناتنا مقبولة وسيئاتنا مغفورة كقول المرجئة

(فقہ اکبر ص ۵)

ہم نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں مقبول اور ہمارے گناہ مغفور ہیں جیسا کہ مرجیہ

کہتے ہیں۔

مرجئہ نے گناہوں کو موجب عذاب قرار نہیں دیا اور خوارج نے گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر گردانا اور معتزلہ مرتکب کبیرہ کو نہ مومن کہتے ہیں نہ کافر، امام اعظم نے اس سلسلے میں اہل سنت کے عقیدہ کی ترجمانی کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

ولانقول ان المومن لاتضره الذنوب ولایدخل النار ولا انه یخلد فیه وان کان فاسقا بعد ان یخرج من الدنیا مومنا۔(ایضا)

ہم یہ نہیں کہتے، کہ گناہ مومن کے لیے ضرر رساں نہیں اور نہ یہ کہتے ہیں کہ مومن دوزخ میں نہیں جائے گا اور نہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ابدی جہنمی ہے۔ (اگرچہ وہ فاسق ہو بشرطیکہ وہ ایمان کے ساتھ دنیا سے گیا ہو)۔

اصول عقائد میں مناظرہ پسندی آغاز حیات میں آپ کا محبوب موضوع تھا، جس میں خاصی مہارت حاصل کر لی تھی جو اصول دین کے سمجھنے میں آپ کا طریق کار بن گیا تھا، بلکہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ تحصیل فقہ میں مصروف ہونے کے بعد اگر ان اصول میں مناظرہ کی ضرورت لاحق ہوتی، تو آپ خوش اسلوبی سے یہ کام سرانجام دیتے۔

امام اعظم اور علم حدیث

تاریخ علم کا یہ بہت بڑا المیہ ہے، کہ امام اعظم کی تحقیر شان کے لیے قلیل البضاعت فی الحدیث کا بے بنیاد الزام آپ کے نام کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا، آپ کی محدثانہ حیثیت پر کلام کرتے ہوئے مخالفین نے طرح طرح کی باتیں کہی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے، کہ امام اعظم حدیث میں قلیل البضاعت تھے۔ ان کی کل مرویات سترہ ہیں۔ وہ حدیث پر قیاس ورائے کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کے فقہی مسلک کی اساس سنت پر قائم نہیں۔

خطیب بغدادی نے امام صاحب کا تذکرہ اپنی تاریخ کے اندر سو صفحات میں کیا ہے، ابتدائی صفحات میں مناقب وفضائل تحریر کیے ہیں، پھر ۵۴ صفحات پر تصویر کا دوسرا رخ پیش کیا ہے۔ جن میں نکتہ چینیاں اور معائب ذکر کیے ہیں۔ ذرا سی عقل رکھنے والا انسان بھی تھوڑی دیر کے لیے یہ باور نہیں کر سکتا، کہ کوئی انسان ایسے دو متضاد صفات کا حامل ہو سکتا ہے؟ وہ کہنے پر مجبور ہوگا، کہ یا تو اس کے مناقب کی داستان فرضی ہے یا پھر عیوب کی طویل فہرست محض افترا و بہتان کا مجموعہ ہے۔

ابن خلکان نے اس تضاد کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

وقد ذکر الخطیب فی تاریخه منها شیئا کثیرا ثم اعقب ذلك بذکره ما کان الالیق فی ترکه والاضراب عنه فمثل هذا الامام لایشك فی دینه ولافی ورعه وحفظه ولم یکن یعاب بشئ سوی قلة العربیة (وفیات الاعیان ج۲ ص ۲۰۵)

خطیب نے اپنی تاریخ میں آپ کے مناقب کا بہت سا حصہ ذکر کیا ہے، اس کے بعد ایسی ناگفتنی باتیں لکھی ہیں، جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اعراض کرنا مناسب تھا، کیوں کہ امام اعظم جیسے شخص کے متعلق نہ دیانت میں شبہہ کیا جاسکتا ہے، نہ حفظ وورع میں۔ آپ پر کوئی نکتہ چینی بجز قلت عربیت کے اور نہیں کی گئی۔

بعض ائمہ حدیث نے بھی حضرت امام اعظمؒ پر حدیث میں ضعف کا طعن کیا ہے، خطیب نے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ ابو حنیفہ حدیث میں قوی نہیں ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۲)

مورخین کے اقوال و آرا میں حق وصداقت کا عنصر کس قدر ہے؟ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہم ذیل میں اکابر علمائے ملت کے اقوال و آرا پیش کرتے ہیں۔

مصری فاضل محمد ابوزہو لکھتے ہیں:

زعمهم انه كان قليل البضاعة فى الحديث زعم باطل بعد ان اجمعت الامة على انه من ائمة الهدى المجتهدين الذين لهم خبرة واسعة بالكتاب والسنة ومعانيها وقد جمع محمد بن محمد الخوارزمى المتوفىٰ سنة ٦٦٥ مسندا لابى حنيفة اخذه من خمسة عشر مسندا۔ (الحديث والمحدثون ص ٢٨٤)

لوگوں کا خیال ہے کہ امام اعظم حدیث میں قلیل البضاعت تھے، ان کا یہ زعم باطل ہے، اس لیے کہ امت نے اس بات پر اجماع کیا ہے، کہ وہ ائمہ ہدی اور مجتہدین میں سے ہیں، جو کتاب وسنت اور ان کے معانی کے سلسلے میں وسیع معلومات رکھتے ہیں۔ محمد بن محمد خوارزمی متوفی ۶۶۵ھ نے مسند ابی حنیفہ ترتیب دیا جسے انہوں نے پندرہ مسانید سے اخذ کیا۔

علامہ ابن خلدون رقم طراز ہیں:

امام ابوحنیفہ کے بارے میں کہا جاتا ہے، کہ ان سے صرف سترہ احادیث مروی ہیں یا اس کے قریب قریب یہ بعض حاسدوں کی خام خیالی ہے، کہ جس امام سے روایت کم مروی ہوں، وہ حدیث میں قلیل البضاعت ہوتا ہے، حالاں کہ ایسا لغو تخیل کیا ائمہ کے بارے میں سخت گستاخی و بے عقلی نہیں ہے؟۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۷)

ابن حجر مکی شافعی الخیرات الحسان میں تحریر فرماتے ہیں:

مر انه اخذ عن اربعة آلاف شيخ من ائمة التابعين وغيرهم ومن ثم ذكره الذهبي في طبقات الحفاظ من المحدثين ومن زعم قلة اعتناء ه بالحديث فهو لحسده اذ كيف يتاتي لمن هو كذلك استنباط مثل ما استنبطه من المسائل التي لا تحصي كثرته مع انه اول من استنبط من الادلة على الوجه المخصوص المعروف في اصحابه ولاجل اشتغاله بهذا الاهم لم يظهر حديثه في الخارج۔

یہ بات بیان ہو چکی ہے، کہ امام ابوحنیفہ نے چار ہزار مشائخ ائمہ تابعین سے حدیث اخذ کی ہے، اسی وجہ سے ذہبی وغیرہ نے حفاظ محدثین کے طبقہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور جو شخص کہتا ہے ان کو حدیث میں کم دخل تھا، تو اس کا یہ قول حسد پر مبنی ہے، اس لیے کہ جس کو چند حدیثیں معلوم ہوں گی ان سے بے شمار مسائل کا استنباط و احکام شرعیہ کا استخراج کیوں کر ہو سکتا ہے؟

حالاں کہ امام اعظم سب سے پہلے امام ہیں، جنہوں نے اُدلہ شرعیہ سے مخصوص اصول و ضوابط کے تحت استنباط و اجتہاد کا کام کیا اور ظاہر ہے کہ یہ کام بغیر فن حدیث کی مہارت کے ہو نہیں سکتا اور اسی اہم مشغولیت کی وجہ سے محدثانہ انداز میں آپ کی حدیثیں زیادہ ظاہر ہیں۔ (ص ۱۲۲)

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی امام اعظم کے قلیل البضاعۃ فی الحدیث ہونے کے اقوال نقل

کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ان اباحنيفة رحمه الله امام مجتهد باجماع الموافقين والمخالفين ومن شرائط الاجتهاد ان يحيط المجتهد باحاديث الاحكام وهى الف وعلى اقل تقدير بضع مئات كما ذهب اليه بعض الحنابلة فكيف جاز لابى حنيفة ان يجتهدوهو لم يستكمل اهم شرط من شروط الاجتهاد؟ كيف اعترف الائمة اجتهاده وعنوابفقهه ونقلوه فى الآفاق ......ان من يطالع مذهب الامام يجد قد واقف الأحاديث الصحيحة فى مئات من المسائل وقد جمع شارح القاموس السيد مرتضىٰ الزبيدى رحمه الله كتابا جمع فيه الاحاديث من مسانيد الامام ابى حنيفة والتى وافقه فى روايتها اصحاب الكتب الستة سماه عقد الجواهر المنيفة فى ادلة ابى حنيفة فكيف وافق اجتهاد الامام مئات الاحاديث الصحيحة وليس عنده الا بضعة عشر حديثا او خمسون اومأة وخطا فى نصفها. (السنۃ ومکانتہا ص ۴۱۲)

بلاشبہ ابوحنیفہ مخالفین وموافقین کے اجماع سے امام ومجتہد تھے اور اجتہاد کے شرائط سے ہے کہ مجتہد احادیث احکام کا احاطہ کرے اور وہ ایک ہزار حدیثیں ہیں، بعض حنابلہ نے جو چند سو حدیثوں کے بارے میں کہا ہے، پس ابوحنیفہ کے لیے کیسے جائز ہے، کہ وہ اجتہاد کریں اور شرائط اجتہاد کی ایک شرط پوری نہ کریں اور ایسی صورت میں ائمہ نے ان کے اجتہاد کا اعتبار کیسے کرلیا اور ان کی فقہ کی اعانت کی اور اسے دنیا میں مشتہر کیا...... جو امام اعظم کے فقہی مذہب کا مطالعہ کرے گا، وہ اسے احادیث صحیحہ کے

موافق صدہا مسائل میں پائے گا۔شارح قاموس سید مرتضیٰ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب مرتب کی، جس کے اندر امام اعظم ابوحنیفہ کے مسانید سے حدیثیں جمع کی ہیں، وہ صحاح ستہ کے مصنفین کے موافق ہیں، جس کا نام عقد الجواہر المنیفہ فی ادلۃ ابی حنیفۃ رکھا، تو کیسے امام کا اجتہاد صدہا احادیث صحیحہ کے موافق ہوگا، جب کہ ان کے پاس سترہ یا پچاس یا ڈیڑھ سو احادیث کے علاوہ نہیں۔

اب ہم ملت کے مقتدر ائمہ کے اقوال پیش کرتے ہیں، جن سے امام صاحب کی محدثانہ جلالت اور حدیث دانی کا اندازہ کرنا آسان ہوگا۔

☆ **حافظ محمد بن یوسف شافعی محدث دیار مصر:۔** کان ابوحنیفۃ من کبار حفاظ الحدیث واعیانھم ولولا کثرۃ اعتنائہ بالحدیث ماتھیا لہ استنباط مسائل الفقہ۔

امام ابوحنیفہ کبار واعیان حفاظ حدیث میں تھے، اگر ان میں زیادہ اعتناء بالحدیث نہ ہوتا، تو وہ مسائل فقہیہ کا استنباط نہیں کر سکتے تھے۔ (الحدیث والمحدثون ص ۲۸۴)

☆ **حفص بن غیاث:۔** امام ابوحنیفہ جیسا عالم ان احادیث کا میں نے نہیں دیکھا جو احکام میں مفید صحیح ہوں۔ (انوار الباری ج ۱ ص ۵۹)

☆ **امام سیوطی:۔** من کبار الحفاظ وثقۃ الناس وماضعفہ الا متعصب۔ (الحدیث والمحدثون ص ۲۸۵)

ابوحنیفہ کبار حفاظ حدیث اور ثقہ لوگوں میں تھے، ان کی تضعیف متعصب لوگوں کے علاوہ کسی نے نہیں کی۔

☆ **یحییٰ بن سعید قطان:۔** واللہ امام ابوحنیفہ اس امت میں خدا اور رسول سے جو کچھ وارد ہوا ہے، اس کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ (محدثین عظام ص ۵۸)

☆یحییٰ بن معین:۔لا بأس به لم یکن یتهم۔(تذکرہ ج ا ص ۱۶۰)
امام ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ تھے، ان میں اصول جرح و تعدیل کی رو سے کوئی عیب نہیں تھا۔

ان اقوال واقتباسات کی روشنی میں امام اعظم پر قلت حدیث کا طعن بالکل بے بنیاد ہو کر رہ جاتا ہے اور ان کی محدثانہ شان وعظمت نکھر کر سامنے آجاتی ہے، علاوہ ازیں امام اعظم کے تلامذہ میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں، جو اپنے وقت کے امام حدیث تھے اور ان کی امامت فی الحدیث پر سب متفق ہیں۔

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری فرماتے ہیں:

نعمان بن ثابت (ابوحنیفہ) سے عبداللہ بن مبارک، عباد بن عوام، وکیع، ہشیم، خالد بن مسلم اور معاویہ قصری نے روایت کی۔(دراسات)

ان حقائق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ امام اعظم ابوحنیفہ علم نبوی کے حافظ، عادل اور ثقہ تھے اور وہ اپنے اجتہادی امور میں احادیث صحیحہ کی جانب رجوع کرتے تھے اور احادیث کی صحت وضعف کو خوب پہچانتے تھے ان کے معانی ومفاہیم اور دقائق وغوامض کا علم رکھتے تھے۔

امام کی مرویات دیگر محدثین کے مقابلہ میں قلیل ضرور ہیں، مگر قلت روایت کا سبب حدیث میں ان کی بے مائیگی نہیں، بلکہ نقل وروایت حدیث میں ان کے شرائط دیگر ائمہ محدثین کی بہ نسبت زیادہ سخت ہیں اور وہ اصول روایت کے ساتھ ساتھ اصول درایت کو بھی خاص طور پر اہمیت دیتے تھے۔

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کی روایت کے کم ہونے کا مسئلہ تو اس کا راز یہی ہے، کہ انہوں نے تحمل روایت کی شرطیں سخت کر دی تھیں، حدیث یقینی سے فعل نفسی اگر معارض ہوتا تھا تو اس حدیث کو ضعیف ٹھہرا کر رد کر دیا کرتے تھے، انہیں پابندیوں اور قیود سے ان کی روایات کم

ہو گئیں، یہ نہیں کہ نعوذ باللہ آپ نے قصداً یا عمداً حدیث کی روایت سے اعراض کیا۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۴۲۸)

قبول حدیث کا معیار

علم حدیث میں امام اعظم کا سب سے اہم کارنامہ قبول روایت اور تنقیح حدیث کے وہ معیار و اصول ہیں، جنہیں آپ نے وضع فرمایا، جن سے بعد کے علمائے حدیث نے استفادہ کیا اور وہ علمائے احناف کی کتابوں میں متفرق انداز سے آج بھی موجود ہیں۔

۱- امام اعظم ضبط کتاب کے بجائے ضبط صدر کے قائل تھے اور صرف اسی راوی سے حدیث لیتے تھے، جو اس روایت کا حافظ ہو۔ (مقدمہ ابن صلاح)

۲- صحابہ اور فقہائے تابعین کے علاوہ اور کسی شخص کی روایت بالمعنی کو قبول نہیں کرتے تھے۔ (شرح مسند امام اعظم از ملا علی قاری)

۳- امام اعظم اس بات کو ضروری قرار دیتے تھے، کہ صحابہ کرام سے روایت کرنے والے ایک یا دو شخص نہ ہوں، بلکہ اتقیا کی ایک جماعت نے صحابہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہو۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ)

۴- معمولات زندگی سے متعلق عام احکام میں امام ابو حنیفہ یہ ضروری قرار دیتے تھے، کہ ان احکام کو ایک سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہو۔ (الخیرات الحسان)

۵- جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو (یعنی اس سے اسلام کے کسی مسلم اصول کی مخالفت لازم آتی ہو) وہ امام اعظم کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔ (تاریخ ابن خلدون)

۶- جو حدیث خبر واحد ہو اور وہ قرآن کریم پر زیادتی یا اس کے عموم کو خاص کرتی ہو امام صاحب کے نزدیک وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (الخیرات الحسان)

۷- جو خبر واحد صریح قرآن کے مخالف ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح)

۸- جو خبر واحد سنت مشہورہ کے خلاف ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (احکام القرآن)

۹- اگر راوی کا اپنا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو، تو وہ روایت مقبول نہیں ہو گی

کیوں کہ یہ مخالفت یا تو راوی میں طعن کا موجب ہوگی یا نسخ کے سبب سے ہوگی۔ (نبراس)

۱۰- جب ایک مسئلہ میں مبیح اور محرم دو روایتیں ہوں تو امام اعظم محرم کے مقابل میں مبیح کو قبول نہیں کرتے۔ (عمدۃ القاری)

۱۱- ایک ہی واقعہ کے بارے میں اگر ایک راوی کسی امر زائد کی نفی کرے اور دوسرا اثبات اگر نفی دلیل پر مبنی نہ ہو تو نفی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی کیوں کہ نفی کرنے والا واقعہ کو اصل حال پر محمول کر کے اپنے قیاس سے نفی کر رہا ہے اور اثبات کرنے والا اپنے مشاہدہ سے امر زائد کی خبر دے رہا ہے۔ (حسامی)

۱۲- اگر ایک حدیث میں کوئی حکم عام ہو اور دوسری حدیث میں چند خاص چیزوں پر اس کے برخلاف حکم ہو تو امام اعظم حکم عام کے مقابلہ میں خاص کو قبول نہیں کرتے۔

(عمدۃ القاری)

۱۳- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح قول یا فعل کے خلاف اگر کسی ایک صحابی کا قول و فعل ہو تو وہ مقبول نہیں ہے صحابی کے خلاف کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اسے یہ حدیث نہیں پہنچی۔ (عمدۃ القاری)

۱۴- خبر واحد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول و فعل ثابت ہو اور صحابہ کی ایک جماعت نے اس سے اختلاف کیا ہو تو آثار صحابہ پر عمل کیا جائے گا کیوں کہ اس صورت میں یا تو وہ حدیث صحیح نہیں ہے اور یا وہ منسوخ ہو چکی ورنہ حضور کے صحیح اور صریح فرمان کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام کی جماعت اس کی کبھی مخالفت نہ کرتی۔ (الخیرات الحسان)

امام اعظم نے حدیث کی تمام اقسام پر اجتہادی حیثیت سے کام کیا ہے اور صیانت حدیث کے لیے بصیرت افروز راہ نما اصول مرتب فرمائے ہیں اور اس میدان کے شہسواروں کو عقل و آگہی کا نور عطا کیا ہے۔

قلت روایات کے اسباب

قلت روایت کا ایک سبب یہ بھی تھا، کہ امام صاحب کے نزدیک دیگر محدثین کی

طرح ذخیرہ احادیث کی کمیت مقصود نہ تھی، بلکہ وہ کیفیت وصحت حدیث کے قائل تھے خاص طور پر ان احادیث کو ہی وہ قابل روایت سمجھتے تھے، جن سے فقہی مسائل کا استخراج واستنباط ہو، جو حدیث کی تشریعی حیثیت کا اقتضا ہے۔

امام صاحب کی قلت روایت کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے، کہ وہ صرف ایک محدث ہی نہ تھے، بلکہ متکلم، مجتہد، فقیہ اور داعی بھی تھے، خصوصیت کے ساتھ انہوں نے حالات وزمانہ کے اہم تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قانون اسلامی کی تدوین کا جو مہتم بالشان کارنامہ انجام دیا، وہ یک سوئی اور انہماک کا طالب تھا اور اتنا وقیع اہم کام تھا، جس نے دوسرے امور کو پس انداز کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

فہم حدیث

حضرت امام صاحب حدیث کے ظاہری الفاظ، حفظ و یادداشت اور ان کی روایت پر زور نہیں دیتے تھے، بلکہ وہ احادیث کے مفاہیم ومراد کی گہرائی معلوم کرنے اور ان سے مسائل فقہیہ کی تخریج واستنباط پر زور دیتے۔ جہاں تک کثیر الروایہ محدثین کی عقل وفہم کی رسائی نہ ہوتی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ما رایت احدا اعلم بتفسیر الحدیث ومواضع النکت التی فیه من الفقه من ابی حنیفة وقال ایضا ما خالفته فی شئ قط فتدبرته الا رایت مذهبه الذی ذهب الیه انجی فی الاخرة وکنت ربما ملت الی الحدیث فکان هو ابصر بالحدیث الصحیح منی وقال کان اذا صمم علی قول درت علی مشائخ الکوفة هل اجد فی تقویة قوله حدیثا اواثرا فربما وجدت الحدیثین والثلاثة فاتیته بها فمنها ما یقول فیه هذا غیر صحیح او غیر معروف فاقول له وما علمك بذالك مع انه

یوافق قولك فیقول انا عالم بعلم اهل الکوفة.

(الخیرات الحسان ص ۶۱)

میرے نزدیک حدیث کی تفسیر اور حدیث میں فقہی نکتوں کے مقامات کا جاننے والا امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے انہیں سے منقول ہے کہ میں نے جن جن مسئلوں میں امام صاحب سے اختلاف کیا ان سب میں امام صاحب کی رائے کو آخرت میں زیادہ نجات دینے والا پایا اور بسا اوقات میں حدیث کی طرف نگاہ کرتا تو آپ کو اپنے سے زیادہ واقف کار صحیح حدیث کے بارے میں پاتا۔ جب امام صاحب کسی قول پر مصمم رائے فرما لیتے میں مشائخ کوفہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اس رائے کی تقویت میں کوئی حدیث تلاش کرتا، تو کبھی دو بلکہ تین حدیثیں پاتا اور ان کو آپ کے پاس لاتا، تو بعض حدیثوں کے بارے میں فرماتے کہ یہ حدیث صحیح نہیں یا یہ حدیث غیر معروف ہے میں عرض کرتا، اس کا حضور کو کیوں کر علم ہوا حالاں کہ یہ تو آپ کے قول کے مطابق ہے آپ فرماتے میں کوفہ والوں کے علم سے واقف ہوں۔

نیز فرماتے ہیں:

الثوری اکثر متابعة لابی حنیفة منی ووصفه یوما لابن المبارك فقال انه لیرکب من العلم احد من سنان الرمح کان واللہ شدید الاخذ للعلم ذابا عن المحارم متبعا لاهل بلده لایستحل ان یاخذ الا ماصح عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وما ادرك علیه علماء اهل الکوفة فی اتباع الحق اخذ به وجعله دینه۔ (الخیرات الحسان ص ۳۰)

مجھ سے زیادہ امام صاحب کے متبع سفیان ثوری ہیں، سفیان ثوری نے ایک

دن ابن مبارک سے امام اعظم کی تعریف بیان کی، فرمایا، کہ وہ ایسے علم پر سوار ہوتے ہیں، جو برچھی کی انی سے زیادہ تیز ہے۔ خدا کی قسم وہ غایت درجہ علم کو لینے والے، محارم سے بہت رکنے والے، اپنے شہروالوں کی بہت اتباع کرنے والے ہیں، صحیح حدیث کے سوا دوسری قسم کی حدیث لینا حلال نہیں جانتے۔ اتباع حق میں جس امر پر علمائے کوفہ کو متفق پاتے اس کو قبول فرماتے اور اسے اپنا دین بناتے تھے۔

ابوغسان کہتے ہیں، کہ میں نے اسرائیل سے کہتے ہوئے سنا:

کان نعم الرجل النعمان ما کان احفظه لکل حدیث فیه فقه واشد فحصه عنه فاکرمه الخلفاء والامراء والوزراء۔

(تبییض الصحیفہ ص ۲۷)

نعمان بن ثابت اچھے آدمی ہیں، احادیث فقہیہ کے کیسے زبردست حافظ ہیں اور ان احادیث کی بہترین جانچ اور چھان بین کرنے والا آپ سے زیادہ کوئی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے خلفا امیروں اور وزیروں نے ان کی تعظیم کی۔

کسی نے یحییٰ بن معین سے امام صاحب کے متعلق دریافت کیا، تو فرمایا:

ثقة ماسمعت احداً ضعفه هذا شعبة یکتب له ان یحدث ویامره۔ (الخیرات الحسان ص ۳۲)

وہ ثقہ ہیں کسی نے ان کو ضعیف نہ کہا، یہ امام شعبہ ہیں جو ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ حدیث بیان کریں اور حکم کریں۔

حسن بن صالح فرماتے ہیں:

ان ابا حنیفة کان شدید الفحص عن الناسخ والمنسوخ عارفا بحدیث اهل الکوفة شدید الاتباع لما کان الناس علیه حافظا

لما وصل الی اھل بلدہ (ایضا)

امام ابوحنیفہ ناسخ ومنسوخ کا خوب تفحص فرماتے، احادیث اہل کوفہ کے عارف تھے، لوگوں کے تعامل کا بہت ہی اتباع کرتے، جو کچھ ان شہر والوں کو پہنچتا ان سب کے حافظ تھے۔

معمر کہتے ہیں:

ما رایت رجلا یحسن ان یتکلم فی الفقہ ویسعہ ان یقیس ویشرح الحدیث احسن معرفۃ من ابی حنیفۃ۔ (ایضاص ۳۱)

میں نے کسی شخص کو ایسانہ پایا، جو امام ابوحنیفہ سے بہتر فقہ میں کلام کرے اور ایک مسئلہ کو دوسرے پر قیاس کرسکے اور آپ سے عمدہ حدیث کی شرح کرے۔

ایک دن مشہور محدث اعمش نے قاضی ابویوسف سے دریافت کیا کہ آپ کے استاذ نے عبداللہ بن مسعود کا یہ مسئلہ کیوں ترک کردیا کہ باندی کے آزاد ہونے سے اس پر طلاق ہوجاتی ہے، انہوں نے فرمایا، کہ حضرت عائشہ کی اسی حدیث کی بنا پر جو آپ نے ان سے بواسطہ ابراہیم واسود کے نقل فرمائی تھی، کہ بریرہ جب آزاد ہوئیں، تو ان کی آزادی طلاق نہیں سمجھی گئی، بلکہ ان کو یہ اختیار دیا گیا، کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے پہلے نکاح کو قائم رکھیں اور چاہیں تو فسخ کردیں، اس پر اعمش نے کہا بلاشبہ ابوحنیفہ نہایت سمجھ دار شخص ہیں۔ (خطیب ج ۱۳ ص ۳۴۱)

یہ واقعہ جہاں حضرت امام کی ژرف نگاہی کا ثبوت ہے وہیں عمل بالحدیث اور اعتصام بالسنہ کی روشن دلیل بھی ہے۔ یہی وجہ تھی، کہ امام اعظم کی فقہ پر وقت کے جلیل القدر محدثین فتوے دیا کرتے تھے۔

حافظ ابن عبدالبر، یحیٰی بن معین سے نقل کرتے ہیں، وکیع امام صاحب کی فقہ کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اور آپ کی روایت کردہ تمام حدیثیں یاد کیا کرتے تھے اور

انہوں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں۔ (جامع بیان العلم ج ۲ص ۱۴۹)

تلامذۂ حدیث

امام اعظم علم حدیث میں جس عظیم مہارت کے حامل اور جلیل القدر مرتبہ پر فائز تھے، اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا، کہ تشنگان علم حدیث کا انبوہ کثیر آپ کے حلقہ درس میں سماع حدیث کے لیے حاضر ہوتا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے، کہ امام اعظم سے حدیث کا سماع کرنے والے مشہور حضرات میں حماد بن نعمان، ابراہیم بن طہمان، حمزہ بن حبیب، زفر بن ہذیل، قاضی ابویوسف، عیسیٰ بن یونس، وکیع، یزید بن زریع، اسد بن عمرو، خارجہ بن مصعب، محمد بن بشیر، عبدالرزاق، محمد بن حسن شیبانی، مصعب بن مقدام، ابوعبدالرحمٰن مقری، ابونعیم، ابوعاصم اور دیگر یگانہ روزگار افراد شامل تھے۔

حافظ ابن عبدالبر امام وکیع کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

وكان يحفظ حديثه كله وكان قد سمع من ابى حنيفة حديثا كثيرا.

وکیع بن جراح کو امام اعظم کی سب حدیثیں یاد تھیں اور انہوں نے امام اعظم سے احادیث کا بہت زیادہ سماع کیا تھا۔

امام مکی بن ابراہیم، امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ تھے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم کی سند سے روایت کی ہیں، امام صدر الائمہ موفق بن احمد بن مکی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولزم اباحنيفة رحمه الله وسمع منه الحديث. (مناقب موفق ج ۱ص ۲۰۳)

انہوں نے اپنے اوپر سماع حدیث کے لیے ابوحنیفہ کے درس کو لازم کرلیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا، کہ امام بخاری کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ ثلاثیات درج کرنے کا جو شرف حاصل ہوا ہے، وہ دراصل امام اعظم کے تلامذہ کا صدقہ ہے اور یہ

صرف ایک مکی بن ابراہیم کی بات نہیں ہے۔امام بخاری کی اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں، ان حوالوں سے یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا، کہ امام اعظم علم حدیث میں مرجع خلائق تھے، ائمہ فن نے آپ سے حدیث کا سماع کیا اور جن شیوخ کے وجود سے صحاح ستہ کی عمارت قائم ہے،ان میں اکثر حضرات آپ کے علم حدیث میں بالواسطہ یا بلا واسطہ شاگرد ہیں۔

امام ابوحنیفہ نے کوفہ جیسے عظیم شہر میں جو فقہ وحدیث کا بڑا مرکز تھا، پرورش پائی اور تعلیم حاصل کی۔ابن سعد کے بقول کوفہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت کا مسکن تھا، جن میں تین سو اصحاب الشجرہ میں سے اور ستر صحابہ بدری تھے قتادہ سے منقول ہے کہ صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس اشخاص کوفہ میں آکر فروکش ہوئے تھے۔

(کتاب الکنی والاسماء ج اص ۱۷۴)

بعض اہل علم نے کوفہ میں حدیث کی کثرت پر بڑی شہادتیں جمع کی ہیں۔

امام صاحب نے جن شیوخ واساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا ان کا حدیث میں مقام بہت بلند تھا، جیسے امام شعبی اور حماد بن سلیمان (مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ میں ان کی مرویات موجود ہیں) ان کے علاوہ جن جلیل القدر تابعین سے آپ نے علمی استفادہ کیا ان میں ابراہیم نخعی، قاسم بن محمد، قتادہ، نافع، طاؤس، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح، عمرو بن دینار، سلیمان اعمش قابل ذکر ہیں۔(ان کی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں) بعض اہل علم نے آپ کے مشائخ کی تعداد چار ہزار بتائی ہے، ان میں سے اکثریت محدثین کی ہے۔

امام صاحب کے تلامذہ میں ایک بڑی تعداد محدثین کی ہے، جن میں سے بعض کو امامت کا درجہ حاصل ہے، مثلاً عبداللہ بن مبارک، جرح وتعدیل کے امام یحییٰ بن سعید قطان اور یحییٰ بن معین، مسعر بن کدام وکیع بن الجراح، یزید بن ہارون، مکی بن ابراہیم، یحییٰ بن زکریا، ابوعاصم نبیل، قاسم بن معن، علی بن مسہر، عباد بن العوام، صلت بن الحجاج، وغیرہ

(ان کی مرویات صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہیں)

بعض محققین نے تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ تقریباً تمام اصحاب کتب حدیث امام صاحب کے بالواسطہ شاگرد ہیں۔ بڑے بڑے علمائے حدیث نے علم حدیث میں آپ کے بلند مقام کا اعتراف کیا ہے۔

شعبہ انہیں حسن الفہم جید الحفظ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ (الخیرات الحسان ص ۳۴)

ذہبی نے امام صاحب کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے اور الامام الاعظم، فقیہ العراق کے لقب سے یاد کیا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۶)

اور حافظ محدثین کی اصطلاح میں وہ ہوتا ہے، جسے کم از کم ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔

امام زفر سے منقول ہے کہ بڑے بڑے محدثین مثلاً زکریا بن ابی زائدہ، عبدالملک بن ابی سلیمان، لیث بن ابی سلیم، مطرف بن طریف، حصین بن عبدالرحمٰن وغیرہ امام ابوحنیفہ سے علمی مسائل دریافت کرتے اور جس حدیث کے متعلق ان کو اشتباہ ہوتا، اس کے متعلق سوال بھی کرتے تھے۔

یختلفون الی ابی حنیفة ویسالونه عما ینوبهم من المسائل وما یشتبه علیهم من الحدیث (موفق ج۲ ص ۱۴۹)

طحاوی، ذہبی، سیوطی، ابن حجر مکی اور ملا علی قاری جیسے جلیل القدر محدثین نے امام صاحب کے مناقب پر کتابیں تصنیف کی ہیں اور حدیث میں ان کے مقام بلند کا اعتراف کیا ہے۔

امام صاحب کی خدمات حدیث میں سے ایک اہم خدمت ان کی احادیث پر مشتمل کتاب الآثار ہے، سیوطی کے نزدیک یہ فقہی ابواب پر حدیث کی سب سے پہلی مرتب کتاب ہے اور امام مالک نے موطا کی ترتیب میں اسی کی پیروی کی ہے۔

(تبییض الصحیفہ ص ۱۹۲)

یہ کتاب آپ کے شاگردوں ابو یوسف، محمد، زفر اور حسن بن زیاد سے مروی ہے، اس کے علاوہ بڑے بڑے محدثین نے امام صاحب کی مرویات جمع کر کے مسند ابی حنیفہ کے نام سے انہیں مرتب کیا۔ ان کی تعداد اکیس کے قریب ہے، ان میں ابونعیم اصفہانی، ابن عساکر، ابن مندہ اور حافظ ابن عدی جیسے محدثین شامل ہیں، محدث خوارزمی نے جامع المسانید للامام الاعظم کے نام سے پندرہ مسانید کو جمع کر دیا ہے۔

امام صاحب مجتہد مطلق تھے اور اجتہاد علم حدیث میں مکمل بصیرت اور مہارت کے بغیر ممکن نہیں جیسا کہ حافظ یوسف صالحی لکھتے ہیں:

ولولا کثرۃ اعتنائہ بالحدیث ما تھیا لہ استنباط مسائل الفقہ

۔(عقود الجمان ص ۳۱۹)

اگر وہ حدیث کا بکثرت اہتمام نہ کرتے تو فقہ کے مسائل میں استنباط کا ملکہ انہیں کیسے حاصل ہوسکتا تھا۔

امام اعظم اور عمل بالحدیث

معاندین امام اعظم ابوحنیفہ پر طعن کرتے ہیں، کہ حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس ورائے کو ترجیح دیتے ہیں، لیکن معاندین کا یہ ادعائے محض ہے۔ احناف عمل بالحدیث میں اس درجہ آگے ہیں، کہ کوئی طبقہ ان کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کے استاذ الاساتذہ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں، کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا:

واذا جاء الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلی الراس والعین واذا جاء عن الصحابۃ اخترنا ولم نخرج عن اقوالھم واذاجاء عن التابعین زاحمناھم۔

(الخیرات الحسان ص ۲۷، تبییض الصحیفہ ۲۷)

جب رسول اللہ کی حدیث ملے، تو سر آنکھوں پر ہے اور جب صحابہ کے اقوال ملیں

تو ان کو اختیار کرتے ہیں اور ان سے تجاوز نہیں کرتے البتہ تابعین کی بات آتی ہے تو ہم ان سے مزاحمت کرتے ہیں۔

ابوحمزہ سکری فرماتے ہیں، کہ میں نے امام اعظم ابوحنیفہ کو فرماتے سنا:

اذاجاء الحديث عن النبي صلى الله عليه وسلم لم نحل عنه الى غيره واخذنابه واذاجاء عن الصحابة تخيرنا واذاجاء عن التابعين زاحمناهم۔ (تبییض الصحیفہ ص۲۶)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کسی مسئلہ میں مل جاتی ہے، تو اسی کو دلیل بناتا ہوں اور کی طرف نہیں جاتا اور جب صحابہ کرام کے اقوال ملتے ہیں، تو ان سے ہم انتخاب کرلیتے ہیں اور جب تابعین کے اقوال ملتے ہیں، تو ان کی طرح ہم بھی اجتہاد کرتے ہیں۔

سفیان فرماتے ہیں:

سمعت اباحنيفة يقول اخذ بكتاب الله فما لم اجد فيه اخذ بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فما لم اجد فى كتاب الله ولا فى سنة رسول الله اخذت بقول اصحابه اخذ بقول من شئت منهم وادع من شئت منهم وما اخرج من قولهم الى قول غيرهم فاما اذا انتهى الامر وجاء الى ابراهيم والشعبى وابن سيرين والحسن وعطاء وسعيد بن السيب وعدد رجالا فقوم اجتهدوا فاجهتد كما اجتهدوا۔

(تبییض الصحیفہ ۲۳)

میں نے امام ابوحنیفہ سے یہ فرماتے سنا کہ میں قرآن پاک سے حکم کرتا ہوں تو جو اس میں نہیں پاتا ہوں اس کا حکم رسول اللہ کی حدیث سے لیتا ہوں اور جو قرآن اور حدیث میں نہیں پاتا اس میں صحابہ کرام کے اقوال سے حکم کرتا

ہوں اور جس صحابی کے قول سے چاہتا ہوں سند پکڑتا ہوں اور جس کا قول چاہتا ہوں نہیں لیتا ہوں اور صحابہ کرام کے قول سے باہر نہیں جاتا، لیکن جب حکم ابراہیم اور شعبی اور ابن سیرین اور حسن اور عطا اور سعید بن مسیّب وغیرہم تک پہنچتا ہے تو ان لوگوں نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرتا ہوں جیسے انہوں نے اجتہاد کیا۔

حدیث پر قیاس کو مقدم کرنے کا الزام

یہ اعتراض کہ آپ حدیث پر قیاس کو مقدم کرتے تھے بالکل غلط ہے جیسا کہ حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی نے فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

فی بیان ضعف قول من الی نسب الامام ابی حنیفة الی انه یقدم القیاس علی حدیث رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اعلم ان هذاالکلام صدر من متعصب علی الامام متهور فی دینه غیر متورع فی مقاله غافلا عن قوله تعالیٰ ان السمع والبصر والفواد کل اولئك کان عنه مسئولا وعن قوله تعالیٰ مایلفظ من قول الالدیه رقیب عتید وعن قوله صلی اللّٰه علیه وسلم لمعاذ وهل یکب الناس فی النار وعلی وجوههم الا حصائد السنتهم (میزان الشریعۃ الکبریٰ ص ۱۷)

یہ کلام جس کی نسبت حضرت امام ابوحنیفہ کی طرف کی گئی ہے کہ وہ قیاس کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مقدم کرتے ہیں، اس شخص سے صادر ہوا ہے، جو کہ امام صاحب سے تعصب رکھتا ہے اور ان کے دین سے غافل ہے اور ان کی بات میں غیر متورع ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول ان السمع والبصر والفواد کل اولئك کان عنه مسئولا یعنی بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہونا ہے اور اس قول پر کہ کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو اور حضور نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک هل یکب الناس فی النار وعلی وجوههم الاحصائد السنتهم سے غافل ہے۔
آگے فرماتے ہیں:

وقد روی الامام ابوجعفر الشیرامازی نسبته الی قریة من قری بلخ سنده المتصل الی الامام ابی حنیفة رضی اللّٰه عنه انه کان یقول یکذب واللّٰه وافتری علینا من یقول عنا اننا نقدم القیاس علی النص وهل یحتاج بعد النص الی قیاس۔
تحقیق روایت کی ہے امام ابوجعفر شیرامازی (یہ نسبت ہے بلخ کے ایک گاؤں شیراماز کی طرف) نے متصل سند کے ساتھ امام ابوحنیفہ سے وہ فرماتے تھے، کہ جس نے یہ کہا ہے، کہ ہم قیاس کو نص پر مقدم رکھتے ہیں اس شخص نے ہم پر جھوٹ اور افترا باندھا ہے حالاں کہ نص کے بعد قیاس کی حاجت نہیں رہتی۔

علامہ ذہبی باب ومن قوله الرای کے تحت فرماتے ہیں:
نعیم بن حماد سمعت ابا لعه وهو نوح الجامع قال سمعت اباحنیفة یقول ماجاء عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فعلی الراس والعین وماجاء عن الصحابة اخترنا وکان من غیر ذلك فهم رجال ونحن رجال (مناقب امام ابی حنیفة للذهبی ص ۲۰)
حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا، کہ جو کچھ حکم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آئے وہ ہمارے سر آنکھوں پر اور صحابہ کا حکم ہو تو اسے ہم اختیار اور قبول کرتے ہیں اور جو دوسروں سے (یعنی تابعین سے آئے) تو وہ بھی مرد ہیں اور ہم بھی مرد ہیں۔
شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:
واتباع امام ابی حنیفه باحادیث واقوال صحابه است دیگرے را نیست امام

حافظ ابو محمد بن حزم گفتہ کہ اصحاب ابوحنیفہ ہمہ متفق اند کہ حدیث ہر چند اسناد اوضعیف بود مقدم نزد او، اولی تر از قیاس واجتہاد است ووی رضی اللہ عنہ تا بحد ضرورت نرسد عمل بقیاس نکند وعمل بحدیث باقسامہ از دست ندہد۔ (مقدمہ شرح سفر السعادۃ ص ۲۴)

حضرت امام ابوحنیفہ کو جس قدر تابعداری اور پیروی احادیث اور اقوال صحابہ کی تھی کسی دوسرے کو نہ تھی اور ابن حزم نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے سب اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث اگرچہ ضعیف ہو قیاس اور اجتہاد پر مقدم ہے اور امام صاحب کا یہ دستور تھا کہ حتی الامکان حدیث کو ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے اور سخت ضرورت کے وقت جب کوئی حدیث کسی قسم کی نہ ملتی تو ناچار قیاس پر عمل کرتے تھے۔

نیز فرماتے ہیں:

ونقل است کہ امام ابوحنیفہ فرمودہ کہ عجب از مردم کہ مرا میگویند وی فتویٰ برائے خود میدہد حال آنکہ من ہرگز فتویٰ ندہم مگر ماثور ومرویست۔ (مقدمہ شرح سفر السعادۃ ص ۲۴)

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، کہ مجھ کو ان لوگوں پر بڑا تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں حالاں کہ میں بجز اس بات کے جو ماثور ومروی ہے ہرگز فتویٰ نہیں دیتا۔

ان تمام عبارتوں سے معلوم ہوا، کہ یہ کہنا کہ آپ قیاس کو احادیث پر ترجیح دیتے تھے آپ پر صریح بہتان ہے۔

فقہ واجتہاد

فقہ کے لغوی معنیٰ ''الشق و الفتح''یعنی پھاڑنا اور کھولنا ہے۔

امام اعظم سے فقہ کی تعریف ان الفاظ میں منقول ہے:

الفقہ معرفۃ النفس مالھا وما علیھا۔(تنقیح الاصول ص ١٦)

فقہ نفس کو نفع پہنچانے والی اور نقصان پہنچانے والی چیزوں کی پہچان کا نام ہے۔

یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں حق و باطل، حلال وحرام اور مفید و مضر کے درمیان فرق وامتیاز کرنے کی صلاحیت کا نام فقاہت ہے۔

ابتدا میں علم فقہ کا اطلاق اصول وفروع سارے علوم پر ہوتا تھا، لیکن جب علوم وفنون کو الگ الگ خانوں میں بانٹا گیا، تو علم شریعت کو فقہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔

چنانچہ متاخرین نے علم فقہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ من ادلتھا التفصیلیۃ۔(ایضا)

فقہ شریعت کے عملی احکام کا علم ہے جو تفصیلی دلائل سے ماخوذ ہوں۔

فخر الاسلام بزدوی فقہ کے اجزائے ثلاثہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ھو الفقہ وھو ثلثۃ اقسام علم المشروع بنفسہ القسم الثانی اتقان المعرفۃ بہ وھو معرفۃ النصوص بمعانیھا وضبط الاصول بفروعھا والقسم الثالث ھو العمل بہ حتی لا یصیر نفس العلم مقصودا فاذا تمت ھذہ الاوجہ کان فقیھا۔

(الاصول للبزدوی برحاشیہ کشف الاسرار ج ١ ص ١٢)

علم فروع فقہ سے عبارت ہے، فقہ کے تین اجزا ہیں ایک نفس احکام کا علم دوسرا اس علم کی پختگی یعنی نصوص کے معانی وعلل کی معرفت اور اصول کا فروع پر انطباق اور تیسرا اجزا احکام پر عمل کرنا تاکہ علم بذات خود مقصود نہ بن جائے جب یہ تینوں اجزا مکمل ہو جائیں تو انسان فقیہ بن جاتا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ کو قدرت نے فقہی بصیرت اور مجتہدانہ صلاحیت سے مالا مال فرمایا تھا، ان کے اندر اصول دین کے ادراک اور قرآن وسنت کے نصوص کی گہرائیوں تک رسائی کا ملکہ اور اصول کی روشنی میں فروعی مسائل کے استنباط واستخراج کی پوری قوت موجود تھی، ذہن وفراست عقل وشعور میں وہ ممتاز تھے۔ حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں:

كان من اذكياء بني آدم.

آپ بنی آدم کے ذکی ترین لوگوں میں تھے۔

محمد بن شجاع بیان کرتے ہیں:

لووزن عقل ابي حنيفة بعقل نصف الناس لرجح بهم.

(تاریخ ذہبی ج ۲، ص ۳۱۲)

اگر ابوحنیفہ کی عقل آدھی دنیا کے لوگوں کی عقل سے وزن کی جائے تو آپ کی عقل کا پلہ بھاری رہے گا۔

امام مالک فرماتے ہیں:

لو كلمك في هذه السارية ان يجعلها ذهبا لقام بحجته.

(تاریخ بغداد ج ۱۳، ص ۳۳۸)

اگر امام ابوحنیفہ تم سے یہ کہیں کہ یہ ستون سونے کا ہے تو وہ اس پر حجت قائم کر دیں گے۔

مبدأ فیاض نے ذکاوت وذہانت، طباعی، زود فہمی، معاملات کی تہ تک رسائی، حاضر جوابی کی بھرپور قوت آپ کو عطا فرمائی تھی۔ علم کے حفظ وضبط اور فہم وادراک کے

لیے جن عقلی وشعوری صلاحیتوں کی ضرورت تھی وہ امام صاحب میں بدرجہ اتم موجود تھیں، اس لیے جب وہ علم فقہ کی تدریس کے لیے آمادہ ہوئے تو انہوں نے کوفہ کے سب سے بڑے مدرسہ فقہ یعنی حماد بن ابی سلیمان کی درسگاہ واقع جامع کوفہ میں شرکت کی۔ یہ فقہ کی وہ درسگاہ ہے، جس کی بنیاد کوفہ کی تاسیس کے وقت معلم امت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عہد فاروقی میں رکھی تھی اور ان کے بعد ان کے شاگرد علقمہ پھر ان کے شاگرد ابراہیم نخعی اور ان کے بعد حماد بن ابی سلیمان مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ امام اعظم اپنی جس فقہی استعداد کے ساتھ حماد کے حلقہ درس میں شامل ہوئے بہت جلد وہ تلامذہ حماد میں سب سے ممتاز ہو گئے۔ اس طرح وہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی فقہ کے وارث وامین بن گئے چنانچہ فقہا نے لکھا ہے:

الفقه زرعه عبدالله بن مسعود رضی الله عنه وسقاه علقمة وحصده ابراهيم النخعي وداسه حماد وطعنه ابوحنيفة وعجنه ابويوسف وخبزه محمد وسائر الناس یاکلون.

(درمختار ج اص ۴)

فقہ کا کھیت عبداللہ بن مسعود نے بویا، حضرت علقمہ نے اسے سینچا، ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا، حماد نے اس کو گاہا، امام ابوحنیفہ نے اس کو پیسا، امام ابو یوسف نے اس گوندھا، امام محمد نے روٹی پکائی، باقی سب اسے کھا رہے ہیں یعنی عبداللہ بن مسعود نے اجتہاد واستنباط احکام کے طریقے کو فروغ بخشا اور حضرت علقمہ نے اس کی تائید وترویج کی، ابراہیم نخعی نے اس کے فوائد متفرقہ جمع کیے اور علم فقہ کی تدریجی ترقی ہوتی گئی، یہاں تک کہ سراج الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ نے کمال تک پہنچا کر باقاعدہ اس کی تدوین کی۔ ابواب میں مرتب کیا اور دیگر ائمہ نے اپنی اپنی کتابوں میں آپ کی پیروی کی۔ امام محمد نے آپ کی اتباع کی، اجتہادات ورسائل کو جمع کر کے فروع

کی تنقیح کی اور آپ کے مرجوعات کو بیان کیا اور فقہ کو اصول وفروع اور جزئیات کے ساتھ مدون کیا اس طرح عظیم مصنفات فقہ امت محمدیہ کے حوالہ کیں، جن سے عالم اسلام مستفید ہو رہا ہے۔

امام صاحب کی فقہی بصیرت، زود فہمی اور دقیقہ رسی کا اندازہ ذیل کے چند واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔

☆ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں ایک مسئلہ پیش کیا گیا، کہ ایک شخص کی بیوی سیڑھی پر کھڑی ہے، اس کے شوہر نے جھگڑے کے دوران اس سے کہا، اگر تو اوپر چڑھی، تو تجھے طلاق ہے اور اگر نیچے اتری تو طلاق تو آپ فرمایئے کہ اس مسئلہ کا کیا حل ہے؟ آپ نے فرمایا، اس عورت سمیت سیڑھی اٹھالی جائے اور زمین پر رکھ دی جائے، اب عورت جہاں چاہے چلے پھرے، طلاق واقع نہ ہوگی۔ (الخیرات الحسان ص ۱۰۴)

☆ ایک شخص کو اپنی بیوی کی طلاق میں شک واقع ہوا، اس نے قاضی شریک سے مسئلہ دریافت کیا، آپ نے فرمایا، اسے طلاق دے کر رجوع کرلو، پھر اس نے سفیان ثوری سے یہی مسئلہ پوچھا، انہوں نے جواب دیا، کہ کہہ دو اگر میں نے تمہیں طلاق دی ہے، تو رجوع کیا، پھر امام زفر سے یہی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا، جب تک تمہیں طلاق کا یقین نہ ہو جائے وہ تمہاری بیوی ہے۔

پھر یہ تینوں جوابات امام صاحب کی بارگاہ میں پیش کیے گئے، آپ نے فرمایا، ثوری نے ورع اور تقویٰ کی بات کہی ہے اور زفر نے ٹھیک فقہ کی بات کہی ہے اور رہے شریک تو ان کی مثال ایسے شخص کی ہے، جس سے کوئی پوچھے مجھے پتہ نہیں کہ میرے کپڑے پر نجاست ہے یا نہیں تو وہ کہہ دیں گے کہ کپڑے پر نجاست ہے آپ دھولیں۔

(الخیرات الحسان ص ۱۰۲)

☆ وکیع کا بیان ہے، کہ ہم ابوحنیفہ کے پاس تھے، کہ ایک عورت آئی اور اس نے کہا، میرے بھائی کی وفات ہوئی ہے، اس نے چھ سو دینار چھوڑے اور مجھ کو وراثت میں

ایک دینار ملے، ابوحنیفہ نے کہا، میراث کی تقسیم کس نے کی ہے؟ عورت نے کہا داؤد طائی نے کی ہے، آپ نے فرمایا، انہوں نے ٹھیک کیا، کیا تمہارے بھائی کی دو لڑکیاں ہیں، عورت نے کہا، ہاں! آپ نے پوچھا اور ماں زندہ ہے؟ عورت نے کہا، ہاں! پوچھا بیوی زندہ ہے، اس نے کہا، ہاں! آپ نے پوچھا اور ایک بہن اور بارہ بھائی بھی چھوڑے ہیں، عورت نے کہاں ہاں! آپ نے فرمایا، لڑکیوں کا دوتہائی حصہ ہے یعنی چار سو دینار اور چھٹا حصہ ماں کا ہے یعنی ایک سو دینار اور آٹھواں حصہ بیوی کا ہے یعنی پچھتر دینار باقی رہے پچیس دینار اس میں بارہ بھائیوں کے چوبیس دینار اور تمہارا ایک دینار۔

(سوانح بے بہا ص ۱۲۹-۱۳۰)

☆ امام اعمش اور ان کی بیوی میں ایک شب تلخ کلامی ہوئی، بیوی نے امام اعمش سے بولنا بند کر دیا، امام اعمش نے بہت تدبیریں کیں، مگر بیوی راضی نہ ہوئی، آخر غصہ میں آکر امام اعمش نے قسم کھائی، کہ اگر آج کی رات تو مجھ سے نہ بولی تو تجھ پر طلاق بائن۔ بیوی جو امام اعمش سے ہمیشہ طلاق کی متمنی رہا کرتی تھی، اس تعلیق سے اس کی امید بر آئی، ادھر امام اعمش اپنی بات پر نادم ہوئے، کہ گھریلو کاروبار اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی پرورش کیسے ہوگی۔ اسی الجھن میں متعدد لوگوں کے پاس گئے، لیکن مسئلہ کا حل نہ ہو سکا۔ بالآخر امام ابوحنیفہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ بیان کیا۔ امام ابوحنیفہ نے تسلی دی اور فرمایا، کہ فکر کی بات نہیں مطمئن رہیے آج کی صبح کی اذان آپ کے محلے میں صبح صادق سے پہلے پڑھوا دوں گا۔ چنانچہ امام صاحب مسجد کے موذن سے ملے اور انہیں صبح صادق سے پہلے اذان کہنے پر رضامند کر لیا، ابھی صبح صادق طلوع نہیں ہوئی تھی، کہ موذن نے اذان دے دی۔ ادھر امام اعمش کی بیوی ساز و سامان سمیٹ کر صبح صادق کا انتظار کر رہی تھی، اذان سنتے ہی جوش مسرت میں بول اٹھی خدا کا شکر ہے، کہ آج بوڑھے بداخلاق سے میرا دامن چھوٹا۔ امام اعمش نے کہا خدا کا شکر ہے کہ موذن نے امام ابوحنیفہ کی مہربانی سے صبح صادق سے قبل اذان دے کر آپ کے ٹوٹنے والے رشتے

کو میرے ساتھ جوڑ دیا۔ (موفق ج ا ص ۱۳۳)

☆ کوفہ میں ایک امیر شخص نے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح دو سگے بھائیوں کے ساتھ کیا۔ رات کو غلطی سے دلہنیں بدل گئیں، دونوں نے شب باشی کی صبح ہوئی، تو حقیقت حال معلوم ہوئی اور ہر ایک کو پریشانی لاحق ہوئی، اس شخص نے ولیمہ میں امام اعظم، سفیان ثوری، مسعر بن کدام و دیگر علما و فقہا کو مدعو کیا تھا۔ سفیان ثوری نے اس مسئلہ میں کہا، کہ ہر شخص نے جس سے وطی کی ہے، اس کو مہر دے اور اپنی زوجہ واپس لے اور دوسری مرتبہ اسے مہر دے، اس سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آیا، امام مسعر بن کدام امام اعظم کی طرف متوجہ ہوئے اور اس مسئلے کا حل پوچھا، آپ نے دونوں بھائیوں کو علاحدہ علاحدہ بلایا، اور ان سے پوچھا، کہ رات جولڑکی تمہارے ساتھ رہی اگر وہی تمہارے نکاح میں رہے، تو کیا تمہیں پسند ہے، ہر ایک نے کہا ہاں مجھے پسند ہے پھر آپ نے فرمایا تم دونوں اپنی اپنی بیوی کو یعنی جس سے تمہارا نکاح ہوا اسے طلاق دے دو اور پھر جس سے وطی کی ہے اس سے نکاح کرلو، سفیان ثوری کا جواب بھی صحیح تھا، مگر امام اعظم کا جواب زیادہ مبنی بر حکمت تھا، جب آپ نے یہ حل پیش فرمایا، تو مسعر بن کدام نے آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا، لوگو! مجھے اس شخص کی محبت میں ملامت کرتے ہو آج اس نے مجھے اور سفیان ثوری کو بھی مطمئن کر دیا ہے اللہ اسے خوش رکھے۔ (الخیرات الحسان ص ۹۴)

مشکل اور پیچیدہ مسائل میں آپ کا ذہن بڑی تیزی کے ساتھ صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتا، کہ دوسرے لوگ حیران رہ جاتے، بلکہ حقیقت یہ ہے، کہ جو مسائل کسی سے حل نہ ہوتے انہیں آپ حل فرما دیتے چنانچہ ایک مرتبہ امام عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے پاس امام اعظم تشریف لائے اور اس آیت کے بارے میں سوال کیا:

وآتیناه اهله ومثلهم معهم۔

عطاء بن ابی رباح نے جواب دیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کے اہل و عیال واپس کر دیے اور ان کے ساتھ ان کی مثل اولاد عنایت فرمائی۔ امام اعظم

نے پوچھا، کیا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ایسی اولاد عطا کرتا ہے، جو اس کی پشت سے نہ ہو، اس پر انہوں نے فرمایا، اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت دے، اس بارے میں آپ کیا جانتے ہیں، آپ نے فرمایا،، میرے نزدیک اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کی بیوی اور اولاد جو ان کی صلبی اولاد تھیں واپس کی اور ساتھ ہی ان کی اولاد کو ان جیسا اجر وثواب عطا فرمایا۔ حضرت عطاء نے کہا، یہ عمدہ تفسیر ہے۔ (ایضا)

امام صاحب کی فقاہت اور ان کی اجتہادی مساعی جلیلہ سے ان کے تلامذہ ہی نے نہیں، بلکہ ان کے معاصرین اور بعد کے لوگوں نے بھی استفادہ کیا اور اکابر ائمہ مجتہدین آپ کی فقہی بصیرت کے مداح اور قائل تھے، چنانچہ امام شافعی کا قول ہے:

الناس عیال علی ابی حنیفة فی الفقه مارایت احدا افقه من ابی حنیفة من لم ینظر فی کتب ابی حنیفة لم یتبحر فی العلم ولایتفقه۔ (عقود الجمان ص ۱۸۷)

جو آدمی فقہ میں ماہر ہونا چاہے وہ امام ابوحنیفہ کا محتاج ہے، یہ بھی فرمایا، کہ میں ابوحنیفہ سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں جانتا، جس نے امام صاحب کی کتابیں نہیں دیکھیں وہ علم میں ماہر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی فقیہ بن سکتا ہے۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں:

میری آنکھوں نے ابوحنیفہ جیسا کسی کو نہیں دیکھا، جو علم فقہ سیکھنا پسند کرتا ہو اسے کوفہ جانا چاہیے اور اصحاب ابوحنیفہ کے حلقہ درس مین بیٹھنا چاہیے۔ (ایضا)

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں:

افقه الناس ابو حنیفة مارایت فی الفقه مثله (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۱)

ابوحنیفہ سب سے بڑے فقیہ ہیں، میں نے فقہ میں ان کی نظیر نہیں دیکھی۔

علامہ ذہبی رقم طراز ہیں:

تفقه بحماد وغيره فبرع في الرای فساد اهل زمانه في الفقه وتفريع المسائل.

امام اعظم نے حماد وغیرہ سے علم فقہ حاصل کیا جس کی بنا پر رائے میں مہارت کاملہ ہوگئی اور تفقہ وتفریع مسائل میں اہل زمانہ کے سردار ہو گئے۔

(تاریخ ذہبی ج ۲ ص ۳۰۶)

حفص بن غیاث کہتے ہیں:

كلام ابي حنيفة في الفقه ادق من الشعر لايعيبه الا جاهل.

(ایضا)

ابوحنیفہ کی فقہی گفتگو بال سے زیادہ باریک ہے جس پر جاہل ہی طعن کر سکتا ہے۔

مغیرہ نے جریر سے کہا:

جالس اباحنيفة تفقه فان ابراهيم النخعي لوكان حيا لجالسه. (ایضا)

ابوحنیفہ کی صحبت اختیار کرو تم فقیہ ہو جاؤ گے اس لیے کہ ابراہیم نخعی اگر زندہ ہوتے تو ان کی صحبت اختیار کرتے۔

معمر کہتے ہیں:

ماعرف رجلا يحسن يتكلم في الفقه او يسعه ان يقيس ويشرح لمخلوق النجاة احسن معرفة من ابي حنيفة.

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۹)

میں کسی شخص کو نہیں جانتا جو ابوحنیفہ سے زیادہ فقہ میں خوبی کے ساتھ کلام کرتا ہو یا اسے اس بات پر قدرت ہو کہ وہ قیاس کرے اور مخلوق کے لیے نجات کا دروازہ کھولے۔

ابوجعفر رازی کہتے ہیں:

ماراىت احدا افقه من ابى حنيفة ومارايت احدا اورع من ابى حنيفة۔

- میں نے ابوحنیفہ سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں پایا اور نہ اُن سے بڑا صاحب ورع کسی کو پایا۔

ابوغسان کا بیان ہے:

سمعت اسرائیل یقول کان نعم الرجل النعمان ماکان احفظه لکل حدیث فیه فقه واللہ فحصه عنه واعلمه بمافیه من الفقه وکان قد ضبط عن حماد فاحسن الضبط عنه فاکرمه الخلفاء والامراء والوزراء وکان اذاناظره رجل فی شئ من الفقه همته نفسه ولقد کان مسعر یقول من جعل اباحنیفة بینه وبین اللہ زجوت ان لا یخاف ولایکون فرط فی الاحتیاط لنفسه۔ (تاریخ بغداد ج۱۳ ص ۳۳۹)

میں نے اسرائیل سے سنا وہ کہہ رہے تھے نعمان اچھے شخص ہیں کیا ہی خوب حافظ تھے ہر اس حدیث کے جس میں فقہ ہوتی تھی اور بڑے شد و مد سے ایسی احادیث کی تلاش کرتے تھے اور ان کی فقہ کے بڑے عالم تھے، انہوں نے حماد سے اس کو حاصل کیا اور جب کوئی شخص ابوحنیفہ سے فقہ میں مناظرہ کرتا تھا تو ان کی ہمت بڑھتی تھی، مسعر کہا کرتے تھے، جو شخص ابوحنیفہ کو اپنے اور اللہ کے بیچ میں رکھے مجھے امید ہے کہ اس پر خوف نہیں ہے اور اس نے اپنے نفس کی احتیاط میں کوتاہی نہیں کی ہے۔

صلت بن حریث کا بیان ہے:

سمعت النضر بن شمیل یقول کان الناس نیاما عن الفقه حتی ایقظهم ابوحنیفة بما فتقه وبینه ولخصه۔

(تاریخ بغداد ج۱۳ ص ۳۴۵)

ابن صلت نے کہا میں نے حسین بن حریث سے سنا وہ کہہ رہے تھے فقہ سے لوگ غفلت میں تھے، ابوحنیفہ نے زوایا خفایا سے فقہ کو نکال کر اچھی طرح اس کو بیان کر کے اس کا مغز پیش کر کے لوگوں کو ہوشیار و آگاہ کیا ہے۔

حرب نے کہا:

انبأ عبداللہ بن الاجلح قال کان ابوحنیفة غواصا یغوص فیخرج احسن الدرر والیاقوت۔ (مناقب موفق ج ا ص ۱۲۰)

عبداللہ بن اجلح نے کہا کہ ابوحنیفہ غواص تھے، (بحر علم) میں غوطہ لگا کر عمدہ موتی اور یاقوت نکالتے تھے۔

امام زفر کہتے تھے:

کان ابوحنیفة اذاتکلم خیل الیك ان ملکا یلقنه۔ (ایضا)

ابوحنیفہ جب گفتگو فرماتے تھے ہم یہ سمجھتے تھے کہ فرشتہ ان کو تلقین کر رہا ہے۔

علی بن ہاشم کا قول ہے:

کان ابوحنیفة کنز العلم ماکان یصعب المسائل علی اعلم الناس فھو کان سھلا علی ابی حنیفة (ایضا ص ۱۲۲)

ابوحنیفہ علم کا خزانہ تھے، جو مسائل بہت بڑے عالم پر مشکل ہوتے تھے آپ پر آسان ہوتے تھے۔

قانون اسلامی کی تدوین

حقیقتاً اسلامی فقہ کی تدوین کا عمل عہد رسالت میں شروع ہو چکا تھا، مگر وہ چند ہدایت ناموں اور ضابطوں پر مشتمل تھا، پھر خلفاے راشدین کے دور میں خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکاتیب اور تحریری فرامین سے یہ عمل آگے بڑھا۔ اس کے علاوہ حضرت علی کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ حضرت ابن عباس کے پاس پیش کیا گیا، پھر حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ کے نام سے کتاب المجموع منسوب کی گئی۔ حضرات صحابہ وتابعین کی محتاط علمی شخصیتیں پیش آمدہ فقہی استفسارات کے جوابات دیتی تھیں، جو اپنے وسیع اور ہمہ گیر نظام اور جامع فن ہونے کی وجہ سے جزئیات مسائل پر حاوی ہوتے تھے، جنہیں باقاعدہ طور پر ایک دستور اور قانون کے رتبہ تک پہنچانے کے لیے ابھی بہت سے مرحلے باقی تھے۔

اسلامی حکومت کے دائرے میں وسعت پیدا ہوئی اور اس کے حدود سندھ سے اسپین تک پھیل گئے، بیسوں قومیں اپنے الگ الگ تمدن، رسم ورواج اور حالات کے ساتھ اس میں شامل ہو چکی تھیں، چنانچہ وسیع سلطنت کے حدود میں مالیات کے مسائل، تجارت، زراعت اور صنعت وحرفت کے مسائل، دستوری، دیوانی اور فوج داری قوانین کے مسائل روز بروز بڑھتے جا رہے تھے۔ عظیم اسلامی سلطنت کے تعلقات دوسرے ممالک سے بھی تھے اور ان میں جنگ، صلح، سفارتی روابط، تجارتی معاملات بری وبحری اسفار کے نت نئے مسائل سامنے آ رہے تھے۔ مسلمان دنیا کی واحد قوم ہے، جو اپنا مستقل نظریہ حیات اور ضابطہ زندگی رکھتی ہے۔ اس لیے ضروری تھا، کہ وہ اپنے ہی

اساسی نظام قانون کی روشنی میں پیش آنے والے جدید مسائل کا حل تلاش کرے۔ یہ وقت کی اہم ضرورت تھی، لیکن حال یہ تھا، کہ آمریت پسند، مطلق العنان مسلم اقتدار کسی ایسے ادارے کو تشکیل دینے کے حق میں نہ تھا، جس میں وقت کے ان تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلامی قانون کی تدوین کے لیے ایسے معتمد اہل علم، فقیہ، دانش ور سر جوڑ کر آزادی رائے کے ساتھ قرآن وسنت کی روشنی میں مسائل کا حل پیش کر سکیں، جو متفقہ طور پر پوری مملکت اسلام میں نافذ کیا جا سکے۔

دوسری طرف اسلامی شہروں میں جو قاضی اور فقیہ مسند قضا و افتا پر فائز تھے، وہ اپنے محدود علم و عقل کی روشنی میں فقہی استفسارات کے جوابات دیتے۔ بسا اوقات ان میں تضاد اور ٹکراؤ کی صورت پیدا ہو جاتی تھی۔ ابن المقفع نے خلیفہ منصور عباسی کو اپنے ایک خط میں اس خطرناک صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

عدالتوں میں بدنظمی چھائی ہوئی ہے، اس میں کسی مشہور قانون کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا، بلکہ ان فیصلوں کا دارومدار قاضیوں کے اپنے اجتہاد پر ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے، کہ ایک ہی ساعت میں متضاد احکام صادر ہوتے رہتے ہیں، چنانچہ ایک قاضی کے حکم کے مطابق اگر کوفہ کی ایک عدالت میں بعض لوگوں کی جان و مال اور عصمت کے خلاف فیصلہ دیا جاتا ہے، تو دوسرے علاقے میں دوسرے قاضی کے فیصلے کے مطابق اس کی حمایت میں فیصلہ صادر ہوتا ہے۔ (ضحیٰ الاسلام ص ۱۹-۲۱۸)

خود کوفہ کے مشہور قاضی ابن ابی لیلیٰ تقریباً تیس سال تک مسند قضا پر متمکن رہے، ان کے فیصلوں میں بھی فاش غلطیاں ہوتیں، جن پر امام اعظم گرفت فرماتے۔ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی عدالت مسجد میں قائم ہوا کرتی تھی، جہاں وہ مقدمات کے فیصلے کیا کرتے۔

ایک روز قاضی صاحب مجلس قضا سے فارغ ہو کر اٹھے تو جاتے ہوئے راستے میں دیکھا کہ ایک عورت ایک شخص سے لڑ جھگڑ رہی ہے، آپ نے سنا کہ اس عورت نے اسے

یوں گالی دی "یــا ابــن الــزانیین" اے زانی مرد اور زانی عورت کے بیٹے!۔ قاضی صاحب نے حکم دیا، کہ اس عورت کو گرفتار کرلیا جائے، خود واپس لوٹے مسجد میں تشریف لائے، فیصلہ دیا کہ اس عورت کو کھڑا کر کے حد قذف (اسی کوڑے) لگائی جائے اور اسے دو حدوں کے ایک سو ساٹھ کوڑے مارے جائیں کیوں کہ اس نے ماں باپ دونوں پر تہمت زنا لگائی۔ حضرت امام ابوحنیفہ کو اس واقعہ کی تفصیلات معلوم ہوئیں، تو ارشاد فرمایا، کہ قاضی صاحب نے فیصلہ میں چھ غلطیاں کی ہیں (۱) انہوں نے مجلس قضا سے فارغ ہونے اور اٹھ جانے کے بعد فیصلہ دیا (۲) مسجد کے اندر حد جاری کی، حالاں کہ مسجد میں حد جاری کرنا ممنوع ہے۔ (۳) عورت کو کھڑا کر کے حد لگائی، حالاں کہ عورت کو بٹھا کر حد لگانے کا حکم ہے (۴) قاضی صاحب نے دو حدیں لگانے کا حکم دیا حالاں کہ ایک لفظ سے ایک ہی حد لازم ہونی چاہیے تھی (۵) قاضی صاحب نے دو حدیں اکٹھی لگائیں، اگر بالفرض کسی پر دو حدیں لازم بھی ہوں تو ایک ساتھ نفاذ کے بجائے اس پر ایک حد کا اثر ختم ہونے کے بعد دوسری حد لگائی جاتی ہے۔ (۶) حد قذف میں مقذوف کی طرف سے قاذف پر دعویٰ شرط ہے اور مذکورہ صورت میں جب مقذوف شخص (جسے گالی دی گئی) نے حد قذف کے مطالبہ کے لیے دعویٰ اور مطالبہ ہی نہیں کیا تو قاضی صاحب کو از خود مقدمہ قائم کرنے کا کیا اختیار تھا؟

قاضی صاحب کو اطلاع پہنچی، تو سخت برہم ہوئے اور گورنر سے شکایت کردی، چنانچہ گورنر نے حضرت امام اعظم کو فتویٰ دینے سے منع کردیا۔

(ابن خلکان ترجمہ قاضی ابن ابی لیلیٰ)

ابوجعفر منصور عباسی نے امام ابوحنیفہ کو بلایا امام صاحب منصور کے پاس پہنچے وہاں قاضی ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ کو بیٹھا دیکھا، منصور نے امام ابوحنیفہ سے پوچھا، ان خوارج کے متعلق کیا کہتے ہو جنہوں نے مسلمانوں کو قتل کیا ہو؟ امام صاحب نے کہا، آپ ان دونوں قاضیوں سے دریافت کریں، جو آپ کے پاس ہیں، منصور نے کہا، ایک نے

کہا ہے کہ اس معاملہ میں ان سب کی گرفت ہوگی اور دوسرے نے کہا ہے، کہ کسی چیز میں بھی گرفت نہ ہوگی۔ یہ سن کر امام ابوحنیفہ نے کہا، دونوں نے جواب میں خطا کی ہے۔ منصور نے کہا اسی واسطے ہم نے تم کو بلوایا ہے، کہ حکم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، اگر خوارج نے قتل وغارت گری کی ہے اور ان خوارج پر اسلامی احکام جاری نہیں تھے، ان سے گرفت نہیں کی جائے گی اور اگر خوارج نے قتل وغارت گری کی ہے اور ان پر اسلامی قوانین جاری تھے تو ان پر گرفت کی جائے گی۔

منصور ابوجعفر کے دربار میں اس وقت جتنے علما بھی تھے، انہوں نے کہا، ''القول ماقال ابو حنیفة'' حقیقت وہی ہے جو ابوحنیفہ نے بیان کی ہے۔

(مناقب امام اعظم ج ا ص ۱۱۶)

یہ تو عام مسائل میں قاضیوں کے غلط فیصلوں کا حال تھا، وہ بھلا آئندہ پیش آنے والے مسائل کا اسلامی حل ڈھونڈنے کی ضرورت کیا محسوس کرتے، بلکہ ایسے مسائل کا سوچنا بھی ان کے نزدیک شجر ممنوعہ تھا۔ مشہور مفسر ومحدث قتادہ کوفہ پہنچے اور اعلان کر دیا، کہ مسائل فقہیہ میں جس کو جو پوچھنا ہے پوچھے میں ہر مسئلہ کا جواب دوں گا۔ جوق در جوق لوگ آتے تھے اور مسئلہ پوچھتے تھے۔ امام ابوحنیفہ بھی موجود تھے، کھڑے ہو کر پوچھا، کہ ایک شخص سفر میں گیا، برس دو برس کے بعد اس کے مرنے کی خبر آئی، اس کی بیوی نے دوسرا نکاح کر لیا اور اس سے اولاد ہوئی، کچھ سالوں کے بعد وہ شخص واپس آیا لڑکے کی نسبت اس کو انکار ہے، کہ میری صلب سے نہیں ہے، زوج ثانی دعوی کرتا ہے کہ اولاد میری ہے، تو آیا دونوں اس پر زنا کا الزام لگاتے ہیں یا صرف وہ شخص جو ولدیت سے انکار کرتا ہے؟ قتادہ نے کہا، یہ صورت پیش بھی آئی ہے امام نے کہا نہیں انہوں نے کہا:

فلم تسألوني عما لم يكن ؟

جو صورت پیش نہیں آئی ہے اس کے بارے میں سوال کیوں کرتے ہو؟

امام صاحب نے فرمایا:

ان العلماء یستعدون للبلاء ویتحرزون منه قبل نزوله فاذا نزل عرفوه وعرفوا الدخول فیه والخروج منه.

علما کو کسی مسئلہ کے پیش آنے سے پہلے اس کے تحمل وازالہ اور حکم شرعی کی وضاحت وتعبیر کے لیے تیار رہنا چاہیے، کہ جب وقوع پذیر ہو تو علما تحرز کر سکیں اور جب پیش آئے تو اسے پہچان سکیں اور یہ بھی پہلے سے جانتے ہوں کہ اختیار کرنے یا چھوڑ دینے کی شرعی راہ کون سی ہو سکتی ہے؟۔ (عقود الجمان ص ۲۶۳)

فیصلوں میں تضاد اور پیش آنے والے لاینحل مسائل کی کثرت عوام، علما، گورنر، حکام، قاضی سب محسوس کر رہے تھے، کیوں کہ انفرادی اجتہاد اور معلومات کے بل پر روزمرہ پیش آنے والے اتنے مختلف مسائل کو بروقت حل کرنا ہر مفتی، ہر حاکم، ہر جج اور ناظم محکمہ کے بس کا کام نہیں تھا۔ اور اگر فرداً فرداً انہیں حل کیا بھی جاتا تھا، تو اس سے بے شمار متضاد فیصلوں کا ایک جنگل پیدا ہو رہا تھا۔ اس انتشار وافتراق کا واحد حل یہ تھا کہ کوئی ایسا مستند فقہی ادارہ قائم کیا جائے جس میں وقت کے فقہا اور مجتہدین، محدثین ومفسرین، ارباب فکر ودانش سر جوڑ کر فقہی مسائل پر غور کریں اور قرآن وسنت کی روشنی میں قیاس واجتہاد سے کام لیتے ہوئے حل پیش کریں۔ اس طرح اسلامی قانون منضبط ہو کر سامنے آئے اور پورے بلاد اسلامی میں اس کو نافذ العمل قرار دیا جائے، یہ کام حکومت کے پیمانے پر ہو سکتا تھا، چنانچہ ابن المقفع نے خلیفہ منصور کے سامنے یہ تجویز پیش کی:

خلیفہ اہل علم کی ایک کونسل بنائے جس میں ہر نقطہ نظر کے علما پیش آمدہ مسائل پر اپنا اپنا علم اور خیال پیش کریں پھر خلیفہ خود ہر مسئلہ پر اپنا فیصلہ دے اور وہی قانون ہو۔ (رسالۃ الصحابہ)

لیکن منصور اس رائے پر عمل درآمد نہ کر سکا، خود اس کی علمی پوزیشن ایسی نہ تھی کہ وہ فقہا و مجتہدین کی آرا کے بالمقابل اپنا کوئی فیصلہ دے سکے اور اسے امت اسلام قبول بھی کر لے۔

ابن المقفع کا یہ قول تو درخور اعتنا نہ بنا کہ علم کی سلطنت میں بھی قول فیصل حکمران کا قول ہو، البتہ منضبط و مدون نظام قانون کی ضرورت کا احساس دربار کو بھی بہ شدت ہونے لگا تھا۔ آگے چل کر جب مدون قانون کے بغیر کام چلانا مشکل ہو گیا تو دربار کا یہ احساس باقاعدہ ایک تقاضے کی صورت اختیار کر گیا۔ ابوجعفر منصور ۱۴۸ھ میں حج کے لیے گیا، تو امام مالک سے خواہش کی، کہ اگر آپ اجازت دیں، تو تمام مسلمانوں کو آپ کی فقہ پر جمع کر دیا جائے، ۱۶۳ھ میں دوبارہ حج کو گیا، تو پھر درخواست کی، مگر امام نے نہیں مانا۔ منصور نے کہا:

اے ابوعبداللہ! آپ علم فقہ کو ہاتھ میں لیجیے اور اس کو الگ الگ ابواب کی صورت میں مدون کر ڈالیے۔ عبداللہ بن عمر کے تشددات، عبداللہ بن عباس کی رخصتوں اور عبداللہ بن مسعود کی انفرادیات سے بچتے ہوئے ایک ایسا ضابطہ مدون کیجیے، جو خیر الامور اوسطہا کے اصول پر مبنی ہو اور جو ائمہ اور صحابہ کے متفق علیہ مسائل کا مجموعہ ہو، اگر آپ نے یہ خدمت انجام دے دی، تو ان شاء اللہ آپ کی فقہ پر ہم مسلمانوں کو مجتمع کر دیں گے اور اس کو تمام مملکت کے اندر جاری کر کے اعلان کر دیں گے کہ کسی حال میں اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔ (ضحی الاسلام، امام مالک ابوزہرہ)

امام مالک نے منصور کے کہنے پر موطا فقہی ابواب پر مرتب کر دی، تاکہ مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت پوری ہو مگر وہ اس بات پر راضی نہ ہوئے، کہ اس کتاب کو پوری اسلامی مملکت کا حتمی قانون بنا دیا جائے، جب منصور نے اس کتاب کو حکومت کے قانون کی اساس بنانے پر اصرار کیا، تو امام مالک نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا:

امیر المومنین! آپ ہرگز ہرگز ایسا نہ کریں، دیکھیے مسلمانوں کے پاس مختلف علما کے

قول پہلے سے پہنچ چکے ہیں، وہ حدیثیں سن چکے ہیں اور روایتیں روایت کر چکے ہیں اور اسی کو اپنا دین بنا چکے ہیں، پس جس علاقے کے باشندوں نے جو باتیں اختیار کر لی ہیں ان کو انہیں کے حال پر چھوڑ دیجیے!۔ (المیزان الکبری للشعرانی)

امام مالک کی ذات کتنی محتاط اور خدا ترس ہے، کہ جس موطا کو اپنی ذہنی کاوش اور علمی دیانت کے ساتھ مرتب کیا اسے حکومت کا قانون بنا کر پوری دنیائے اسلام پر مسلط کرنے سے روک دیا، وہ سمجھتے تھے، کہ تنہا ایک شخص کی علمی ذات ان تمام شرعی و دینی حقائق کی جامع نہیں ہو سکتی، اور نہ اس کی قوت استنباط و اجتہاد پر پوری ملت اسلامیہ کو جمع کرنا مناسب ہے، بلکہ اس کے لیے تو علم و فضل کی معتبر ہستیوں کا جمع ہو کر اپنے علم و عقل کی روشنی میں کتاب و سنت، اجماع امت کو سامنے رکھتے ہوئے دینی، سیاسی، سماجی، تجارتی مسائل کا حل باتفاق رائے منضبط کرنا ہوگا۔

اس صورت حال اور وقت کے اہم تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے امام اعظم نے حکومت کے اثر و نفوذ سے بالاتر ہو کر ایک قانون ساز مجلس قائم کی اور اس اہم کام کا عزم ایک بدیع الفکر متبحر عالم ہی کر سکتا تھا، جسے اپنی بھرپور علمی لیاقت، اپنے کردار، اپنے اخلاقی وقار پر اتنا اعتماد ہو کہ اگر وہ ایسا کوئی ادارہ قائم کر کے قوانین مدون کرے گا، تو کسی سیاسی قوت نافذہ کے بغیر اس کے مدون کردہ قوانین اپنی خوبی، اپنی صحت، اپنی مطابقت احوال اور اپنے مدون کرنے والوں کے اخلاقی اثر کے بل پر خود نافذ ہوں گے اور سلطنتیں ان کو قبول کرنے پر مجبور ہوں گی۔

اسلامی قانون کی تدوین اور دستوری حیثیت میں اس کی ترتیب جتنی ناگزیر تھی، اتنی ہی وسیع و پرخطر تھی، جو جد درجہ حزم و احتیاط کی متقاضی تھی جس کو تنہا ایک شخص انجام نہیں دے سکتا تھا۔ اس میں دسیوں شبہات و زلات اور لغزشوں کا احتمال تھا، چنانچہ امام اعظم نے اس کام کے لیے تنہا اپنے وفور علم و عقل پر اعتماد نہیں کیا، بلکہ اس اہم مشکل اور وسیع کام کے لیے شورائی نظام کی ضرورت کو محسوس کیا، شورائی قانون ساز کمیٹی کے لیے

جن باوثوق اصحاب علم اور قوت اجتہاد و استنباط رکھنے والے ماہر ارکان کی ضرورت تھی، اس کی تکمیل کا بندوبست بھی امام اعظم نے اپنے استاذ حضرت حماد بن سلیمان کی مسند درس وافتا پر بیٹھنے ہی کے ساتھ شروع کر دیا، وہ اپنے حلقہ بگوش طلبا کی استعداد اور فکر و تخیل کی رفعت، ان کے رجحان طبع اور اخلاق و کردار ہر چیز کا جائزہ لیتے اور اسی انداز سے ان کی تعلیم و تربیت فرماتے، جب مردان کار کی ایک معتمد ٹیم تیار ہوگئی، تو امام اعظم نے ان کو اپنی مجلس قانون ساز کا اہم رکن مقرر کیا، جن کی تعداد مورخین نے اڑتیس یا چالیس بتائی ہے، جن کو امام اعظم نے اپنے مدرسہ علم میں باقاعدہ قانونی مسائل پر سوچنے، علمی طرز پر تحقیقات کرنے اور دلائل سے نتائج مستنبط کرنے کی تربیت دی تھی، ان میں سے قریب قریب ہر ایک امام کے علاوہ وقت کے دوسرے بڑے بڑے اساتذہ سے بھی قرآن وحدیث، فقہ اور دوسرے مددگار علوم مثلاً لغت، نحو، ادب اور تاریخ وسیر کی تعلیم حاصل کر چکا تھا۔ متعدد شاگرد مختلف علوم کے اختصاصی ماہر سمجھے جاتے تھے، تدوین فقہ کے لیے جس قدر علوم وفنون کی ضرورت تھی، اس کے ماہرین کو امام صاحب نے منتخب کر لیا تھا مثلاً امام محمد کو عربیت اور علم ادب میں خاص کمال حاصل تھا، قاسم بن معن بھی علم ادب میں مسلم استاذ تھے، استخراج واستنباط مسائل میں امام زفر اپنی نظیر آپ تھے، قاضی ابو یوسف، داؤد طائی، یحییٰ بن ابی زائدہ، عبداللہ بن مبارک اور حفص بن غیاث کو روایات احادیث و آثار میں خاص کمال اور امتیاز حاصل تھا اور وہ اس میں زمانہ کے مسلم اساتذہ تسلیم کیے جاتے تھے، چالیس افراد کی اس دستوری کمیٹی کے علاوہ بارہ افراد پر مشتمل ایک دوسری مجلس شوریٰ تھی، جو فیصلے کو آخری شکل دیتی اور حتمی نتائج پر پہنچتی تھی، اس کمیٹی میں عبداللہ بن مبارک، امام ابو یوسف، امام زفر، یوسف بن خالد اور امام ابو حنیفہ شریک تھے۔

امام اعظم ابو حنیفہ کی قائم کردہ مجلس شوریٰ کے ارکان کی عظمت اور علمی جلالت قدر کا اندازہ مشہور محدث حضرت وکیع کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب ایک شخص نے

ان کے سامنے کہا، کہ ابوحنیفہ سے فلاں مسئلہ میں غلطی ہوئی ہے تو وکیع بھڑک اٹھے اور فرمایا:

کیف یقدر ابوحنیفہ ان یخطی ومعہ مثل ابی یوسف وزفر ومحمد فی قیاسھم واجتھادھم ومثل یحییٰ بن ابی زائدہ وحفص بن غیاث وحبان ومندل ابنا علی فی حفظھم للحدیث ومعرفتھم بہ والقاسم بن معن یعنی ابن عبد الرحمن بن عبداللّٰہ بن مسعود فی معرفۃ باللغۃ والعربیۃ وداؤد الطائی وفضیل بن عیاض فی زھدھما وورعھما من کان اصحابہ ھؤلاء وجلساء ہ لم یکن لیخطی لانہ ان اخطأ ردوہ الی الحق۔ (جامع المسانید ج ۱ ص ۲۳)

ابوحنیفہ کیوں کر غلطی کر سکتے ہیں، جب کہ ان کے ہمراہ بحث و تحقیق کے شرکا قاضی ابو یوسف، زفر اور امام محمد جیسے قیاس میں ید طولیٰ رکھنے والے اور یحییٰ بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، حبان اور مندل جیسے حفاظ حدیث و عالم حدیث، قاسم بن معن جیسے عربی زبان اور علوم عربیت کے ماہر، داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد و تقویٰ میں شہرہ آفاق حضرات موجود ہوتے ہیں، جس شخص کے ایسے ہم نشیں ہوں وہ کبھی غلطی نہیں کر سکتا، کیوں کہ اس سے اگر کبھی غلطی سرزد بھی ہو تو یہ حضرات فوراً ٹوک دیں گے۔

امام وکیع بن الجراح نے امام اعظم کے مدونہ قوانین پر اعتراض کرنے والوں کے بارے میں یہ فیصلہ بھی صادر فرمایا:

والذی یقول مثل ھذا کالانعام بل ھم اضل۔ (ایضاً)

ان کی طرف اس قسم کی باتیں منسوب کرنے والے جانور یا ان سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔

وکیع کے اس بیان سے جہاں تدوین فقہ کی دستوری کمیٹی کے افراد کی علمی جلالت قدر سامنے آتی ہے اور بحث و تحقیق کا طریقہ کار معلوم ہوتا ہے، وہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ابو حنیفہ کو جیسے رفقا میسر آئے، خالص علمی ماحول اور حضرات صحابہ سے قریب کا زمانہ حاصل ہوا، اسلامی تعلیمات میں خود ان کو جس قدر اعلیٰ درجہ کی فہم و بصیرت اور اجتہاد میں جو فوق العادت ادراک نصیب ہوا جس کے فضل و تقدم کا اپنے اور بے گانے سب اعتراف کرتے ہیں۔ ایسی خصوصیت کسی اور کے نصیب میں نہیں آئی۔

ایک بار امام صاحب نے اپنے رفقائے مجلس کی علمی صلاحیت و قابلیت کا اعتراف ان الفاظ میں فرمایا:

> هؤلاء ستة وثلاثون رجلا منهم ثمانية وعشرون يصلحون للقضاء وستة يصلحون للفتوىٰ واثنان ابويوسف وزفر يصلحان لتاديب القضاة وارباب الفتوىٰ. (مناقب للموفق ج۲ص۲۴۹)
>
> یہ چھتیس آدمی ہیں جن میں سے ۲۸ رقاضی ہونے کے لائق ہیں، چھ فتویٰ دینے کی اہلیت رکھتے ہیں اور دو یعنی ابو یوسف اور زفر قاضی اور مفتی تیار کرسکتے ہیں۔

شرکائے تدوین فقہ

امام اعظم کو تدوین فقہ کے لیے جن علوم و فنون کے ماہرین کی ضرورت تھی، وہ سب یک جا تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

ایک اور مشکل یہ تھی، کہ فقہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہے اور قانون کے ماخذوں میں قانون کے علاوہ لغت، صرف، نحو، تاریخ وغیرہ ہی نہیں، حیوانیات، نباتیات بلکہ کیمیا و طبعیات کی بھی ضرورت، پڑتی ہے۔ قبلہ معلوم کرنا جغرافیہ طبعی پر موقوف ہے، نماز اور افطار و سحری کے اوقات علم ہیئت وغیرہ کے دقیق مسائل پر مبنی ہیں۔ رمضان کے لیے رویت ہلال کو اہمیت حاصل ہے اور بادل وغیرہ کی وجہ سے ایک جگہ چاند نظر نہ

آئے، تو کتنے فاصلے کی رویت اطراف پر موثر ہوگی وغیرہ وغیرہ مسائل کی طرف اشارے سے اندازہ ہوگا، کہ نماز روزہ جیسے خالص عباداتی مسائل میں بھی علوم طبعیہ سے کس طرح قدم قدم پر مدد لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کاروبار تجارت، معاہدات، آبپاشی، صرافہ، بنک کاری وغیرہ وغیرہ کے سلسلے میں قانون سازی میں کتنے علوم کے ماہروں کی ضرورت نہ ہوگی، امام اعظم ہر علم کے ماہروں کو ہم بزم کرنے اور اسلامی قانون یعنی فقہ کو ان سب کے تعاون سے مرتب و مدون کرنے کی کوشش میں عمر بھر لگے رہے اور بہت کچھ کامیاب ہوئے۔ (حیات ابوحنیفہ ص ۱۸۰)

مجلس تدوین فقہ کے اہم ارکان

مجلس تدوین کے ارکان کی تعداد میں کمی بیشی ہوا کرتی تھی، لیکن ہر مجلس میں ان کی معتد بہ تعداد ضرور حاضر ہوتی۔ کتب سیر و تذکرہ میں شرکائے مجلس کے نام کچھ اس طرح درج ہوئے ہیں۔

۱۔ مجلس فقہ کے صدر نشیں امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت م ۱۵۰ھ

۲۔ امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری ۱۸۲ھ

۳۔ امام زفر بن ہذیل بن قیس العنبری م ۱۵۸ھ

۴۔ امام محمد بن حسن شیبانی ۱۸۹ھ

۵۔ عافیہ بن یزید الاودی الکوفی ۱۸۰ھ

۶۔ اسد بن عمرو البجلی ابوعمرو ۱۸۸ھ

۷۔ داؤد بن نصیر ابوسلیمان الطائی الکوفی ۱۶۵ھ

۸۔ قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود الہذلی الکوفی م ۱۷۵ھ

۹۔ علی بن مسہر الکوفی ۱۸۹ھ

۱۰۔ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ ۱۸۲ھ

۱۱۔ وکیع بن الجراح ۱۹۹ھ

۱۲-حفص بن غیاث بن طلق بن عمروالنخعی الکوفی ۱۹۴ھ

۱۳-حبان بن علی الکوفی ۱۷۲ھ

۱۴-مندل بن علی الکوفی ۱۶۸ھ

۱۵-یحیٰ بن سعید القطان ۱۹۸ھ

۱۶-عبداللہ بن المبارک ۱۸۱ھ

۱۷-یزید بن ہارون الواسطی ۲۰۶ھ

۱۸-عبدالرزاق بن ہمام ۲۱۱ھ

۱۹-الضحاک بن مخلد ابوعاصم النبیل ۲۱۲ھ

۲۰-حماد بن ابی حنیفہ ۱۷۹ھ

۲۱-مسعر بن کدام ۱۵۵ھ

۲۲-مکی بن ابراہیم البلخی ۲۱۵ھ

۲۳-نوح بن ابی مریم ابوعصمہ ۱۷۳ھ

۲۴-نوح بن دمراج الکوفی ابومحمد النخعی ۱۸۲ھ

۲۵-فضیل بن عیاض بن مسعود التمیمی ۱۸۷ھ

۲۶-ابراہیم بن طہمان تقریباً ۱۶۰ھ

۲۷-سعید بن اوس ابوزید الانصاری ۲۱۵ھ

۲۸-فضیل بن موسیٰ ۱۹۱ھ

۲۹-النضر بن عبدالکریم ۱۶۹ھ

۳۰-حفص بن عبدالرحمٰن ابوعمرو النیشاپوری ۱۹۹ھ

۳۱-ہشیم بن بشیر السلمی ۱۸۳ھ

۳۲-یوسف بن خالد بن عمر ابوخالد السمتی ۱۸۹ھ

۳۳-الحسن بن زیاد اللؤلؤی الکوفی ۲۰۴ھ

۳۴- ابو مطیع الحکم بن عبداللہ بن مسلمہ البلخی ۱۹۷ھ

۳۵- ہوذہ بن خلیفہ ابو الاشہب الثقفی البصری ۲۱۵ھ

۳۶- بشر بن غیاث المریسی ۲۲۸ھ

۳۷- مالک بن مغول البجلی ۱۵۹ھ

۳۸- خارجہ بن مصعب

۳۹- ابوالجویریہ

۴۰- محمد بن وہب

۴۱- الحسن بن رشید

۴۲- نعیم بن عمرو التزیدی

۴۳- عمر بن میمون ابو علی القاضی البلخی ۱۷۱ھ

۴۴- شریک بن عبداللہ الکوفی القاضی ۱۷۷ھ

۴۵- علی بن ظبیان العبسی القاضی ۱۹۲ھ

۴۶- زہیر بن معاویہ بن خدیج الکوفی ۱۷۲ھ

۴۷- عفان بن سیارہ

۴۸- القاسم بن الحکم ابو احمر القاضی ۲۰۸ھ

۴۹- خالد بن سلیمان البلخی ابو معاذ ۱۹۹ھ

۵۰- منصور ابو شیخ

طریقہ تدوین

تدوین فقہ کے سلسلے میں امام اعظم کا طریقہ کار یہ تھا، کہ مسائل اپنے شاگردوں کے سامنے پیش کرتے اور انہیں اپنے خیالات بیان کرنے کی آزادی ہوتی، اس طرح بحث وتمحیص کا بازار گرم ہو جاتا۔ دلائل و براہین سامنے آتے پھر امام صاحب اپنی رائے کا اظہار فرماتے۔ موفق کا بیان ہے:

فوضع ابوحنیفة رحمه الله شوری بینهم لم یستوی فیه بنفسه دونهم اجتهادا منه فی الدین و مبالغة فی النصیحة لله ورسوله والمومنین وکان یلقی مسئلة مسئلة ویقلبهم ویسمع ماعندهم ویقول ماعنده ویناظرهم شهرا او اکثر من ذالك حتی یستقری احد الاقوال فیها ثم یثبتها القاضی ابویوسف فی الاصول۔ (مناقب موفق ج۲ص۱۳۳)

ابوحنیفہ نے اپنا مذہب شاگردوں کے مشورے سے مرتب کیا ہے اور اپنی حد وسع تک دین کی خاطر زیادہ سے زیادہ جانفشانی کرنے کا جو جذبہ رکھتے تھے اور خدا اور رسول خدا اور اہل ایمان کے لیے جو کمال درجہ کا اخلاص ان کے دل میں تھا اس کی وجہ سے انہوں نے شاگردوں کو چھوڑ کر یہ کام محض اپنی انفرادیت سے کر ڈالنا پسند نہ کیا وہ ایک ایک مسئلہ ان کے سامنے پیش کرتے تھے اس کے مختلف پہلوان کے سامنے لاتے تھے، جو کچھ ان کے پاس علم اور خیال ہوتا اسے سنتے اور اپنی رائے بھی بیان کرتے، حتی کہ بعض اوقات ایک ایک مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مہینہ مہینہ بھر یا اس سے زیادہ لگ جاتا تھا۔ آخر میں جب ایک رائے قرار پاجاتی اسے قاضی ابویوسف کتب اصول میں تحریر کرتے۔

ابن البزاز کردری اپنی مناقب میں لکھتے ہیں:

کانوا اصحابه یکثرون الکلام فی مسئله من المسائل ویاخذون فی کل فن وهو ساکت فاذا اخذنی شرح ماتکلم فیه کان کانه لیس فی المجلس احد غیره۔ (کردری ج۲ص۱۰۸)

ان کے شاگرد کسی مسئلہ پر خوب دل کھول کر بحث کرتے اور ہر فن کے نقطہ نظر سے گفتگو کرتے، اس دوران امام خاموشی کے ساتھ ان کی تقریریں سنتے

رہتے تھے، پھر جب امام زیر بحث مسئلہ پر اپنی تقریر شروع کرتے تو مجلس میں ایسا سکوت ہوتا جیسے یہاں ان کے سوا کوئی نہیں بیٹھا ہے۔

اس مجلس فقہ میں امام ابوحنیفہ اپنی جو رائے ظاہر کرتے تھے اسے بعد میں پڑھوا کر سن لیا کرتے تھے، چنانچہ امام صاحب کے ایک شاگرد ابوعبداللہ کا بیان ہے:

کنت اقرأ علیه اقاویله وکان ابویوسف ادخل فیه ایضا اقاویله وکنت اجهد علی ان لا اذکر قول احد بجنبه فزل لسانی یوما وقلت بعد ذکر قوله وفیها قول آخر.فقال ومن هذاالذی یقول هذاالقول (کردری ج۲ص۱۰۹)

میں امام کے اقوال ان کو پڑھ کر سناتا تھا، ابویوسف ساتھ ساتھ اپنے اقوال بھی درج کر دیا کرتے تھے، اس لیے پڑھتے وقت میں کوشش کرتا تھا، کہ ان کے اقوال چھوڑتا جاؤں اور صرف امام کے اپنے اقوال انہیں سناؤں ایک روز چوک گیا اور دوسرا قول بھی میں نے پڑھ دیا امام نے پوچھا یہ دوسرا قول کس کا ہے۔

مجلس تدوین فقہ کا یہ ضابطہ تھا، کہ امام صاحب ہر مسئلہ میں اپنے شاگردوں سے بحث ومناظرہ کرتے امام محمد بن حسن شیبانی کہتے ہیں:

کان ابوحنیفة رحمه الله یناظر اصحابه فی المقائس فیستصفون منه ویعارضونه.(موفق ج۱ص۹۰)

امام ابوحنیفہ کی عادت تھی کہ وہ اپنے تلامذہ سے مناظرہ کرتے تلامذہ کبھی امام صاحب کی بات مان لیتے اور کبھی امام کے دلائل کے مقابلہ میں اپنی دلیلیں پیش کرتے۔

امام ابوحنیفہ نے اپنی مجلس کے اراکین کو بحث ومناظرہ کی اس قدر آزادی دی تھی،

کہ وہ بلا جھجک امام کو ٹوک دیتے اور ایسا انداز اختیار کرتے کہ دیکھنے والے کو تعجب ہوتا۔
جرجانی کا بیان ہے، کہ میں امام کی مسجد میں حاضر تھا، کہ ایک نوجوان نے امام سے کوئی سوال کیا جس کا امام صاحب نے جواب دیا، لیکن نوجوان کو میں نے دیکھا کہ جواب سنتے ہی اس نے کہا اخطأت آپ نے غلطی کی، جرجانی کہتے ہیں کہ نوجوان کے اس انداز تخاطب کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا اور حاضرین کو خطاب کر کے میں نے کہا حیرت کی بات ہے تم اپنے شیخ کا قطعاً لحاظ نہیں کرتے، جرجانی نے ابھی اپنی بات مکمل نہ کی تھی امام ابوحنیفہ نے انہیں ٹوک دیا اور فرمایا:

دعهم فانی قد عودتهم ذلك من نفسه۔ (معجم المصنفين ص ۱۷٤)

تم ان لوگوں کو چھوڑ دو میں نے خود ہی اس طرز کلام کا ان کو عادی بنایا ہے۔

آزادی رائے اور بے لاگ تبصرے کے بغیر تدوین فقہ کا یہ مہتم بالشان کام تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا تھا، یہی وجہ تھی، امام صاحب نے اپنے شاگردوں کو اظہار خیال اور نکتہ چینی کی آزادی دے رکھی تھی۔

امام صاحب اس سلسلہ میں اس درجہ محتاط واقع ہوئے تھے، کہ اگر کسی دن مجلس کا کوئی اہم رکن غیر حاضر ہوتا تو بحث وتمحیص کے باوجود اس دن کا فیصلہ تحریر کرنے سے روک دیتے، رفیق مجلس عافیہ بن یزید کے بارے میں ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں:

عافیہ بن یزید ایک دن مجلس میں حاضر نہ تھے، مسئلہ پر بحث وتمحیص، ہوئی شرکائے مجلس نتیجہ پر بھی پہنچ گئے، مگر امام ابوحنیفہ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی اس مسئلہ کو ضبط تحریر مین نہ لایا جائے جب تک کہ عافیہ کی نظر سے نہ گزر جائے۔ مورخین نے لکھا:

اذاحضر عافية ووافقهم قال اثبتوه (الجواهر المضيه ج۱ ص ۲٦۷)

جب عافیہ حاضر ہوئے اور لوگوں سے اتفاق کیا تو امام صاحب نے فرمایا مسئلہ کو درج کرو۔

موفق کے بقول مجلس تدوین فقہ میں ۸۳ ہزار قانونی مسائل طے کیے

گئے۔ خوارزمی کے بیان کے مطابق بھی ان مسائل کی تعداد ۸۳ ہزار تھی۔ امام مالک کا ایک قول ہے، کہ امام ابوحنیفہؒ نے ساٹھ ہزار مسائل کو لیا۔ ایک روایت یہ ہے طے شدہ مسائل کی تعداد پانچ لاکھ تھی، جن میں سے اڑتیس ہزار کا تعلق عبادات سے تھا۔ کردری کی روایت کے بموجب کوفہ کی مجلس تدوین قانون نے چھ لاکھ مسائل طے کیے۔ اور صاحب کتاب الصیانہ کا دعویٰ ہے کہ جملہ مسائل بارہ لاکھ نوے ہزار تھے۔ تعداد مسائل کی روایت کا یہ اختلاف دو وجہ سے ہو سکتا ہے ایک یہ کہ کام کے مختلف مراحل پر حاصل کردہ معلومات کو راوی نے آگے پہنچا دیا اور وہ کتابوں میں درج ہوئیں اور دوسرے یہ کہ کسی نے محض بڑے بڑے اصول مسائل کا شمار کیا اور کسی نے ان کے اجزا کو بھی گنتی میں لے لیا۔

ان میں صرف وہی مسائل نہیں تھے جو اسلامی معاشرہ کو اب تک پیش آچکے تھے، بلکہ معاملات کی امکانی صورتیں فرض کر کے ان پر بھی بحث کی جاتی اور ان کا حل تلاش کیا جاتا تھا، تاکہ آئندہ اگر کبھی نئی صورت پیش آجائے تو قانون میں پہلے سے اس کا حل موجود ہو۔ یہ مسائل تقریباً ہر شعبہ قانون سے متعلق تھے، اور اس مجلس کے ذریعہ زندگی کے ہزار ہا مسائل کے لیے ایسے واضح فروعی احکام متعین ہو گئے جو اصولوں کے چوکھٹے میں ٹھیک نصب ہو جائیں اور ان میں باہمی تعارض نہ ہو۔ اس تدوین کارنامے کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ نہ صرف تمام مسائل ایسے مستحکم دلائل کے ساتھ طے ہوئے کہ معاشرہ میں اور خصوصاً اہل علم میں ان کو قبولیت حاصل ہوئی، بلکہ تمام جزئی احکام پوری ہم آہنگی کے ساتھ ایک مربوط نظام قانون میں نصب ہو گئے اور اس کام کی اولیت و تقدم کا شرف امام اعظم کو حاصل ہوا۔

علامہ شمس الدین محمد بن یوسف صالحی شافعی دمشقی نے لکھا ہے:

انه ابا حنيفة النعمان اول من دون علم الفقه رتبه ابوابا ثم تابعه مالك بن انس فى ترتيب الموطا لم يسبق اباحنيفة

احد لان الصحابه والتابعين رضی الله عنهم انما كانوا يعتمدون على قوة حفظهم فلما راى ابوحنيفة العلم منتشرا اخاف عليه فجمعه ابوابا مبوبة وكتبا مرتبة فبدا بالطهارة ثم بالصلاة ثم بالصوم ثم بسائر العبادات ثم بالمعاملات ثم ختم بالمواريث لانها اخر احوال الناس وهو اول من وضع كتاب الفرائض واول من وضع كتاب الشروط۔

(عقود الجمان ص ۱۸۴)

یقیناً ابوحنیفہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم فقہ کی تدوین کی ہے اور اس کو ابواب پر مرتب کیا ہے، پھر مالک بن انس نے موطا کی ترتیب میں ابوحنیفہ کا اتباع کیا ہے، ابوحنیفہ پر کوئی سبقت نہیں لے جاسکا ہے، کیوں کہ حضرات صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کا اعتماد اپنی قوت حفظ پر تھا، جب ابوحنیفہ نے دیکھا کہ علم شریعت اطراف واکناف عالم میں پھیل گیا ہے، آپ کو اس علم کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوا، لہٰذا آپ نے اس کو ابواب وکتب میں مرتب اور منضبط کیا، ابتدا کتاب الطہارت سے کی، پھر کتاب الصلاۃ کتاب الصوم، کتاب عبادات کتاب معاملات کا بیان کیا اور کتاب المواریث پر ختم کیا کیوں کہ یہی لوگوں کی آخری حالت ہے اور آپ ہی وہ اول شخص ہیں جنہوں نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط تصنیف کی۔

امام صاحب کا تلامذہ سے خطاب

تدوین فقہ کی تکمیل کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ نے دور دراز علاقوں سے اہم اور نامور شاگردوں کو کوفہ بلایا اور ایک دن جامع کوفہ میں تقریباً ایک ہزار نامور تلامذہ کو جمع کیا اور ان میں سے چالیس اہم اور مقتدر شاگردوں کو اپنے قریب بٹھایا پھر یہ تقریر فرمائی:

انتم مسار قلبی وجلاء حزنی اسرجت لكم الفقه والجمته

وقد ترکت الناس یطؤون اعقابکم ویلتمسون الفاظکم ما منکم واحد الا وھو یصلح للقضاء فسالتکم باللہ وبقدر ما وھب اللہ لکم من جلالۃ العلم لما صنتموہ عن ذل الاستیجار وان بلی احد منکم بالقضاء فعلم من نفسہ خربۃ ستر اللہ عن العباد لم یجز قضاءہ ولم یطب لہ رزقہ فان دفعتہ ضرورۃ الی الدخول فیہ فلا یحتجبنّ عن الناس ولیصل الخمس فی مسجدہ وینادی عند کل صلاۃ من لہ حاجۃ فاذا صلی العشاء نادی ثلاثۃ اصوات من لہ حاجۃ ثم دخل الی منزلہ فان مرض مرضا لایستطیع الجلوس معہ اسقط من رزقہ بقدر مرضہ وایما امام غل فیئا اوجار فی حکم بطلت امامتہ ولم یجز حکمہ۔ (کتاب المناقب ص ۱۷)

تم میری مسرت ہو اور میرے غم کو زائل کرنے والے ہو، میں نے تمہارے واسطے فقہ پر زین کس دی ہے اور لگام لگادی ہے اور لوگوں کو اس حال میں چھوڑ رہا ہوں کہ وہ تمہارے نقش قدم پر چلیں اور تمہارے ارشادات کے طلب گار ہوں، تم میں سے ہر ایک قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، میں تم سے اللہ کا اور اس رتبہ کا جو اللہ تعالیٰ نے تم کو علم کی بڑائی کا عطا کیا ہے واسطہ دے کر یہ چاہتا ہوں کہ اس علم کو اجرت لینے کی ذلت سے بچانا۔ اگر تم میں سے کوئی قضا میں مبتلا ہو جائے اور اس کو اپنی کسی خرابی کا علم ہو جس کو اللہ نے اپنے بندوں سے چھپا رکھا ہے تو اس کا قاضی بننا جائز نہیں، اس کے لیے روزینہ لینا ٹھیک نہیں۔ اگر کوئی مجبوری کی بنا پر قاضی بن جائے تو وہ اپنے کو لوگوں سے نہ چھپائے، وہ پانچوں وقت کی نماز اپنی مسجد میں پڑھے اور ہر نماز کے وقت پکارے کیا کوئی حاجت مند ہے اور عشا کی نماز کے بعد تین مرتبہ یہ

آواز لگائے اور پھر وہ اپنے گھر جائے اور اگر وہ ایسا بیمار ہو جائے کہ وہ بیٹھ نہ سکے تو بیماری کے دنوں کی تنخواہ نہ لے اور جو امام (والی) مال غنیمت میں خیانت کرے اس کی ولایت اور امامت ختم ہوئی اور اس کا حکم نافذ نہیں ہے۔

انفرادی طور پر بھی منصب قضا پر فائز ہونے والوں کے لیے جامع نصیحت فرمائی۔

نوح بن ابی مریم کو نصیحت

امام ابو عصمہ نوح بن ابی مریم نے بیان کیا کہ میں حضرت امام عالی مقام سے احادیث مبارکہ کے معانی دریافت کیا کرتا تھا اور آپ بہت اچھے پیرایہ میں ان کو بیان کیا کرتے تھے اور میں آپ سے دقیق مسائل پوچھتا تھا، ایک دن حضرت امام نے فرمایا: اے نوح! تم قضا کا دروازہ کھٹکھٹا رہے ہو اور جب میں اپنے وطن مرو پہنچا، کچھ دن گزرے تھے کہ میں قضا میں مبتلا ہو گیا، میں نے حضرت امام کو خط لکھا کہ میں نے مجبوراً قاضی کا عہدہ قبول کر لیا ہے حضرت امام نے تحریر فرمایا، تمہارے گلے میں بہت بڑی امانت ڈال دی گئی ہے اس بھنور سے نکلنے کا کوئی راستہ تلاش کرو، اللہ کے خوف کو لازم پکڑو اور آپ نے تحریر فرمایا، یہ بات خوب جان لو کہ فیصلوں کے ابواب ایسے ہیں کہ ان کو بڑا عالم ہی سمجھ سکتا ہے، جو اصول علم، قرآن، حدیث، اقوال صحابہ سے واقف ہو اور خود بھی صاحب بصیرت ہو، وہ فیصلہ کر سکتا ہے، جب تم کو کسی واقعہ میں اشکال پیش آئے تو کتاب وسنت اور اجماع کی طرف رجوع کرو، اگر واضح طور پر مسئلہ مل جائے، تو اس پر عمل کرو، ورنہ نظائر تلاش کر کے قیاس کرو اور جو کتاب وسنت اور اجماع سے اقرب اور اشبہ ہو، اس میں اہل معرفت سے مشورہ کرو اور اس پر عمل کرو، جب مدعی اور مدعا علیہ حاضر ہوں تو ضعیف وقوی شریف اور وضیع میں فرق نہ کرو، ایسی بات ظاہر نہ ہو کہ بڑا یا شریف تم سے بے جا امید رکھنے لگے، اللہ تعالیٰ تم کو سلامت رکھے اور ہم کو اور تم کو اچھی حیات اور آخرت میں بہتر مقام نصیب کرے۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم ص ۱۴۹)

آزاد عدلیہ کا قیام

امام صاحب نے اس خطبہ میں اپنے تلامذہ کو مطلع کیا کہ جس نصب العین کے لیے کوشش جاری تھی، اس میں کامیاب ہونے کا وقت آگیا۔ امام کے بلیغانہ اشارے کہ کس کسا کر گھوڑے کو تیار کر دیا گیا ہے، لگام بھی چڑھادی گئی ہے، راستہ صاف ہے، دنیا ساتھ دینے کے لیے تیار ہے، تم لوگوں کے علم کی ضرورت کا احساس عام لوگوں میں پھیل چکا ہے، صرف سوار ہو کر چل پڑنے کی ضرورت ہے۔ پھر اسی کے ساتھ چالیس آدمیوں میں سے تیس کو قضا کے عہدہ کے مناسب قرار دینا اور دس شاگردوں کے متعلق یہ دعویٰ کہ قاضیوں کی تربیت و پرداخت کی صلاحیت اپنے اندر رکھتے ہیں، قاضی القضاۃ کے اس اہم عہدے کے قیام کے امکان کو محسوس کر کے جن لوگوں میں اس جلیل منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی قابلیت پائی جاتی تھی، ان کو بھی امام صاحب نے متعین کر کے بتادیا، گویا ''فقہ اسلامی'' کا شاندار مستقبل جو بعد میں پیش آنے والا تھا، امام نے پہلے ہی بھانپ لیا، کہ اس کے لیے زمین تیار ہو چکی ہے۔ چنانچہ امام صاحب کی وفات کے بعد ہی خلفاے بنو عباس حنفی فقہا کو اسلامی بلاد وامصار کی مسند قضا پر متمکن کرنے لگے اور ہارون رشید کے زمانے میں تو یہ حال ہو گیا تھا، کہ بغداد، کوفہ، واسط، مدائن، مرو، مدینہ، مصر، خوارزم، رے، کرمان، نیشاپور، بحستان، دمشق، ترمذ، جرجان، بلخ، ہمدان، صنعا، شیراز، اہواز، تستر، اصفہان، سمرقند، ہرات اور ان کے سوا ممالک محروسہ عباسیہ کے تقریباً اکثر مرکزی شہروں میں حنفی قاضی محکمہ عدالت میں قابض ودخیل نظر آتے ہیں، جن میں بعض کا تقرر ابوجعفر منصور نے، بعض کا مہدی نے اور بعض

کا ہادی نے بھی کیا تھا اور ہارون نے جب اسلامی تاریخ کے نئے عہدے قاضی القضاۃ کی مسند پر امام مالک کو فائز کرنا چاہا، تو وہ کسی حال میں مدینہ چھوڑنے پر رضا مند نہ ہوئے تو مکہ جا کر سفیان بن عیینہ کو یہ خدمت سونپنی چاہی، انہوں نے اپنا دفتر خلیفہ کے حوالہ کر دیا، مگر آمادگی کے باوجود وہ معیار قضا پر پورے نہ اترے۔ طاش کبریٰ زادہ نے ''مفتاح السعادۃ'' میں یہ روایت نقل کی ہے:

امام مالک کو بغداد لانے سے مایوس ہونے کے بعد وہ واپسی میں مکہ معظمہ پہنچا اور اس زمانے میں مکہ کی علمی امامت اور ریاست جن کے ہاتھ میں تھی، یعنی سفیان بن عیینہ ان سے ملا، ملنے کے بعد ان کو حکم دیا، کہ جو کتابیں انہوں نے لکھی ہیں، میرے ساتھ کر دیں، ابن عیینہ نے سارا دفتر ہارون رشید کے لوگوں کے حوالہ کر دیا۔ عراق پہنچ کر جب ہارون نے ان کے کاموں کی جانچ کرائی، تو لکھا ہے کہ نتیجہ بہت مایوس کن نکلا اور ہارون نے بڑے افسوس کے لہجہ میں کہا:

رحم اللہ سفیان تواطأ لنا فلم ننتفع بعلمہ۔ (ج۲ ص۸۸)

سفیان پر خدا رحم کرے، ہمارے ساتھ ہم آہنگی پر آمادہ ہوئے تو ان کے علم سے ہم نفع نہ اٹھا سکے۔

ابن عیینہ کے پاس جو ذخیرہ تھا، وہ احادیث اور صحابہ و تابعین کے آثار تھے، لیکن ان کو سامنے رکھ کر کوئی فقہی قانون مرتب نہیں کیا گیا تھا، جسے حکومت کے طول و عرض میں نافذ کیا جا سکے۔

قاضی ابو یوسف

قاضی ابو یوسف مہدی اور ہادی کے زمانے میں بہت دنوں تک بغداد کے مشرقی خطہ کے قاضی رہے اور یہ عہدہ بھی انہوں نے معاشی تنگ حالی کی بنا پر قبول کیا تھا۔ ابو یوسف اپنے عہدہ قضا کے تعلق سے فرماتے ہیں:

مہدی نے مجھے بغداد کے مشرقی حصہ کا قاضی مقرر کیا، پھر مہدی کا انتقال ہو گیا اور

میں ہادی کی طرف سے قاضی رہا پھر رشید نے بھی مجھے قضا پر بحال رکھا۔

(کردری ج ۲ ص ۱۶۲)

ہارون رشید جب امام مالک اور ابن عیینہ سے مایوس ہو گیا تو اس نے امام ابوحنیفہ کے دو شاگردوں میں سے کسی ایک کو پوری مملکت اسلامیہ کا قاضی القضاۃ بنانے کا ارادہ کیا، ان میں امام زفر بن ہذیل تو کسی قیمت پر حکومت کا کوئی عہدہ قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے، اگرچہ اس کی پاداش میں ان کا گھر منہدم کر دیا گیا۔ ہاں! قاضی ابو یوسف وہ پہلے ہی سے مشرقی بغداد کے قاضی چلے آرہے تھے، ان کے علمی دبدبہ، فقہی وقار اور فیصلوں کی حقانیت، امرا، عوام اور خواص کے درمیان مشہور ہو چکی تھی۔ چنانچہ آپ کو پوری مملکت اسلام کا قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا، ممالک محروسہ کے اندر قاضیوں کا عزل ونصب، ان کی دیکھ ریکھ اور ان کی تربیت کا اختیار آپ کو تفویض کیا گیا۔ چنانچہ مقریزی کا بیان ہے:

فلما قام هارون الرشيد بالخلافة ولى القضاء ابايوسف يعقوب بن ابراهيم احد اصحاب ابی حنيفة رحمة الله عليه بعد سنة سبعين ومائة فلم يقلد بلاد العراق وخراسان والشام ومصر الامن اشاربه القاضی ابويوسف۔ (ج ۴ ص ۱۸۱)

جب خلافت کی گدی پر ہارون رشید آیا، تو اس نے ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم کے سپرد منصب قضا کر دیا، یہ ابو یوسف امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں تھے اور واقعہ ۷۰ اھ کے بعد کا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق، خراسان، شام مصر میں کوئی قاضی مقرر نہیں ہو سکتا تھا، لیکن وہی جس کے متعلق ابو یوسف رائے دیتے۔

حافظ ابن عبد البر کے حوالہ سے قرشی نے نقل کیا ہے:

كان اليه تولية القضاء فی الآفاق من الشرق الی الغرب۔

(جواہر ج ۲ ص ۲۲۰)

قاضی ابو یوسف ہی کے اختیار میں تھا، کہ مشرق سے مغرب تک قاضیوں کا تقرر کریں۔

ہارون رشید کے زمانے میں سب سے پہلی بار یہ عہدہ قائم ہوا اور چیف جسٹس کے عہدہ پر قاضی ابو یوسف اس حیثیت سے فائز ہوئے کہ قاضیوں کا تقرر، خلفا کے ہاتھ سے نکل کر ان کے ہاتھ میں آگیا، اس طرح عدلیہ حکومت کے دباؤ سے تقریباً آزاد ہوگئی۔ اس عہدہ جلیل پر ہارون رشید نے بڑے غور و خوض اور تلاش و جستجو کے بعد ابو یوسف کو تجویز کیا تھا، اس نے اچھی طرح قاضی ابو یوسف کے علم و تقویٰ، دیانت و فراست اور صلاحیت قضا کا اندازہ کر لیا تھا، چنانچہ قاضی ابو یوسف کے بعض حاسدین نے آپ کا غیر معمولی اختیار و اقتدار دیکھ کر جب خلیفہ سے شکایت کی، تو ہارون نے جواب میں کہا:

عن معرفة منی به فعلت ذلك وعن تجربة والله ماامتحنته فی باب من ابواب العلم الا وجدته کاملا فیه ومع ذلك استقامة فی المذهب وصیانة فی الدین هاتو الی مثله۔ (موفق ج۲ص۲۳۲)

میں نے جو کچھ کیا ہے، جان بوجھ کر کیا ہے کافی تجربوں کے بعد میں اس فیصلہ پر پہنچا ہوں، خدا کی قسم علم کے جس باب میں بھی میں نے اس شخص کو جانچا، اس میں کامل اور ماہر پایا، ان علمی امتیازات کے ساتھ ساتھ میں نے مذہب میں اس شخص کے قدم کو استوار پایا ہے، میں آلودگیوں سے اس کے دین کو محفوظ پاتا ہوں۔ آخر کوئی آدمی قاضی ابو یوسف کے جیسا ہو تو پیش کرو۔

امام اعظم کے برگزیدہ فقیہ و مجتہد تلامذہ نے جب عدلیہ کی ذمے داریاں ہاتھوں میں لیں، تو وہ شرعی احکام کے بیان اور فیصلہ مقدمات میں خود کو تمام تر سلطانی اثر سے بے نیاز رکھتے اور حکم وہی سناتے جو اللہ و رسول کی خوشنودی کا سبب ہے، چاہے ان فیصلوں سے خواص و امرا حتی کہ خلفا بھی ناراض کیوں نہ ہو جائیں۔ انہوں نے

حالات کے سانچے میں ڈھلنے کے بجائے حالات کو منہاج شریعت پر چلانے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں امام اعظم کے تلامذہ کے کچھ فیصلے اور خلفاے وقت کے خلاف فیصلہ مقدمات کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں، جو تاریخ اسلام کا بڑا ہی سبق آموز باب ہے۔

خلیفہ ہادی کے زمانے میں جب کہ قاضی ابو یوسف صرف بغداد کے مشرقی خطے کے قاضی تھے، ایک باغ کے معاملہ میں خود ہادی سے کسی آدمی کا جھگڑا تھا، پہلی بات تو یہ ہے کہ ہادی نے حکم دیا کہ مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش ہو، خلیفہ کی طرف سے بعض لوگوں نے قاضی صاحب کے اجلاس میں شہادت ایسی ادا کی، کہ اس شہادت پر اگر بھروسہ کیا جاتا تو باغ خلیفہ ہی کے قبضہ میں رہ جاتا، قاضی ابو یوسف کو تحقیق سے معلوم ہو گیا تھا، کہ دراصل باغ اسی بے چارے کا ہے، جس کے خلاف گواہوں نے گواہی دی ہے، اس وقت ایک تدبیر ان کی سمجھ میں آئی، مقدمہ کو اس وقت تو ملتوی کر دیا، ہادی سے ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا کہیے، اس مقدمہ میں آپ نے کیا فیصلہ کیا، جو میری طرف سے عدالت میں دائر کیا گیا ہے، قاضی صاحب نے کہا جی ہاں! آپ کے گواہوں کی شہادتیں تو گزری ہیں، لیکن فریق مخالف کی طرف سے مطالبہ کیا گیا ہے، مدعی (خلیفہ) سے اس بات پر حلف لیا جائے کہ ان کے گواہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے، سچ بیان کیا ہے، ہادی نے پریشان ہو کر پوچھا، پھر آپ کی کیا رائے ہے، حالاں کہ حنفی مذہب میں مدعی علیہ کو اس قسم کے مطالبہ کا حق نہیں، خود قاضی صاحب کی رائے بھی یہی تھی، لیکن جواب میں خلیفہ سے انہوں نے کہا، کہ ابن ابی لیلیٰ کا فتویٰ یہی تھا، یہ سننے کے ساتھ ہی ہادی نے کہا کہ باغ مدعی علیہ کے حوالے کر دیجیے اور حلف لینے سے اس نے انکار کیا۔ (مناقب ابی حنیفہ ج ۱ ص ۲۷۵)

امام ابو یوسف نے وقت کے سب سے بڑے حکمران کے سامنے بھی اپنے علم و وقار کو اقتدار سے بالا رکھا، ایک مجلس میں خلیفہ ہارون رشید نے قاضی صاحب سے کہا:

اتدری مع من حضرت ؟

تمہیں پتہ ہے کہ تم کس کے ساتھ ہو؟

مقصد اپنے منصب خلافت پر فخر تھا، امام ابو یوسف نے برجستہ جواب دیا آپ کو پتہ ہے، آپ کس کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہارون رشید نے کہا، ہاں! ابو یوسف کے ساتھ امام ابو یوسف نے کہا، اگر آپ کو اپنے نسب پر فخر ہے کہ ہاشمی ہیں تو ہزاروں لوگ آپ کی طرح ہاشمی النسب موجود ہیں اور میں دنیا میں اپنے وقت کا تنہا فرد ہوں، خلیفہ نے کہا کاش کہ میں خلیفہ نہ ہوتا ایک قاضی ہوتا، اور میرے پاس علم کی دولت ہوتی۔

(ایضاص ۲۸۳)

قاضی ابو یوسف جس منصب قضا پر فائز تھے، محض عدالت عالیہ کے حاکم اعلیٰ کا نہ تھا، بلکہ اس کے ساتھ وزیر قانون کے فرائض بھی تفویض کیے گئے، مقدموں کے فیصلے، قضاۃ کے تقرر کے ساتھ ساتھ سلطنت کے تمام داخلی وخارجی معاملات میں قانونی رہنمائی بھی ان کا کام تھا، اس طرح آپ کو ایک وسیع دائرہ عمل میسر آیا، جہاں اس وقت کی سب سے بڑی سلطنت کے معاملات سے عملاً سابقہ درپیش تھا، اس طرح انہیں فقہ حنفی کو واقعی حالات پر منطبق کر کے اسے زیادہ سے زیادہ ایک علمی نظام قانون بنانے کا موقع مل گیا۔

قاضی یحییٰ بن اکثم

عہد مامون کے قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم کا یہ حال تھا، کہ وہ مامون کے دل ودماغ پر چھا گئے تھے، جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے:

اخذ بمجامع قلبه حتى قلده قضاء القضاة وتدبير مملكته فكانت الوزراء لا تعمل فى تدبير الملك شيئا الا بعد مطالعة يحيىٰ بن اكثم (خطيب ص ۱۹۸)

اس نے حکومت کے معاملات میں بھی آپ کو دخیل کرلیا وزراے حکومت کسی تجویز پر اس وقت تک عمل نہ کرتے، جب تک کہ قاضی یحییٰ

بن اکثم کی نظر سے وہ تجویز گزر نہ جائے۔

قاضی یحییٰ بن اکثم نے اپنے اس اقتدار ورسوخ سے حکومت کو ایک ایسے فیصلے سے روک دیا، جس سے معاشرہ میں فحاشی کا بازار گرم ہو جاتا اور بدکرداری کا سیلاب پاکیزہ اسلامی قدروں کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جاتا۔ متعہ جس کی حرمت کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند بار دیا، لوگوں نے خلیفہ مامون کو یہ باور کرایا کہ اس کے جد اعلیٰ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متعہ کو جائز قرار دیتے تھے، چنانچہ اس نے بزور طاقت متعہ کو حدود مملکت میں رائج کرنے کا ارادہ کر لیا، قاضی یحییٰ بن اکثم کو معلوم ہوا تو دربار میں حاضر ہوئے، مامون نے پوچھا آپ کا چہرہ کیوں غمزدہ ہے؟ بولے مسلمانوں کے لیے زنا جب حلال کر دیا جائے تو اس سے زیادہ صدمہ کی بات اور کیا ہو سکتی ہے، زنا کے حلال ہونے کا فتویٰ مامون نے پوچھا قاضی صاحب نے کہا ہاں زنا ہی کا فتویٰ مامون نے کہا تم کس دلیل سے کہتے ہو قاضی نے قرآن کی مشہور آیت تلاوت کی جس میں بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ دوسری عورتوں کو حرام قرار دیا گیا ہے، پھر کہا بتایئے متاعی عورت شرعی لونڈی تو ظاہر ہے کہ نہیں ہے اور ازواج میں بھی اس کو شریک نہیں کر سکتے کیوں کہ قرآن نے زوج کو شوہر کا اور شوہر کو زوج کا وارث قرار دیا ہے، متاعی عورت نہ وارث ہوتی ہے اور نہ متعہ کرنے والا اس کا وارث ہوتا ہے، مامون یہ سن کر حیران رہ گیا، پھر قاضی صاحب نے حضرت علی کی یہ حدیث سنائی، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حضرت علی نے متعہ کی حرمت کو منسوب کیا ہے، مامون نے بروقت رہنمائی کی وجہ سے قاضی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور اپنے ارادے سے باز رہا۔ (خطیب ص ۱۹۸)

قاضی احمد بن بدیل

مرو کے قاضی احمد بن بدیل کی عدالت میں ترکی جنرل بغا کے بیٹے موسیٰ کا ایک مقدمہ پیش ہوا، معاملہ یہ تھا، کہ موسیٰ ایک جائیداد لینا چاہتا تھا، جس میں کسی یتیم کا حصہ

بھی تھا، موسیٰ بن بغا کے سکریٹری عبیداللہ بن سلیمان کا بیان ہے کہ میں نے قاضی ابن بدیل کو باصرار آمادہ کرنا چاہا، کہ موسیٰ کی جلالت قدر کا خیال کرتے ہوئے یتیم کے سلسلے میں ذراسی چشم پوشی سے کام لیں، لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے تب میں نے جھلا کر کہا، قاضی تمہیں معلوم ہے کس کا معاملہ ہے؟ ''انہ موسی بن بغا'' موسیٰ بن بغا کا معاملہ ہے، قاضی نے کہا ''اعزك الله انه تبارك وتعالى'' خدا تیری عزت کو قائم رکھے ادھر تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا معاملہ ہے راوی کہتے ہیں کہ شرم سے میری گردن جھک گئی اور میں نے موسیٰ کے سامنے قاضی کے اس جملہ کو دہرایا تو وہ بھی اس درجہ متاثر ہوا کہ ''انه تبارك وتعالى'' کے الفاظ کو بار بار دہراتا رہا اور روتا رہا۔ (المنتظم ج۵ ص۹)

فقہ حنفی کے اساسی اصول

امام اعظم کا مجتہد مطلق ہونا ایک نا قابل انکار حقیقت ہے، ان کی مجتہدانہ حیثیت کو علما وفقہا نے ہر دور میں تسلیم کیا، اس کے برخلاف آپ کی اجتہادی قوت وصلاحیت کا منکر شاید ہی مل سکے۔ علما وفقہا کا اس بات پر اتفاق ہے، کہ اجتہاد کے مقام پر وہی تبحر عالم فائز ہوسکتا ہے، جو قرآن وحدیث، مذاہب سلف، لغت اور قیاس میں کافی دستگاہ رکھتا ہو، یعنی مسائل شرعیہ کے متعلق جس قدر قرآن میں آیتیں ہیں، جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، لغت کا علم جس قدر درکار ہے، سلف کے جو اقوال ہیں، قیاس کے جو طریق ہیں، سب اچھی طرح جانتا ہو، ان چیزوں میں سے کسی چیز میں کمی ہے، تو وہ مجتہد نہیں۔ اسے دوسرے مجتہدین کی تقلید کرنی چاہیے۔ امام اعظم قرآن وسنت قضایائے صحابہ وتابعین کے اجماع امت، لغت وادب، قیاس ورائے کا مکمل علم رکھتے تھے اور انہوں نے فقہ حنفی کا ایوان انہیں اہم اصولوں پر قائم کیا، ابوجعفر شیرامازی نے بسند متصل امام اعظم کا یہ قول نقل کیا ہے:

كذب والله وافترى علينا من يقول عنا اننا نقدم القياس على النص وهل يحتاج بعدالنص الى قياس وكان رضى الله عنه يقول نحن لانقيس الا عند الضرورة الشديدة وذلك اننا ننظر اولا فى دليل تلك المسئلة من الكتاب والسنة اواقضية الصحابة فان لم نجد دليلا قسنا حينئذ سكوتا عنه على منطوق به بجامع اتحاد العلة بينهما۔ (المیزان ص ۱۱۰)

بخدا وہ شخص جھوٹا ہے اور اس نے ہم پر بہتان لگایا جو کہتا ہے کہ ہم نص پر قیاس کو مقدم کرتے ہیں، کیا نص کے بعد بھی قیاس کی کوئی ضرورت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ہم سخت ضرورت کے وقت ہی قیاس کرتے ہیں، ہم مسئلہ دائرہ میں پہلے کتاب پھر سنت اس کے بعد صحابہ کے فیصلے کو دیکھتے ہیں، اگر ہمیں ان میں کوئی دلیل نہ ملے، تو علت جامعہ کو بنیاد بنا کر حکم منطوق پر حکم مسکوت کو قیاس کرتے ہیں۔

ابو مطیع بیان کرتے ہیں:

كنت يوما عندالامام ابى حنيفة فى جامع الكوفة فدخل عليه سفيان الثورى ومقاتل بن حيان وحماد بن سلمة وجعفر الصادق وغيرهم من الفقهاء فكلمو االامام اباحنيفة وقالو قد بلغنا انك تكثر من القياس فى الدين وانا نخاف عليك منه فان اول من قاس ابليس فناظرهم الامام من بكرة نهار الجمعة الى الزوال وعرض عليهم مذهبه وقال انى اقدم العمل بالكتاب ثم بالسنة ثم باقضية الصحابة مقدما مااتفقوا عليه على مااختلفوا فيه وحينئذ اقيس فقاموا كلهم وقبلوا يده وركبته وقالوا له انت سيد العلماء فاعف عنا فيما مضى منا من وقيعتنا فيك بغير علم فقال غفرالله لنا ولكم اجمعين۔ (ایضا)

ایک دن میں امام اعظم کی بارگاہ میں کوفہ کی جامع مسجد کے اندر حاضر تھا، آپ کے پاس سفیان ثوری، مقاتل بن حیان، حماد بن سلمہ اور جعفر صادق وغیرہ فقہائے کرام تشریف لائے اور انہوں نے امام اعظم سے کہا، ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ دین میں بکثرت قیاس کرتے ہیں، ہمیں آپ کے اوپر

اندیشہ ہے اس لیے کہ سب سے پہلے قیاس ابلیس نے کیا تھا، تو آپ نے ان علما سے جمعہ کی صبح سے لے کر ظہر تک مناظرہ کیا اور اپنے مذہب کو پیش کیا اور فرمایا، میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں، پھر سنت نبوی اور پھر صحابہ کے متفقہ فیصلوں پر اگر ان کے فیصلے باہم مختلف ہوں تو قیاس کرتا ہوں یہ سن کر علمائے کرام کھڑے ہوئے اور آپ کے ہاتھ اور گھٹنوں کو چوما اور فرمایا آپ علما کے سردار ہیں ماضی میں جو کچھ ہم نے آپ کے متعلق ناروا باتیں کہیں وہ لاعلمی تھی، آپ اسے معاف کردیں، آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی مغفرت فرمائے۔

ابو جعفر منصور نے امام ابو حنیفہ سے کہا، مجھے خبر پہنچی ہے، کہ آپ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا، ایسی کوئی بات نہیں ہے:

انما اعمل اولا بکتاب اللّٰہ ثم بسنة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ثم باقضیة ابی بکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللّٰہ عنهم ثم باقضیة بقیة الصحابة ثم اقیس بعد ذلك اذا اختلفوا ولیس بین اللّٰہ وبین خلقه قرابة۔ (ایضاص ۱۱۱)

میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں، پھر سنت رسول پر پھر ابو بکر، عمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے فیصلوں پر پھر بقیہ صحابہ کے فیصلوں پر اس کے بعد قیاس کرتا ہوں اگر یہ لوگ مختلف ہوجائیں اور اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان کوئی قرابت نہیں ہے (اللہ کے دین میں کسی کی رعایت نہیں کی جاتی)

ان شہادتوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ امام اعظم کا فقہی اجتہاد محض قیاس ورائے پر مبنی نہیں جیسا کہ بعض کج فہم لوگ خیال کرتے ہیں، رہی بات سخت ضرورت کے وقت جب نصوص خاموش ہوں، کتاب وسنت میں دوسرے احکام کی

روشنی میں قیاس کو امام اعظم حجت شرعی قرار دیتے ہیں، جب کہ دونوں مسئلوں کی علتیں مشترک ہوں اور ایسا قیاس تو امام صاحب کے علاوہ دوسرے بہت سارے ائمہ مجتہدین نے کیا ہے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی تحریر کرتے ہیں:

لا خصوصية للامام ابی حنيفة فی القياس بشرط المذكور بل جميع العلماء يقيسون فی مضايق الاحوال اذا لم يجدوا فی المسئلة نصا من كتاب ولاسنة ولا اجماع ولا اقضية الصحابه وكذلك لم يزل مقلدهم يقيسون الی وقتنا هذا فی مسئلة لا يجدون فيها نصا من غير نكير فيما بينهم بل جعلوا القياس احدالادلة الاربعة فقالو الكتاب والسنة والاجماع والقياس وقد كان الامام الشافعی يقول اذا لم نجد فی المسئلة دليلا قسناها علی غيرها۔ (المیزان ص ۱۱۲)

شرط مذکور کے ساتھ قیاس کرنا تنہا امام اعظم کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ تمام علما جب پیش آمدہ مسئلہ میں کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع امت اور صحابہ کے فیصلوں میں صراحت نہیں پاتے تو اس مشکل وقت میں قیاس کرتے ہیں، اسی طرح بلا اختلاف آج تک مقلدین ہر اس مسئلہ میں قیاس کرتے ہیں، جس میں نص نہیں پاتے بلکہ ائمہ نے تو قیاس کو چار دلائل میں سے ایک دلیل قرار دیا ہے، چنانچہ ان لوگوں نے کہا فقہ کی بنیاد کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع امت اور قیاس پر ہے۔ امام شافعی کہا کرتے تھے، جب ہم کسی مسئلہ میں کوئی دلیل نہیں پاتے تو اس مسئلہ کو دوسرے مسائل پر قیاس کرتے ہیں۔

ذیل میں امام اعظم کے مجتہدات کے بنیادی اصول پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) اللہ کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید فرقان حمید (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اقوال وافعال وتقریرات (۳) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اور ان کے فتاوی (۴) اجماع یعنی اہل علم کا کسی دور میں کسی مسئلہ پر اتفاق کرلینا (۵) قیاس یعنی کسی ایسے مسئلہ کا حکم جس کا بیان نہیں آیا ہے کسی ایسے مسئلہ سے نکالنا جس کا حکم معلوم ہو۔ (۶) استحسان علما نے فرمایا ہے، قیاس کی ایک قسم جلی اور واضح ہے اور اس کا اثر ضعیف ہوتا ہے اور دوسری قسم خفی اور غیر واضح ہے، لیکن اس کا اثر قوی ہوتا ہے پہلی قسم کو قیاس کہتے ہیں اور دوسری قسم کو استحسان (۷) وہ مروج طریقہ ہے جس پر بندگان خدا کا تعامل ہو۔

علامہ ابن حجر ہیتمی نے لکھا ہے:

اعلم انه يتعين عليك ان لا تفهم من اقوال العلماء عن ابی حنيفة واصحابه انهم اصحاب الرای ان مرادهم بذلك تنقيصهم ولا نسبتهم الى انهم يقدمون رايهم على سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا على قول اصحابه انهم براء من ذلك فقد جاء عن ابی حنيفة من طرق كثيرة ماملخصه انه اولا ياخذ بما فی القرآن فان لم يجد فبالسنة فان لم يجد فبقول الصحابة فان اختلفوا اخذ بما كان اقرب الى القرآن اوالسنة من اقوالهم ولم يخرج عنهم فان لم يجد لاحد منهم قولا لم ياخذ بقول احد من التابعين بل يجتهد كما اجتهدوا۔ (الخیرات الحسان ص ۶۲)

جان لو علما کی اس بات سے کہ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اہل رائے ہیں کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ علما نے ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کی تنقیص کی ہے یا یہ نہ سمجھ لے کہ یہ حضرات اپنی رائے کو سنت پر ترجیح دیتے ہیں کیوں کہ حضرت امام ابو حنیفہ سے یہ بات متعدد طریقوں سے کثرت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ پہلے قرآن مجید سے لیتے ہیں، اگر قرآن میں حکم نہیں ملتا ہے تو سنت سے

لیتے ہیں اور اگر سنت میں نہ ملا تو حضرات صحابہ کا قول لیتے ہیں اور اس قول کو لیتے ہیں جو قرآن یا سنت کے زیادہ قریب ہو اور اگر صحابہ کا قول نہیں ملتا تو آپ تابعین کے قول کے پابند نہیں رہتے بلکہ آپ بھی اجتہاد کرتے ہیں جیسا کہ تابعین نے اجتہاد کیا ہے۔

عبداللہ بن مبارک نے ابوحنیفہ سے روایت کی ہے:

عجبا للناس یقولون افتی بالرای ما افتی الا بالاثر (ایضا)

لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ میرے متعلق کہتے ہیں کہ میں اپنی رائے پر فتویٰ دیتا ہوں میں تو اثر پر فتویٰ دیتا ہوں۔

ابن مبارک نے امام اعظم سے یہ بھی روایت کی ہے:

لیس لاحد ان یقول برائه مع کتاب اللّٰه تعالیٰ ولا مع سنة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ولا مع ما اجمع علیه اصحابه واما ما اختلفوا فیه فنتخیر من اقاویلهم اقرب الی کتاب اللّٰه تعالیٰ او الی السنة ونجتهد وما جاوز ذلك فالاجتهاد بالرای لمن عرف الاختلاف وقاس وعلی هذا کانوا۔ (ایضاص ۶۳)

کتاب اللہ میں حکم ہوتے ہوئے کسی کو اپنی رائے سے بولنے کا حق نہیں ہے اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ہوتے ہوئے کسی کو بولنے کا حق نہیں ہے اور اسی طرح حضرات صحابہ کے اجماع کے ہوتے ہوئے کسی کو بولنے کا حق نہیں البتہ جس امر میں صحابہ کا اختلاف ہوا ہے تو ہم اس قول کو لیتے ہیں جو قرآن کے قریب تر ہو اس کے بعد ہی قیاس کیا جاتا ہے اور اپنی رائے سے اجتہاد وہ شخص کر سکتا ہے جس کو اختلاف کا علم ہو اور قیاس کو جانتا ہو اسی پر ائمہ کا عمل تھا۔

وسمعه رجل يقايس آخر فى مسئلة فصاح دعوا هذه المقايسة فان اول من قاس ابليس فاقبل اليه ابوحنيفة فقال يا هذا وضعت الكلام فى غير موضعه ابليس رد بقياسه على الله تعالىٰ امره كما اخبر تعالىٰ عنه فى كتاب فكفر بذلك وقياسنا اتباع لامر الله تعالىٰ لاننا نرده الى كتابه وسنة رسوله او اقوال الائمة من الصحابة والتابعين فنحن ندور حول الا تباع فكيف نساوى ابليس لعنه الله فقال له الرجل غلطت وتبت فنور الله قلبك كما نورت قلبى۔(ایضا)

ایک دن ابوحنیفہ کسی سے قیاس کے سلسلے میں گفتگو کر رہے تھے، وہاں ایک شخص بیٹھا تھا وہ چلا کر بولا اس قیاس بازی کو چھوڑ دو کیوں کہ پہلا قیاس ابلیس نے کیا تھا حضرت امام نے اس سے کہا، ابلیس نے اپنے قیاس سے اللہ کے حکم کو رد کیا ہے، جس کا بیان اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے، لہذا ابلیس کافر ہوا اور ہمارا قیاس اللہ کے امر کی پیروی کے لیے ہے کیوں کہ ہم مسئلہ کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت اور ائمہ صحابہ وتابعین کے اقوال کی طرف لے جا رہے ہیں، ہم فرماں برداری کے سلسلے میں گھوم رہے ہیں، بھلا ہم کس طرح ابلیس ملعون کے مساوی ہو سکتے ہیں، یہ سن کر اس شخص نے کہا مجھ سے غلطی ہوگئی، میں توبہ کرتا ہوں اللہ آپ کے دل کو منور کرے جس طرح آپ نے میرے دل کو منور کیا۔

کتاب اللہ

قرآن حکیم دین اسلام کی دستوری وآئینی کتاب ہے، جو اعتقادیات، عملیات، نصائح واقعات کا مجموعہ ہے، جس سے دین وشریعت کے احکام حاصل کیے جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّرَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۔ (النحل ۸۹/۱۶)

ہم نے تم پر کتاب اتاری ہے جو دین کی ہر بات بیان کرتی ہے اور ہدایت، رحمت، بشارت ہے مسلمانوں کے لیے۔

قاضی بیضاوی اس آیت کریمہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

بیانا بلیغا من امور الدین علی التفصیل اوالاجمال بالاحالة الی السنة والقیاس۔ (بیضاوی شریف ج ۱ ص ۵۵۴)

قرآن دینی امور میں سے ہر چیز کا پورا بیان، تفصیلاً یا اجمالاً یا سنت اور قیاس کے حوالے کے ذریعہ۔

ائمہ مجتہدین نے فقہ اسلامی کی اساس قرآن حکیم کو قرار دیا، کیوں کہ فقہ کا بنیادی ماخذ قرآن کریم ہی ہے، یہ اصول وکلیات کی کتاب ہے، جس میں الٰہی حکمت عملی اور دستور سے بحث ہے، جزوی قوانین کی تفصیل بہت کم ہے علامہ شاطبی کہتے ہیں:

القرآن علی اختصاره جامع ولایکون جامع الا والمجموع فیه امور کلیات لان الشریعه تمت بتمام نزوله لقوله تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم۔

قرآن حکیم مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے اور یہ جامعیت اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ اس میں کلیات بیان ہوئے ہوں کیوں کہ شریعت اس کے نزول کے ساتھ کامل ہوگئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ (الموافقات ج ۳ ص ۳۶۷)

فقہا ومجتہدین نے قرآن حکیم کی پانچ سو آیات کریمہ سے فقہی احکام ومسائل مستنبط کیے ہیں اور قرآن سے استنباط مسائل کے لیے فقیہ ومجتہد درج ذیل امور کو مدنظر رکھتا ہے۔

(۱) ناسخ و منسوخ کا علم (۲) مجمل و مفسر کا علم (۳) خاص و عام کا علم (۴) محکم و متشابہ کا علم (۵) اس بات کا علم بھی ضروری ہے کہ عمل میں لانے کی جو باتیں ہیں وہ کس درجے کی ہیں فرض، واجب، سنت، مستحب وغیرہ اور نہ کرنے کے متعلق جو ہیں ان کی کیا نوعیت ہے، حرام و مکروہ وغیرہ (عقد الجید ص ۶)

قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے جو فصاحت و بلاغت میں آپ ہی اپنی مثال ہے، اس مبارک کتاب سے وہی شخص حکم بیان کرسکتا ہے جو علوم عربیہ سے پوری طرح واقف ہو خاص و عام، مشترک و مؤول کو پہچانتا ہو اور ظاہر و نص کی تمیز کرتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ یہ مفسر ہے یا محکم اور اس کا جو بیان کیا گیا ہے وہ حقیقی ہے یا مجازی اور وہ صریح ہے یا کنائی اور جو استدلال کیا گیا ہے وہ نص عبارت ہے یا اشارہ ہے وہ دلالت و اقتضاء کے فرق کو بھی سمجھتا ہو۔

سنت

قرآن حکیم کے بعد فقہ اسلامی کا ماخذ و مصدر حدیث و سنت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور تقریرات پر مشتمل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث قرآن کے اجمالی بیان کی تفصیل ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ (النحل: ۱۶ / ۴۴)

اور ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) نازل کیا تاکہ جو تعلیم لوگوں کی طرف بھیجی گئی ہے وہ ان پر واضح کردیں اور تاکہ وہ لوگ غور و فکر کریں۔

حدیث رسول کے حجت شرعی ہونے کا ثبوت قرآن حکیم کی متعدد آیتوں سے عیاں ہے چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

(الحشر: ۵۹/۷)۔

رسول جو تمہیں دیں لے لو جس سے منع کریں باز آ جاؤ۔
خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:
ما امرتکم به فخذوه وما نهیتکم عنه فانتهوا (ابن ماجہ ص ۲)
میں تمہیں جس چیز کا حکم دوں اسے بجالاؤ اور جس سے روک دوں اس سے باز آ جاؤ۔

امت اسلام کا یہ متفقہ اجماعی مسئلہ ہے کہ قرآن کے بعد حدیث رسول حجت شرعی ہے، قرآن حکیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا غیر مشروط حکم دیا گیا ہے، حضرت ابوبکر صدیق حدیث رسول کو حجت شرعی تسلیم کرتے تھے اور اس کی روشنی میں فیصلے صادر فرماتے:

کان ابوبکر اذورد علیه حکم نظر فی کتاب اللّٰه تعالیٰ فان وجد فیه مایقضی به قضی به وان لم یجد فی کتاب اللّٰه نظر فی سنة رسول اللّٰه فان وجد فیها مایقضی به قضی به فان اعیاه ذلك فسال الناس هل علمتم ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قضی فیه قضاء فربما قام الیه القوم فیقولون قضی فیه بکذا وکذا. (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱)

حضرت ابوبکر کے سامنے جب کوئی قانونی معاملہ آتا تو وہ قرآن حکیم میں اس کا حل تلاش کرتے اگر وہاں نہ ملتا تو سنت کی طرف رجوع کرتے اگر سنت میں بھی نہ ملتا تو لوگوں سے دریافت کرتے کہ اس معاملے میں رسول اللہ کے فیصلہ کا کس کو علم ہے بسا اوقات صحابہ میں کچھ لوگ بتا دیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں یہ فیصلہ فرمایا ہے۔

حضرت ابوبکر کے علاوہ حضرت عمر، عثمان، علی اور دیگر صحابہ و تابعین کا یہی طرز عمل رہا جسے امام اعظم ابوحنیفہ نے اختیار فرمایا اور وہ صحیح حدیث کے مقابلے میں اپنی رائے کو ترجیح

نہیں دیتے تھے۔

حسن بن صالح کہتے ہیں:

کان ابوحنیفة شدیدالفحص عن الناسخ من الحدیث والمنسوخ فیعمل بالحدیث اذاثبت عنده عن النبی صلی اللہ علیه وسلم وعن اصحابه وکان عارفا بحدیث اهل الکوفة وفقه اهل الکوفة شدید الاتباع لما کان علیه الناس ببلده وکان یقول ان لکتاب اللہ ناسخا ومنسوخا وان للحدیث ناسخا ومنسوخا وکان حافظا لفعل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الاخیر الذی قبض علیه مما وصل الی اهل بلده. (مناقب موفق ج ا ص ۸۹)

ابو حنیفہ ناسخ اور منسوخ حدیثوں کی شدت کے ساتھ جستجو کرتے تھے، وہ حدیث پر عمل کرتے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے ثابت ہو جاتی تھی اور آپ اہل کوفہ کی حدیث اور ان کی فقہ کے عارف تھے اور اپنے شہر والوں کے طریقہ کے سختی کے ساتھ پابند تھے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ کتاب اللہ میں ناسخ و منسوخ ہے اور حدیث میں بھی ناسخ و منسوخ ہے اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل پر جس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تھی نظر رکھتے تھے ان افعال میں سے جو ان کے شہر والوں کو پہنچا۔

اقوال صحابہ

اقوال صحابہ بھی امام اعظم کے نزدیک مصدر شریعت ہیں، ان کا ارشاد ہے:

"اذا جاء عن الصحابة تخیرنا" "جب ہمارے پاس صحابہ کے اقوال آجائیں تو ہم ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں گے، اگر کتاب اللہ میں اور سنت

رسول میں حکم نہیں ملتا تو میں صحابہ کے اقوال میں سے کسی کا حکم لیتا ہوں اور ان کے دائرہ اقوال سے باہر نہیں نکلتا ہوں۔

حنفی اصول فقہ کی کتابوں میں بھی اسے تسلیم کیا گیا ہے۔ امام سرخسی لکھتے ہیں:

عن ابی سعید البردعی انه کان یقول قول واحد من الصحابة مقدم علی القیاس یترك القیاس بقوله وعلی هذا ادرکنا مشائخنا۔ (اصول سرخسی ج ۲ ص ۱۰۵)

ابوسعید بردعی کہا کرتے تھے، کہ صحابہ کرام کا قول قیاس پر مقدم ہے اور صحابی کے قول کی موجودگی میں قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے اور اسی پر ہم نے اپنے مشائخ کو پایا ہے۔

امام اعظم کے نزدیک اقوال صحابہ قیاس واجتہاد پر مقدم ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بات کا امکان واحتمال موجود ہے، کہ صحابی نے جو بات کہی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو کیوں کہ صحابہ کی عادت تھی کہ ان میں سے جس کے پاس کوئی نص ہوتی وہ کبھی تو اسے نقل کر دیتا اور کبھی نقل کیے بغیر اس کے مطابق فتویٰ دیتا تھا۔

شمس الائمہ سرخسی نے کہا ہے کہ دلائل سے ثابت ہے کہ حضرات صحابہ کے اقوال کا لینا ہر حال میں واجب ہے، اللہ نے فرمایا ہے:

والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان۔ (توبہ، آیت ۱۰۱)

اور جو لوگ قدیم ہیں پہلے وطن چھوڑنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے بعد نیکی میں ان کی اتباع کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہاجر اور انصار صحابہ کی مدح کی ہے اور ان لوگوں کی مدح کی ہے جنہوں نے ان حضرات کی پیروی کی ہے ان کی پیروی کرنی مدح کا سبب ہے اور اس مدح اور پیروی کی وجہ سے اللہ ان

کی اتباع کی طرف بلاتا ہے اور یہ اتباع اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ دین میں ان کی رائے کی پیروی کی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: انا امان لاصحابی واصحابی امان لامتی۔

میں اپنے صحابہ کے واسطے امان ہوں اور میرے صحابہ میری امت کیلئے امان ہیں۔

اجماع

فقہ حنفی کا تیسرا ماخذ اجماع ہے۔ فقہا کی اصطلاح میں اجماع کسی معاملے میں اہل حل وعقد کے اتفاق کو کہتے ہیں، چنانچہ اصول کی کتابوں میں یہ تعریف مذکور ہے:

وهو اتفاق اهل الحل والعقد من امة محمد صلى الله عليه وسلم على امره من الامور۔ (منہاج الاصول)

امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارباب حل وعقد کا کسی امر پر متفق ہوجانا۔

چنانچہ تمام فقہا کے نزدیک اجماع حجت شرعی ہے اس کا حجت ہونا حدیث واثر سے ثابت ہے۔ حدیث نبوی ہے:

لا تجتمع امتي على ضلالة (تلخیص الحبیر ص۲۸۹)

میری امت گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی۔

اور ارشاد گرامی ہے:

ماراى المسلمون حسنا فهو عندالله حسن۔ (ایضاً ص۵۴۳)

جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

امام شافعی نے روایت کی ہے:

الا فمن سره بحبحة الجنة فليلزم الجماعة فان الشيطان مع الفذ وهو من الاثنين ابعد۔ (الرسالہ ص۴۷۴)

سمجھ لو جس کو جنت کی راحت پسند ہو وہ جماعت سے لگا رہے اکیلے کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور وہ دو سے دور رہتا ہے۔

حضرت ابوبکر فیصلہ طلب امور میں اہل علم کا جس بات پر اجماع ہوتا، اسے قبول فرمالیتے، حضرت عمر نے کوفہ کے قاضی شریح کو لکھا تھا:

فان جائك مالیس فی کتاب الله ولم یکن فیه سنة من رسول الله صلی الله علیه وسلم فانظر مااجتمع علیه الناس فخذ به۔ (سنن دارمی ج ۱ ص ۷۱)

اگر تیرے پاس ایسا معاملہ آجائے جس کا حکم قرآن میں مذکور نہ ہو اور اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت معلوم نہ ہو تو جس حکم پر لوگوں (اہل علم) نے اتفاق کرلیا ہو اسے تلاش کر کے اسی کے مطابق فیصلہ کرلیا کرو۔

حنفی اصول فقہ کے امام فخر الاسلام بزدوی فرماتے ہیں، اجماع سے ثابت شدہ حکم پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور اس پر عمل کرنا بھی لازم ہے اور قطعی اجماع سے انکار کفر ہے۔ (اصول البزدوی ص ۲۴۵)

امام صاحب نہ صرف یہ کہ اجماع کو حجت اور ماخذ شریعت تسلیم کرتے تھے، بلکہ آپ کی فقہ کی تدوین اجتماعی بحث وتدقیق کے طریقے پر ہوتی تھی اور آپ انفرادی رائے پر اجتماعی اجتہاد کو ترجیح دیتے تھے، کیوں کہ حضرت علی کے ایک سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

شاوروا فیه الفقهاء العابدین ولا تمض فیه رای خاصة۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۸)

ایسے معاملے میں جس کے متعلق قرآن وسنت سے کچھ معلوم نہ ہوسکے تو تم عبادت گزار فقہا سے مشورہ کرلیا کرو اور کسی کی ذاتی رائے پر نہ چلو۔

قیاس

قیاس کا لغوی معنی اندازہ کرنا اور اصطلاح میں علت کو مدار بنا کر سابقہ فیصلہ اور نظیر

کی روشنی میں نئے مسائل حل کرنے کو قیاس کہتے ہیں۔ چنانچہ نورالانوار میں ہے:

تقدیر الفرع با لاصل فی الحکم والعلة.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل کو حاکم بنا کر یمن بھیجنے کا قصد فرمایا آپ نے معاذ سے کہا "بما تقضی" "تم حکم کس سے کرو گے؟ عرض کی کتاب اللہ سے آپ نے فرمایا "فان لم تجد" اگر کتاب اللہ میں حکم نہ ملا؟ عرض کی رسول اللہ کی سنت سے۔ آپ نے فرمایا "فان لم تجد" اگر تم کو سنت رسول میں حکم نہ ملا؟ عرض کی "اجتهد برائی" اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، یہ سن کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحمد للہ الذی وفق رسول رسوله بما یرضی به رسوله

حمد ہے اس اللہ کے لیے جس نے اپنے رسول کے قاصد کو توفیق اس بات کی دی کہ وہ اللہ کے رسول کو راضی کرے۔

شریعت کے احکام کی علتوں کا معلوم کرنا آسان کام نہیں ہے اس کے لیے اسباب نزول معلوم کرنا الفاظ کا عبارات کا اشارات کا سمجھنا ضروری ہے۔ شریعت کے احکام میں دینی اور دنیوی فوائد مضمر ہیں، علل کے معلوم کرنے سے ان فوائد سے استفادہ کا موقع ملتا ہے۔

قیاس کی حجیت پر روشنی ڈالتے ہوئے امام سرخسی فرماتے ہیں:

مذهب الصحابة ومن بعد هم من التابعين والصالحين والماضين من ائمة الدين جواز القياس بالرای علی الاصول التی تثبت احکامها بالنص لتعدية حکم النص الی الفرع جائز مستقیم یدان الله به وهو مدرك من مدارك احکام الشرع ولکنه غیر صالح لاثبات الحکم به ابتداء.

(اصول السرخسی ۲ ص ۱۱۸)

صحابہ، تابعین وصالحین اور ائمہ دین کا مسلک یہ ہے کہ ان اصولوں پر قیاس کرنا جن کے احکام بعض سے ثابت ہوں جائز ہے تاکہ نص کا حکم فروع پر نافذ کر دیا جائے، جس کے ذریعہ اللہ کی اطاعت کی جاتی ہے اور یہ شرعی احکام کے مآخذ میں سے ایک ماخذ ہے، لیکن قیاس ورائے میں ابتداء حکم کے اثبات کی صلاحیت موجود نہیں ہے۔ قیاس کا رکن اصلی علت ہے اور علت وہ وصف ہے جو حکمت ومصلحت پر مشتمل ہو، جس کی بنا پر اصل کا حکم فرع پر جاری کیا جاسکتا ہے۔

مصادر شرعیہ میں قرآن وسنت اور اجماع اصول وکلیات ہیں جو اپنے ظاہری معنی میں محدود ہیں اور دوسری طرف معاشرہ کے پھیلاؤ کی وجہ سے نت نئے پیش آنے والے معاملات ومسائل ہیں ایسی صورت میں فطری طور پر اصول وکلیات اور تصریحی احکام کے عقلی مفہوم میں غور وفکر اور ان کی روح اور مغز سے واقفیت حاصل کر کے اس حد تک ان کے دامن کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے کہ ہر دور کے تقاضوں کو وہ اپنے اندر سمیٹ سکیں۔

خود صحابہ کرام نے ان مسائل میں اپنی رائے سے فتویٰ دیا، جن میں قرآن وسنت کی نص صریح موجود نہیں تھی۔ حضرت ابو بکر نے کلالہ کے بارے میں فرمایا:

اقول فیھا برائی فان یکن صوابا فمن اللہ وان یکن خطا فمنی ومن الشیطان۔

میں اپنی رائے سے یہ بات کہتا ہوں اگر وہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ (منہاج الاصول بیان قیاس)

حضرت عمر سے ایک موقع پر حضرت عثمان نے کہا:

ان اتبعت رایك فسدید وان اتبعت رای من قبلك فنعم

الرای. (ایضا)

اگر آپ اپنی رائے کی اتباع کریں تو ٹھیک ہے اور اگر اپنے پیش رووں کی اتباع کریں تو اور بہتر ہے۔

حضرت عمر نے ابو موسی اشعری کو بصرہ کی امارت پر مقرر کرتے وقت حکم دیا تھا:

اعرف الاشباہ والنظائر وقس الامور برایك. (ایضا)

پیش آمدہ مسائل کے مشابہ فیصلہ اور نظیروں کی معرفت حاصل کرو اور ان پر اپنی رائے سے قیاس کرو۔

امام اعظم سلف کی طرح جب کتاب وسنت اور اقوال صحابہ میں مسئلہ کا حل نہ پاتے تو اجتہاد کرتے اور پیش آمدہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غائرانہ نظر ڈالتے، کبھی قیاس کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی استحسان پر عمل کرتے، لوگوں کی مصلحت اور عدم حرج آپ کے رہنما اصول تھے جنہیں کسی وقت نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔

استحسان

استحسان فقہ حنفی کا ایک اصول ہے، فقہا کی اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے کہ مسئلہ کے دو پہلو میں ایک کو کسی معقول دلیل کی بنا پر ترجیح دینا۔ اس کی تعریف میں فقہا کے مختلف الفاظ ہیں مگر سب کا مآل ایک ہی ہے۔

العدول عن قیاس الی قیاس اقوی. (کتاب التحقیق)

ایک قیاس کو چھوڑ کر اس سے زیادہ قوی قیاس اختیار کرنا۔

الاستحسان ترك القیاس بما ھو ارفق للناس (المبسوط ج ۱۰ ص ۱۴۵)

قیاس کو ترک کر کے اس حکم کو اخذ کرنا جو لوگوں کے لیے زیادہ سازگار رہو استحسان کہلاتا ہے۔

طلب السھولۃ فی الاحکام فیما یبتلی فیہ الخاص والعام

(ایضا)

ان احکام میں جو خاص عام سب کو پیش آتے ہیں، ان میں آسانی تلاش کرنا۔

استحسان درپیش مسائل کے حل کے لیے اسلامی شریعت کے مصادر و مآخذ میں سے ایک ہے، اس کی طرف اس وقت رجوع کیا جائے گا، جب عمومی احکام، عمومی نصوص یا قیاس کے ظاہری معنی پر عمل کرنے سے مقاصد شریعت میں سے کوئی مقصد متاثر ہو رہا ہو تو اس صورت میں متبادل شرعی دلیل پر عمل کر کے حکم اخذ کیا جائے گا۔

بحیثیت مجموعی استحسان کی ضرورت تین صورتوں میں پیش آتی ہے (۱) موقع و محل کا تعین (۲) نئے مسائل کی تحقیق (۳) دفع مشقت۔

اللہ تعالیٰ خود انسانوں کے۔لیے آسانی چاہتا ہے، فرماتا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (البقرہ:۲ / ۱۸۵)

اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

خیر دینکم الیسر (المبسوط ج۱۰ بحث استحسان)

تمہارے دین کی بہتری آسانی میں ہے۔

حضرت علی اور معاذ بن جبل کو یمن بھیجتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یسرا ولاتعسرا قربا ولاتنفرا۔ (مسند احمد)

آسان کرنا مشکل میں نہ ڈالنا لوگوں کو قریب لانا ان کو متنفر نہ کرنا۔

وضاحت کے لیے ایک مسئلہ لکھا جاتا ہے:

شکاری پرندوں کا جوٹھا پانی نجس ہے یا نہیں قیاس کی رو سے پانی نجس ہے کیوں کہ شکاری پرندوں کا حکم شکاری چوپایوں کا ہے دونوں کا گوشت نجس ہے لہٰذا دونوں کا جوٹھا پانی نجس ہونا چاہیے لیکن "یسروا ولا تعسروا" کے پیش نظر شکاری پرندوں

کا جوٹھا پانی نجس نہیں ہے کیوں کہ پرندہ چونچ سے پانی پیتا ہے اور چونچ میں اس کا لعاب نہیں ہوتا ہے برخلاف چوپائے کے کہ وہ ہونٹوں اور زبان سے پانی پیتا ہے اس کا لعاب پانی میں ملتا ہے اور پانی نجس ہو جاتا ہے لہٰذا شکاری پرندہ کا پانی کراہت کا متحمل ہے نجس نہیں ہے۔

تعامل وعرف

امام موفق سہل بن مزاحم سے روایت کرتے ہیں:

کلام ابی حنیفة اخذ بالثقة وقرار بالقبح والنظر فی معاملات الناس وما استقاموا علیه وصلحت عنه امورهم.

ابوحنیفہ کی بات یہ تھی کہ وہ مستند اور صحیح کو لیتے تھے اور برے سے دور رہتے تھے اور لوگوں کے معاملات پر نظر رکھتے تھے اور دیکھتے تھے کہ ان کا صحیح رویہ کیا ہے اور ان کے امور کس پہلو پر درست ہوتے ہیں۔

یمضی الامور علی القیاس فاذاقبح القیاس یمضیها علی الاستحسان ما دام یمضی له فاذا لم یمض له رجع الی ما یتعامل به السلون.

حضرت امام قیاس کر کے مسئلہ حل کرتے تھے اور جب قیاس میں قباحت پیدا ہوتی تھی، استحسان سے حل کرتے جب تک کہ استحسان ساتھ دیتا تھا اور جب معاملہ حل نہ ہوتا آپ مسلمانوں کے طور طریقوں اور ان کے تعامل کی طرف رجوع کرتے۔

اس بیان سے دو باتیں ثابت ہوئیں کہ پہلے آپ قیاس اور استحسان سے مسئلہ حل کرنے کی سعی کرتے اور قیاس واستحسان سے راہ سہولت نہیں نکلتی، تو آپ لوگوں کے تعامل اور عرف سے مسئلہ حل کرتے تھے۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ اصول ستہ (چھ اصول) کے بعد عرف سے حضرت امام استدلال کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے ارشاد:

وما رای المسلمون حسنا فهو عند الله حسن۔

جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے۔

سے عرف کا دلیل ہونا ثابت کرتے ہیں۔ (موفق بحوالہ سوانح بے بہا ص ۱۲۳)

فقہ حنفی کے ناقلین

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قانون ساز مجلس میں جو اسلامی احکام و مسائل مرتب و مدون ہوئے انہیں آپ کے شاگرد قلم بند کیا کرتے اور اسے انہوں نے دوسروں تک پہنچانے کی سعی بلیغ کی، تلامذہ آپ کی مرویات کے ناقل ہوئے، ان میں سے ہر ایک ثقہ اور صاحب علم و فضل تھا، اس لیے ان کی مرویات پر اہل علم نے ہر دور میں اعتماد کیا، آپ کے فقہی آرا اور مسلک کو نقل کرنا بلاشبہ ایک عظیم خدمت دین ہے، جس کے ذریعے عالم اسلام میں فقہ حنفی کی اشاعت ہوئی مجلس درس اور مجلس قانون ساز میں ہزاروں تلامذہ شریک ہوئے، ان میں سے بعض نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر زانوے ادب تہہ کیا، کچھ نے عرصہ تک کسب فیض کیا اور آپ کا طریق و منہاج اخذ کرنے کے بعد وطن لوٹ گئے۔ بعض مستقلاً وابستہ دامن رہے اور تاحین حیات آپ کو چھوڑ کر نہ گئے ایسے چھتیس نامور تلامذہ کے بارے میں امام صاحب نے ایک بار ارشاد فرمایا:

هؤلاء ستة وثلاثون رجلا منهم ثمانية وعشرون يصلحون للقضاء وستة يصلحون للفتوىٰ واثنان ابويوسف وزفر يصلحان لتاديب القضاة وارباب الفتوىٰ. (ابوحنیفہ، ابوزہرہ ص ۱۷۲)

یہ چھتیس آدمی ہیں، ان میں سے اٹھائیس قاضی بننے کے لائق ہیں، چھ مفتی بننے کے لائق ہیں اور ابویوسف، زفر قاضیوں اور مفتیوں کی تادیب و اصلاح کی قابلیت رکھتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ جن تلامذہ کو آپ نے قاضی، مفتی اور ان کے مربی بننے کے

لائق بتایا ہے، ان کا علمی ذوق آپ کی زندگی میں اتنا کامل و پختہ ہو چکا تھا، کہ یہ لوگ بخیر وخوبی قضا وافتا اور قضاء القضاۃ کے مناصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتے تھے، چنانچہ امام صاحب کی وفات کے بعد جب حکومت اسلامیہ کے بلاد وامصار کی قضا کے عہدے ان شاگردوں کو پیش کیے گئے، تو انہوں نے بحسن وخوبی امام صاحب کے مدونہ قانون اسلامی اور اصول شریعت کی بنیادوں پر فتوے دیے، مقدمات کے فیصلے کیے اور ساتھ ہی اپنے زیر درس تلامذہ کو فقہ حنفی کے اصول وآئین اور امام اعظم کے فقہی اقوال وآرا سے روشناس کرایا، اس طرح مملکت اسلامیہ کے طول وعرض میں فقہ حنفی خوب شائع وذائع ہوا۔ خصوصیت کے ساتھ قاضی ابو یوسف جب قضاء القضاۃ کے عہدے پر فائز ہوئے تو انہوں نے قاضیوں کی تعلیم وتربیت امام اعظم کے وضع کردہ قواعد فقہ وافتا کی روشنی میں کی، اس طرح ابو یوسف کی درسگاہ سے جو قاضی اور مفتی بھی پیدا ہوا، وہ مسلک ابوحنیفہ کا ترجمان اور اس کا معتبر ناقل بنا، یہ سلسلہ امام صاحب کے تلامذہ ہی تک محدود نہیں رہا، بلکہ چراغ سے چراغ جلتے رہے اور ان شاگردوں کے شاگرد اور پھر ان کے شاگرد صدیوں تک اسلامی بلاد وامصار میں فقہ حنفی کی ترویج واشاعت کا مہتم بالشان فریضہ انجام دیتے رہے۔

ذیل میں ان اہم شاگردوں کے مختصر حالات زندگی اور علمی کمالات پیش کیے جائیں گے جو فقہ حنفی کے راوی وناقل اور اس کی اشاعت میں جن کا اہم کردار رہا ہے۔

(۱) قاضی ابو یوسف رضی اللہ عنہ ۹۳ھ تا ۱۸۲ھ

ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب کے جد اعلی سعد بن حتبہ صحابی رسول تھے، قاضی ابو یوسف کو قدرت نے ذہن رسا اور شوق علم سے حظ وافر عطا فرمایا تھا، مگر ابتدا میں والد کے ساتھ کسب معاش کی مصروفیات کی بنا پر تحصیل علم کا موقع نہ ملا، فرصت کے جو اوقات میسر آتے محمد بن ابی لیلیٰ کی درسگاہ میں شریک ہوتے یہ سلسلہ تقریباً آٹھ سال

تک جاری رہا، اس کے بعد امام اعظم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور یہ مجلس ان کو اتنی پسند آئی، کہ ہمیشہ کے لیے اسی سے وابستہ ہو کر طلب علم میں منہمک ہو گئے، ان کے والد نے جب یہ حال دیکھا، تو ایک دن امام صاحب کے حلقہ درس میں پہنچے اپنے فرزند کو زبردستی گھر لائے اور کہا، ابو حنیفہ مالدار شخص ہیں، تم ان کا مقابلہ کیوں کرتے ہو؟ کچھ دنوں مجلس درس میں حاضر نہ ہونے کے بعد جب آئے، تو امام صاحب نے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا، جواب دیا:

الشغل بالمعاش وطاعة والدی

کسب معاش کی مشغولیت اور والد کی اطاعت مانع رہی۔

مجلس برخاست ہوئی، تو امام صاحب نے انہیں روپیوں کی ایک تھیلی دی اور فرمایا، اسے ضروریات میں خرچ کرو اور ختم ہو جائے تو کہنا۔ اس طرح امام صاحب آپ کے اخراجات کے کفیل ہو گئے۔ اور آپ بے فکری کے ساتھ تحصیل علم میں مصروف ہو گئے، مدد معاش کا یہ سلسلہ امام اعظم کی آخری عمر تک جاری رہا۔

امام اعظم کے علاوہ دوسرے شیوخ و اساتذہ سے بھی علوم و فنون کی تحصیل کی تھی۔

امام ابو یوسف نے خداداد ذہانت، فطری ذوق علم اور ذاتی محنت و کاوش سے اپنے دور کے اجلہ علما و فقہا سے سالہا سال کسب علم کر کے اپنے دامن کو علم و فضل کی دولت سے بھر لیا تھا اور دنیائے اسلام کی عظیم عبقری شخصیت بن گئے تھے۔ فقہ و اجتہاد میں ذروہ کمال تک پہنچے، حدیث و سنت کے زبردست عالم، ایام عرب، تفسیر قرآن میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

ابن خلکان لکھتے ہیں:

کان فقیھا عالما حافظا، (وفیات الاعیان ج۲ ص ۳۸۹)

ابو یوسف فقیہ، عالم اور حافظ تھے۔

عمار بن ابی مالک کہتے ہیں:

ماکان فی اصحاب ابی حنیفة مثل ابی یوسف لولا ابو یوسف ماذکر ابوحنیفة ولا محمد بن ابی لیلیٰ ولکنه هو نشر قولهما وبث علمهما۔ (ایضا ص ۳۹۰)

امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں ابو یوسف جیسا کوئی نہ تھا، اگر ابو یوسف نہ ہوتے، تو امام اعظم اور محمد بن ابی لیلیٰ کا ذکر نہ ہوتا، انہوں نے ہی ان دونوں کے اقوال اور علم کو پھیلایا ہے۔

امام اعظم ابو یوسف کی عیادت کر کے نکلے، تو فرمایا:

ان یمت هذاالفتی فانه اعلم من علیها وادمی الی الارض۔

(ایضاص۳۹۱)

اگر یہ نوجوان مرگیا، تو روئے زمین کا سب سے بڑا عالم گزر گیا۔

۱۵۰ھ میں امام اعظم کی وفات کے بعد حلقہ درس قائم کیا، جس میں طالبان علوم جوق در جوق شامل ہونے لگے، ۱۶۶ھ تک یہ حلقہ درس باقاعدہ قائم رہا، عہدہ قضا کی وجہ سے دن میں فرصت نہ ملتی، تو رات میں درس دیتے، آپ سے ہزاروں افراد نے علم حاصل کیا۔

عہدہ قضا

پورے دور اموی اور ابتدائے دور عباسی میں عموما قضاۃ خلفا وامرا کے تابع ہوا کرتے تھے اور انہی کی مرضی کے مطابق فیصلے کرتے تھے، یہی وجہ تھی، کہ امام اعظم، سفیان ثوری، امام مالک جیسی عبقری شخصیتوں نے یہ عہدہ قبول نہ کیا۔ لیکن امام ابو یوسف نے ان لوگوں کے برخلاف خلیفہ مہدی کے زمانے میں عہدہ قضا قبول کرلیا، جس میں ان کی معاشی زبوں حالی اور دینی مصلحت شامل تھی، کہ وہ اس منصب پر فائز رہ کر اہل اسلام کو حق وانصاف دلاسکیں گے اور امام اعظم کی فقہ کی روشنی میں فیصلے کرسکیں گے، جس سے یہ فقہی مسلک عام ہوگا اور ساری دنیا اس سے فائدہ حاصل کرے

گی، چنانچہ آپ نے اس عہدے پر فائز رہ کر پوری ایمانی جرأت کے ساتھ وہی فیصلے صادر کیے، جو اسلامی شریعت کی رو سے حق تھے۔ اس سلسلے میں کبھی کسی کی ناحق رعایت نہ کی، وزرا و ارکان دولت کی شہادتیں رد کر دیں، ہارون جیسے با اقتدار خلیفہ کو معمولی رعایا کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا اور اس کے سامنے کبھی اظہار حق سے باز نہ رہے، ہارون نے اپنے زمانے میں آپ کو تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ بنا دیا تھا، آپ ہی کے حکم سے قاضیوں کا تقرر کیا جاتا تھا۔

فقہ و اجتہاد

امام ابو یوسف کا سب سے وسیع میدان فقہ و اجتہاد تھا اور انہوں نے اس علم میں سب سے زیادہ اپنی جولانی طبع اور جودت فکر کا استعمال کیا ہے، وہ بلاشبہ امام اعظم کے تلامذہ ہی میں نہیں بلکہ اپنے تمام معاصرین میں بحیثیت فقیہ و مجتہد سب سے نمایاں ہیں اور امام اعظم کی مجلس تدوین فقہ کے سب سے اہم رکن ہیں اور اس حیثیت سے ان کو شہرت بھی حاصل ہوئی۔ علی بن صالح ان کو افقہ الفقہا اور سید الفقہا کہتے تھے۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں: اہل عراق میں وہ سب سے بڑے فقیہ تھے۔

امام صاحب کی کتاب ''اختلاف ابن ابی لیلیٰ وابی حنیفہ'' ان کے تفقہ کا بڑا ثبوت ہے۔ فقہ میں آپ کا سب سے بڑا کارنامہ اصول فقہ کی تدوین ہے۔ طلحہ بن محمد بن جعفر کہتے ہیں:

ابویوسف مشهور الامر ظاهر الفضل وهو صاحب ابی حنيفة وافقه اهل عصره ولم يتقدمه احد فی زمانه وكان النهاية فی العلم والحكم والرياسة والقدر واول من وضع الكتاب فی اصول الفقه علی مذهب ابی حنيفة واملی المسائل ونشرها وبث علم ابی حنيفة فی اقطار الارض۔

(وفیات الاعیان ج ۳ ص ۳۹۰)

ابو یوسف مشہور الامر اور صاحب فضل تھے، وہ ابوحنیفہ کے شاگرد تھے، اپنے معاصرین میں سب سے بڑے فقیہ تھے، ان کے زمانے میں کوئی عالم ان سے آگے نہیں بڑھا، وہ علم وحکمت ریاست اور فضل میں مرتبہ کمال پر فائز تھے، وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے مذہب ابی حنیفہ پر اصول فقہ میں کتاب لکھی اور مسائل کو املا کرایا اور انہیں عام کیا اور روئے زمین میں ابوحنیفہ کے علم کی اشاعت کی۔

تصانیف

امام ابو یوسف ان علما وفقہا میں ہیں، جنہوں نے علوم وفنون اسلامی کی تدوین کی، تدوین کے ابتدائی دور میں بیش بہا کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ نے حدیث، فقہ، اصول فقہ، قانون، اختلافیات پر جامع، مفید کتابیں تصنیف کیں۔ کشف الظنون میں ہے:

ان الامالی لابی یوسف فی ثلاث مائۃ مجلد۔

ابو یوسف کی امالی تین سو جلدوں میں تھیں۔

ابن ندیم نے آپ کی ایک امالی کا ذکر کیا ہے جو ۳۶ رمباحث پر مشتمل تھی۔ دوسری کتاب "کتاب الجوامع" جس کے چالیس حصے تھے، جس میں اختلاف علما کا بیان ہے، ان کی ایک کتاب اصول فقہ میں تھی، جس میں انہیں اولیت حاصل تھی، افسوس کہ یہ کتابیں دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں۔

آپ کی کتابوں کی فہرست حسب ذیل ہے:

(۱) کتاب الآثار (۲) اختلاف ابن ابی لیلیٰ وابی حنیفۃ (۳) الرد علی سیر الاوزاعی (۴) کتاب الخراج (۵) کتاب المخارج والحیل۔

کتاب الخراج

قاضی ابو یوسف کی سب سے اہم شہرہ آفاق کتاب کتاب الخراج ہے۔ آپ کے

زمانہ میں اور بعد کی صدیوں میں اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئیں، جن میں یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج، ابن عبید کی کتاب الاموال اور ابن رجب کی استخراج احکام الخراج وغیرہ بہت مشہور ہیں، مگر کوئی کتاب ان خصوصیات کی حامل نہیں، جن کی امام ابویوسف کی کتاب حامل ہے۔

امام ابویوسف نے یہ کتاب خلیفہ ہارون رشید کی فرمائش پر تحریر کی۔ کتاب کی ابتدا میں امام ابویوسف تحریر کرتے ہیں:

امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ چاہا ہے کہ میں ان کے لیے ایک جامع کتاب تیار کروں، جس کے مطابق خراج، عشور، صدقات اور جزیوں کی تحصیل میں اور دوسرے ان معاملات میں عمل کیا جائے، جن کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری ان پر ہے ......وہ تفصیلی جواب چاہتے ہیں تاکہ آئندہ ان امور میں اس پر عمل درآمد ہو۔

کتاب کا اسلوب نگارش یہ ہے، کہ پہلے مسئلہ کے متعلق قرآنی آیات پیش کرتے ہیں پھر احادیث نبویہ وآثار صحابہ اس کے بعد ضرورت مقتضی ہوتی ہے تو امام ابوحنیفہ یا دیگر ائمہ کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں، اس کے بعد بھی اگر ضرورت مقتضی ہوتی ہے، تو خود اجتہاد کرتے ہیں۔

اس کتاب کے ذریعہ انہوں نے صرف اسلامی خزانہ کے محاصل ومخارج کی تفصیل ہی بیان نہیں کی ہے، بلکہ حکومت کے اسلامی تصور اور خلافت راشدہ کے منہاج کی بھی وضاحت کی ہے۔ اس طرح انہوں نے قیصری طرز حکمرانی کو بدل کر اسلامی جمہوریت کی روح کو از سر نو زندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

کتاب الخراج میں ابویوسف نے جہاں امام اعظم کے افکار وآرا کا ذکر کیا ہے، انہیں دلائل وبراہین سے موید کیا اور قیاس واستحسان کی وجہ بھی بتائی، علمی امانت کی ادائیگی کی فکر انہیں اس قدر دامن گیر رہتی کہ وہ استاذ کی دلیل کو بیان کرنا اتنا ضروری سمجھتے ہیں، جتنا اپنی دلیل کا نہیں۔

کتاب کی ابتدا میں قاضی ابو یوسف نے خلیفہ کو خلافت راشدہ کے نہج پر حکمرانی کی تاکید کی اور اپنے فرض منصبی کو بڑی قوت وجرأت کے ساتھ انجام دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے جو حمد وثنا کا مستحق ہے، آپ پر ایک بڑے بھاری کام کا بار ڈالا ہے، اس کا ثواب سب سے بڑا اور اس کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے۔ اس نے اس امت کی سربراہی آپ کے سپرد کی ہے اور آپ شب وروز ایک خلق کثیر کے لیے تعمیر کرتے ہیں اس نے آپ کو ان کا راعی بنایا ہے، ان کی امامت آپ کے حوالہ ہے، ان کے ذریعہ آپ کو آزمائش میں ڈالا ہے اور سلف کے معاملات چلانے کی ذمے داری آپ کو سونپ دی ہے، جو تعمیر خوف خدا کے سوا کسی اور چیز پر کی جائے وہ کچھ دیر نہیں ٹھہرتی اکھاڑ کر اسی پر گرا دیتا ہے جو اس کا بنانے والا اور اس تعمیر میں اس کی مدد کرنے والا ہو، راعیوں کو اپنے رب کے سامنے اسی طرح حساب دینا ہے، جس طرح دنیا میں کوئی چرواہا گلے کے مالک کو حساب دیتا ہے، ٹیڑھی راہ نہ چلیے، کہ آپ کا گلہ ٹیڑھا چلنے لگے، تمام لوگوں کو خدا کے قانون میں یکساں رکھیے، خواہ آپ سے قریب ہوں یا دور، کل خدا کے حضور آپ اس طرح نہ حاضر ہوں، کہ آپ زیادتیاں کرنے والوں میں سے ہوں، کیوں کہ یوم الدین کا حاکم لوگوں کے فیصلے ان کے اعمال کی بنا پر کرے گا، نہ کہ مرتبوں کی بنا پر ......اس سے ڈریے کہ آپ اپنے گلہ کو ضائع کریں اور گلے کا مالک اس کا پورا پورا بدلہ آپ سے لے۔ (کتاب الخراج ص ۳-۴)

(۲) امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ عنہ ۱۳۲ھ تا ۱۸۹ھ

ابوعبداللہ محمد بن حسن شیبانی واسط میں پیدا ہوئے، پھر والدین نے کوفہ کو وطن بنایا، جہاں آپ کی پرورش وپرداخت ہوئی۔ کوفہ اس وقت علم وفضل کا گہوارہ تھا، یہیں امام محمد کی تعلیم وتربیت کا آغاز ہوا۔ اولاً قرآن، ادب، لغت کی تحصیل کی، پھر شیوخ کوفہ کے حلقہائے درس میں شریک ہوئے۔ فطری صلاحیت اور ذوق علم نے صغرسنی ہی میں جو

ہر قابل بنا دیا۔ چودہ سال کی عمر میں امام صاحب کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ پھر آپ کی زندگی میں کسی اور کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا۔ جب امام صاحب کا وصال ہوا، تو قاضی ابو یوسف سے فقہ کی تکمیل کی۔ پھر حدیث کی تحصیل کے لیے امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے، تین سال قیام کر کے آپ سے حدیث و سنت کا درس لیتے رہے۔

قوت حفظ وضبط، جودت فہم وادراک نے امام محمد کو قرآن وتفسیر، فقہ وحدیث، نحو، عربیت اور حساب میں حاکمانہ قدرت عطا کر دی تھی۔ آپ کے فضل وکمال کا اعتراف اکابر ملت نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

☆ابوعبید:۔"مارایت اعلم بکتاب اللہ من محمد بن حسن" میں نے محمد بن حسن سے بڑا عالم قرآن نہیں دیکھا۔ (الفوائد البہیہ ص ۶۹)

☆امام شافعی:۔"مارایت افصح منہ وکنت اظن اذرایتہ یقرأ القرآن کان القرآن نزل بلغتہ" میں نے ان سے زیادہ فصیح کلام کرنے والا نہیں دیکھا، میں جب ان کو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھتا تو گمان کرتا گویا قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ (کتاب الانساب للسمعانی)

☆ابن عماد حنبلی:۔ امام محمد بن حسن سے زیادہ حلال وحرام، علل حدیث، ناسخ ومنسوخ کا جاننے والا میرے علم میں کوئی دوسرا شخص نہیں ہے۔ اگر لوگوں میں انصاف ہوتا، تو یقین کرتے کہ امام محمد جیسا کوئی شخص انہوں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

(شذرات الذہب)

☆ربیع بن سلیمان:۔ میں نے امام محمد سے زیادہ کوئی صاحب عقل نہیں دیکھا۔

(تاریخ بغداد)

☆امام شافعی:۔"مارایت اعقل ولا افقہ ولا ازھد ولا اورع ولا احسن نطقا من محمد بن حسن" میں نے امام محمد سے بڑھ کر عقلمند، فقیہ، زاہد، متورع نہیں دیکھا، نہ ان سے اچھا کلام کرنے والا (تہذیب الاسماء نووی)

حلقہ درس

امام محمد نے اپنے عہد کے اساطین علم سے علم وفضل کی دولت حاصل کی اور اسے عام کرنے کے لیے جامع کوفہ میں حلقہ درس قائم کیا اور آپ کے حلقہ درس سے ہزاروں طالبان علم وابستہ ہوئے، لوگوں کا رجوع عام آپ کی طرف ہوتا، امام شافعی فرماتے ہیں:

کان اذا حدثهم عن مالك امتلأ منزله وكثر الناس حتى يضيق عليه الموضع.

جب آپ حلقہ درس میں امام مالک کی مرویات بیان کرتے تو لوگوں کی کثرت کی وجہ سے گھر بھر جاتا اور جگہ تنگ ہو جاتی۔

امام محمد نے کوفہ کے علاوہ بغداد، رے اور دوسرے مقامات میں بھی جہاں وہ گئے، مجلس درس قائم کی اور ان کی فیض رساں بارگاہ سے لوگوں نے خوب خوب کسب علم کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے امام محمد سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا، اگر وہ نہ ہوتے تو مجھ پر وہ علم نہ کھلتا جو کھلا ہے۔ (شذرات الذہب)

خدمت حدیث

امام محمد نے اپنے دور کے اساطین حدیث سے اس علم میں کمال پیدا کیا، وہ اپنی قوت حفظ وضبط کی بنا پر بہت بڑے محدث بن گئے تھے، بالخصوص امام مالک کی مرویات کے امین سمجھے جاتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

كان محمد بن حسن من بحور العلم والفقه قويا في مالك.

امام محمد علم وفقہ کے سمندر تھے اور امام مالک کی مرویات میں قوی تھے۔

مؤطا امام مالک کے سولہ متداول نسخے ہیں، جن میں یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کے نسخے کو مؤطا امام مالک کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مؤطا کی مرویات کو امام محمد نے اپنی کتاب مؤطا امام محمد میں نقل کیا ہے، جسے مصمودی کے نسخے پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے، کہ

انہوں نے صرف امام مالک کی مرویات کو نقل کیا ہے، جب کہ امام محمد نے امام مالک کے علاوہ دیگر شیوخ حدیث کی روایتیں بھی شامل کی ہیں، ظاہر ہے کہ اس اضافے میں افادیت زیادہ ہوگی۔

فقہ واجتہاد

امام محمد کی علمی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو علم فقہ ہے اور وہ اپنے عہد میں فقہ کے تاجدار تھے، ان کی فقہی بصیرت واجتہاد کے دوسرے مجتہدین صرف معترف ہی نہیں بلکہ ان کی صحبت کے تربیت یافتہ یا ان کی فقہی تصانیف کے خوشہ چیں ہیں۔

☆ امام احمد بن حنبل کا بیان ہے: فقہ کے تمام دقیق مسائل میں نے امام محمد سے اخذ کیے ہیں۔

☆ امام مزنی کہتے ہیں: امام ابوحنیفہ اہل عراق کے سردار ہیں، ابویوسف ان سب سے زیادہ متبع سنت ہیں۔ امام محمد نے سب سے زیادہ تفریع کی ہے۔

☆ حافظ ذہبی کہتے ہیں: "انتھت الیہ ریاسۃ الفقہ بالعراق بعد ابی یوسف وتفقہ بہ الائمۃ "عراق میں ابویوسف کے بعد فقہ کی ریاست امام محمد پر ختم ہوگئی اور ان سے ائمہ نے تفقہ حاصل کیا۔ (میزان ترجمہ امام محمد)

☆ امام شافعی کہا کرتے تھے: میں فقہ میں امام محمد کا سب سے زیادہ ممنون احسان ہوں۔

امام محمد نے ایک لاکھ سے زیادہ مسائل مستنبط کیے، استنباط واستخراج مسائل کے لحاظ سے ان کو اجتہاد کا درجہ حاصل تھا، خلیفہ ہارون رشید نے آپ کی فقہی بصیرت سے متاثر ہوکر قاضی بنایا۔ امام محمد جب تک اس عہدہ پر فائز رہے بلاخوف وخطر عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے صادر فرماتے رہے، انہوں نے کبھی اپنے فیصلوں میں خلیفہ وقت یا ارکان دولت کی پروانہ کی۔ چنانچہ جب امان یافتہ یحیٰی بن عبداللہ کے خلاف عہد شکنی کا مسئلہ پیش ہوا تو امام محمد نے خلیفہ ہارون رشید کی مرضی کے خلاف فیصلہ دیا تو

آپ عتاب شاہی میں مبتلا ہوئے۔ منصب قضاوافتا سے معزول کر کے آپ کو قید کر دیا گیا، اس طرح آپ نے قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں۔ کچھ دنوں بعد آپ کو قید سے نکال کر اعزاز واکرام کے ساتھ قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز کیا گیا۔

(مناقب کردری ج ۲ ص ۱۶۵)

تدوین فقہ کے باب میں امام محمد کا مرتبہ ان کے تمام معاصرین میں سب سے بلند ہے۔ انہوں نے امام اعظم کے مجتہدات دوسرے ائمہ کے اقوال نیز اپنے استنباط وتفریعات کو مبسوط، جامع کبیر، جامع صغیر، سیر صغیر، سیر کبیر اور زیادات میں جمع کر کے صرف احناف ہی نہیں بلکہ دیگر مکاتب فقہ کے فقہا کے لیے اجتہاد واستنباط کی راہ کھول دی، بلاشبہ دنیائے اسلام پر امام محمد کا یہ احسان عظیم ہے۔

تصنیفات

امام محمد نے بے شمار کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کی تصنیف کردہ تمام کتب کی تعداد نو سو ننانوے شمار کی گئی ہے۔ اور کل مسائل جو آپ نے کتاب وسنت واجماع کی روشنی میں مستنبط کیے ہیں، ان کی تعداد دس لاکھ ستر ہزار تیس یا دس لاکھ ستر ہزار ایک سو بتائی گئی ہے۔ (حدائق الحنفیہ ص ۱۵۵)

ظاہر روایت

آپ کی سب سے پہلی تصنیف مبسوط ہے، اسی وجہ سے اس کو اصل کہا جاتا ہے، پھر جامع صغیر پھر جامع کبیر پھر زیادات تصنیف کی۔ پھر سیر صغیر، سیر کبیر تصنیف کی۔ ان کتابوں کو فقہا کی اصطلاح میں ظاہر روایت اور اصول کہتے ہیں۔

مبسوط

مبسوط میں آپ نے امام ابو یوسف کے جمع کردہ مسائل کو وضاحت کے ساتھ عمدہ انداز میں مرتب کیا ہے۔

جامع صغیر

اس کتاب میں امام محمد نے امام ابو یوسف کی روایت سے امام اعظم کے اقوال لکھے ہیں۔
سید الحفاظ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین نے جامع صغیر امام محمد سے پڑھی۔ تہذیب الاسماء واللغات میں ہے:

عن یحییٰ بن معین قال کتبت الجامع الصغیر عن محمد بن الحسن۔

یحییٰ بن معین نے کہا: میں نے جامع صغیر امام محمد سے لکھی۔

جامع کبیر

اس میں امام صاحب کے اقوال کے ساتھ امام ابو یوسف اور امام زفر کے اقوال بھی موجود ہیں۔ ہر مسئلہ کو دلیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔ یہ جامع صغیر سے زیادہ دشوار اور دقیق ہے۔ بعد کے فقہا نے اصول فقہ کے مسائل زیادہ تر اسی سے اخذ کیے ہیں۔ بڑے بڑے نامور فقہا نے اس کی شروح لکھیں۔ جن میں سے ۴۲ کا ذکر کشف الظنون میں ہے۔

ادب و عربیت میں اگرچہ امام محمد کی کوئی مستقل کتاب نہیں، لیکن فقہ کے جو مسائل نحو کے جزئیات پر مبنی ہیں، اکثر جامع کبیر میں موجود ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے، کہ اس فن میں ان کا پایہ کتنا بلند تھا۔ چنانچہ ابن خلکان وغیرہ نے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ کتب تاریخ میں موجود ہے کہ ایک بڑا عیسائی عالم علمائے اسلام سے مناظرہ کرتا رہتا۔ دین اسلام سے خوب واقف تھا، لیکن مسلمان نہ ہوتا، اس نے جامع کبیر کا مطالعہ کیا تو مسلمان ہو گیا اور کہا: ''ھذا محمد کم الاصغر فکیف محمد کم الاکبر'' ''یہ تمہارے چھوٹے محمد کی کتاب جب اس قدر علوم و کمالات کا مجموعہ ہے تو تمہارے بڑے محمد کے علوم کتنے اعلیٰ و ارفع ہوں گے۔

زیادات

جامع کبیر کے بعد جو فروع یاد آتے رہے، وہ اس میں جمع کیے ہیں اسی لیے اس کو

زیادات کہتے ہیں۔

سیر صغیر

یہ کتاب سیر میں ہے امام اوزاعی نے اس کو دیکھا تو تعریف کی، لیکن یہ بھی کہا، اہل عراق کو سیر سے کیا نسبت۔

سیر کبیر

جب امام محمد کو امام اوزاعی کا مذکورہ بالا جملہ معلوم ہوا تو انہوں نے سیر کبیر لکھی۔ ساٹھ ضخیم اجزا میں مرتب کیا اور تیاری کے بعد ایک خچر پر لدوا کر ہارون رشید کے پاس لے جانے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو اس نے ازراہ عزت افزائی شہزادوں کو استقبال کے لیے بھیجا اور ان کو ہدایت کی کہ امام محمد سے اس کی سند حاصل کریں۔ امام اوزاعی نے بھی اس محققانہ کتاب کی بہت تعریف کی۔

اس کے علاوہ آپ کی ایک کتاب کتاب الحجج بھی ہے۔

امام محمد اور قضا

امام محمد نے اگرچہ زندگی کا بڑا حصہ دربار کے تعلق سے بسر کیا، لیکن آزادی اور حق گوئی پر قائم رہے "لایخافون فی اللہ لومۃ لائم" پر عمل کرتے رہے۔ ۱۷۵ھ میں یحییٰ علوی نے علم بغاوت بلند کیا، تو ہارون رشید ان کا سروسامان دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا اور دب کر صلح کر لی۔ معاہدہ صلح قلم بند ہوا۔ یحییٰ کے اطمینان کے لیے بڑے بڑے علما، فضلا، محدثین وفقہا نے اس پر دستخط کیے۔ یحییٰ صلح پر راضی ہو کر بغداد آئے تو چند روز کے بعد ہارون رشید نے نقض عہد کرنا چاہا، بہت سے علما نے ہارون رشید کے خوف سے فتویٰ دے دیا کہ صورت موجودہ میں نقض عہد جائز ہے، لیکن امام محمد نے علانیہ مخالفت کی اور اخیر تک اپنے اصرار پر قائم رہے۔ بالآخر خلیفہ ہارون نے غصہ سے مغلوب ہو کر امام محمد کے منہ پر دوات پھینک کر ماری، جس سے آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا اور خون

کپڑوں پر بہنے لگا۔ خلیفہ نے یہ بھی کہا، کہ آپ جیسے لوگ ہی ہمارے خلاف بغاوت کرنے والوں کے حوصلے بڑھاتے ہیں، امام محمد لوٹ کر آئے تو خلیفہ کا قاصد پہنچا کہ آج سے آپ نہ مقدمات کے فیصلے کریں، نہ فتویٰ دیں، لیکن امام محمد نے کوئی پروانہیں کی اور خلیفہ کے موافق فتویٰ نہ دیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد خلیفہ کو ندامت ہوئی، قاضی القضاۃ اور مقرب بنایا اور اپنے ساتھ رے لے گیا، جہاں ان کا اور امام نحو کسائی کا ایک ہی دن انتقال ہوا۔ خلیفہ افسوس کے ساتھ کہا کرتا تھا، کہ ہم نے ایک ہی دن فقہ اور نحو دونوں کو مقام رے میں دفن کر دیا۔

(۳) امام زفر رضی اللہ عنہ ۱۱۰ھ تا ۱۵۸ھ

ابوالہذیل زفر بن ہذیل بصرہ کے باشندے تھے، والد اصفہان کے والی تھے، جہاں امام زفر کی ولادت ہوئی۔

آپ نے تحصیل علم کا آغاز محدثین کی آغوش سے کیا اور علم حدیث میں کمال پیدا کیا لوگ آپ کو صاحب الحدیث کہنے لگے۔ پھر آپ کی ذہانت وطباعی تحصیل فقہ کے لیے امام اعظم کی درسگاہ میں لائی۔ امام اعظم کی مجلس درس میں عجیب کشش تھی، کہ جو ایک بار اس میں شریک ہوگیا، تو پھر کیا مجال کہ وہ اس کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جائے۔ امام زفر بھی جب امام صاحب کی بارگاہ میں آئے تو اپنے سابقہ شیوخ کی درسگاہوں کو خیر آباد کہہ دیا، امام صاحب کی مجلس درس عام مجلسوں سے مختلف تھی، اس میں مسئلہ پیش کیا جاتا، تلامذہ ہی سے جواب اور دلائل دریافت کیے جاتے، پھر بحث وتمحیص کے بعد مسئلے کا جواب اور طریقہ استنباط تحریر کر دیا جاتا۔ حلقہ درس میں قوت استدلال واجتہاد کی حیثیت سے امام ابو یوسف کے بعد امام زفر امتیازی شان رکھتے تھے۔

امام زفر امام اعظم کا حد درجہ احترام کرتے تھے، فرماتے تھے، میں امام صاحب کی زندگی میں ان سے اختلاف کرتا تھا، مگر اب ہمت نہیں پڑتی، اپنی شادی کے موقع پر امام

صاحب کو خطبہ نکاح کے لیے مدعو کیا، امام صاحب نے دوران خطبہ فرمایا، حاضرین! یہ زفر ہیں جو مسلمانوں کے امام ہیں اور شرافت و علمیت کے لحاظ سے مسلمانوں کی عظمت کا ایک نشان ہیں۔ بعض لوگوں نے امام زفر سے کہا، کہ تمہارے خاندان میں ممتاز لوگ موجود ہیں، ان سے نکاح نہیں پڑھوایا، امام زفر نے فرمایا ''اگر میرے والد بھی ہوتے، تو ان کو آپ پر ترجیح نہ دیتا''۔

امام زفر حدیث و فقہ میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے، قیاس و اجتہاد میں ان کا پلہ اصحاب امام میں سب سے بھاری تھا، خود امام صاحب ان کے بارے میں فرماتے ''اقیس اصحابی زفر'' زفر میرے اصحاب میں سب سے بڑے قیاس ہیں۔ عام تذکرہ نگار لکھتے ہیں: ''احدهم قیاسا''

حلقہ درس

امام صاحب کو آپ کی علمی پختگی کا یقین ہوا، تو اپنی زندگی ہی میں درس و تدریس کی اجازت دے دی تھی، مگر استاذ کے احترام میں ۱۵۰ھ تک حلقہ درس قائم نہیں کیا۔ جب امام صاحب کا وصال ہو گیا، تو کوفہ میں مجلس درس قائم کی، پھر بصرہ منتقل ہو گئے۔

بصرہ میں فضا فقہ حنفی کے خلاف تھی، اس لیے اس مکتب کی بساط تدریس موقع و ماحول کے اعتبار سے ممکن نہ تھی، چنانچہ امام زفر نے بھی ابتدا میں حلقہ درس قائم نہ کیا، بلکہ شیخ عثمان بن مسلم کے حلقہ درس میں شرکت کرنے لگے، کچھ دنوں خاموشی سے درس سنتے رہے، اس کے بعد ان کے اصول و فروع پر نظر ڈالی، تو بہت سے مسائل کے سلسلے میں اصل و فرع اور ماخذ و ماخوذ میں تضاد نظر آیا۔ امام زفر ان مسائل کا تذکرہ ان کے تلامذہ سے کرتے اور پھر بدلائل ان کی غلطی واضح کرتے وہ تلامذہ اس کا ذکر شیخ سے کرتے اور ان سے اپنی رائے سے رجوع کرنے پر اصرار کرتے، تھوڑے دن کے بعد نتیجہ یہ ہوا، کہ امام زفر سے استفادہ کرنے والوں کا ہجوم ہوا اور ان کو الگ حلقہ درس قائم کرنا پڑا۔ ابو اسد کا بیان ہے، کہ ان کے درس میں اتنا ہجوم ہونے لگا، کہ وہاں کے اکثر

حلقہ درس ٹوٹ گئے۔ (مناقب کردری ج ۲ ص ۱۸۷)

امام اعظم کے بعض تلامذہ بھی آپ کے حلقہ درس میں شریک ہوتے، چنانچہ وکیع بن الجراح آپ کے یہاں مستقل حاضر ہوتے اور فرمایا کرتے تھے:

الحمد لله الذی جعلك خلفالنا عن الامام ولكن لایذهب عنی حسرة الامام۔

خدا کا شکر ہے، کہ آپ کو اس نے امام کا جانشین بنایا اگرچہ امام صاحب کی غیر موجودگی کی حسرت کسی طرح دل سے نہیں جاتی۔

آپ کے حلقہ درس کی برکتوں نے بصرہ کے اندر امام اعظم کے خلاف پھیلی ہوئی بدگمانیوں کا ازالہ کر دیا اور لوگ فقہ حنفی سے قریب تر ہونے لگے۔

اجتہاد

امام زفر کو قدرت نے اجتہادی ملکہ ودیعت فرمایا تھا، چنانچہ تقریباً ۱۷ اجتہادی مسئلوں میں منفرد ہیں۔ فقہ حنفی میں ان کے مطابق فتوے دیے جاتے ہیں۔ ان مسائل کو علامہ حموی نے ایک رسالے میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح ابوزید دبوسی نے اپنی کتاب "تاسیس النظر" میں ایک باب میں خاص طور سے ان مسائل سے بحث کی ہے، جن میں امام زفر نے امام صاحب سے اصولی یا فروعی اختلاف کیا ہے۔ تمام تفصیلات علامہ زاہد الکوثری نے امام زفر کی سوانح حیات میں بیان کی ہیں۔ آخر میں رقم طراز ہیں:

فان كان شان المجتهد المطلق الانفراد بمسائل فی الاصول والفروع فها هو زفر له انفرادات فی الناحیتین علی ان الموافقة للامام فی الرای فی بعض مسائل الاصول والفروع عن علم بادلتها لا تخل بالاجتهاد المطلق اصلا۔

اگر مجتہد مطلق کی شان یہی ہے، کہ وہ بعض اصولی اور فروعی مسائل میں منفرد ہوں، تو دونوں حیثیتوں سے امام زفر منفرد ہیں اور بعض اصولی یا فروعی

مسائل میں ان کے دلائل و ماخذ کی واقفیت کے ساتھ امام صاحب کی ہمنوائی کرنا بھی اجتہاد مطلق میں مخل نہیں۔

صاحبین کی بہ نسبت آپ میں تصنیف و تالیف کا ذوق کم تھا، اس لیے ان کے علمی مشاہدات اور فقہی اقوال و آثار محفوظ نہ رہ سکے۔ اسی بنیاد پر ائمہ احناف میں جو شہرت صاحبین کو ملی وہ آپ کے حصے میں نہیں آئی۔ مناقب کردری میں ہے:

کان زفر قلیل الکتابۃ یحفظ بالسمع وحسن القیاس۔

امام زفر لکھتے بہت کم تھے، وہ جو کچھ سنتے تھے، اسے حافظے میں محفوظ کر لیتے تھے۔

آپ نے فقہ میں کمال درک کے باوجود بصرہ کا عہدہ قضا قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

(۴) عافیہ بن یزید رضی اللہ عنہ ۱۸۰ھ

عافیہ بن یزید بن قیس اودی کوفی کوفہ کے رہنے والے تھے، بڑے صاحب علم فقیہ، صاحب دانش، محدث اور صدوق تھے۔ امام اعظم کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ آپ کی ذہانت، طباعی اور علمی بصیرت پر امام اعظم کو ناز تھا۔ تدوین فقہ کی مجلس کے رکن رکین تھے۔ جس مجلس میں آپ موجود نہ ہوتے، دیگر ارکان کی بحث و تمحیص کے باوجود بھی مسئلہ قلم بند نہ کیا جاتا، جب عافیہ آ جاتے اور ان کی رائے بھی سامنے آ جاتی، تو پھر فیصلہ ضبط تحریر میں لایا جاتا۔ اسحاق بن ابراہیم کا بیان ہے:

کان اصحاب ابی حنیفۃ یخوضون معہ فی المسئلۃ فاذالم یحضر عافیۃ قال ابوحنیفۃ لاترفعوا المسئلۃ حتی یحضر عافیۃ فاذاحضر عافیۃ ووافقھم قال اثبتوھا۔(الجواہر المضیئہ ص ۱۷۶)

ابو حنیفہ کے اصحاب ان کے ساتھ مسئلہ میں غور و فکر کرتے تھے، جب عافیہ مجلس میں حاضر نہ ہوتے، تو ابو حنیفہ فرماتے، مسئلے کو آخری شکل نہ دو، جب

تک عافیہ نہ آجائیں، جب عافیہ آجاتے اور وہ لوگوں کی موافقت کرتے، تو امام صاحب فرماتے، مسئلے کو لکھ لو۔

امام اعظم کے پوتے اسماعیل فرماتے ہیں: امام صاحب کے حلقہ درس میں بارہ اصحاب کو دوسرے ارکان پر فضیلت حاصل تھی، انہیں میں عافیہ بھی تھے۔

عاصم بن یوسف کا بیان ہے: امام اعظم جیسی مجلس علم اور کسی کی نہیں تھی، آپ کے اصحاب میں چار کو ارشد تلامذہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ زفر، ابو یوسف، عافیہ اور اسد بن عمرو۔ (مناقب ج ۲ ص ۲۱۴)

(۵) عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ ۱۱۸ھ تا ۱۸۱ھ

ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن مبارک مرو میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان بڑا خوش حال تھا، ناز و نعم میں پرورش پائی۔ جب سن شعور کو پہنچے، تو تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے، ابتدائی تعلیم مرو میں حاصل کی، پھر طلب علم کے شوق میں اسلامی بلاد و امصار کے سفر کیے۔ تلاش و جستجوئے علم کا بے پایاں ذوق اور مالی فراغت نے عبداللہ کو تمام بڑے اسلامی شہروں کے شیوخ سے تحصیل علم کا موقع فراہم کیا۔ چنانچہ احمد بن حنبل کہتے ہیں:

لم یکن فی زمان ابن المبارك اطلب للعلم منه (تذکرہ ج ۱ ص ۲۵۴)

عبداللہ بن مبارک کے زمانے میں ان سے زیادہ علم طلب کرنے والا نہ تھا۔

ابو اسامہ کا بیان ہے:

مارایت رجلا اطلب للعلم فی الآفاق من ابن المبارك.

میں نے دنیا میں ابن مبارک سے زیادہ علم طلب کرنے والا نہیں دیکھا۔

ابن مبارک خود ارشاد فرماتے ہیں: میں نے چار ہزار شیوخ و اساتذہ سے فیض اٹھایا اور ان میں ایک ہزار سے روایت کی۔

اپنے تعلیمی اسفار کے دوران وہ کوفہ بھی آئے اور امام اعظم کے حلقہ درس کو اختیار

کیا۔ انہوں نے اگرچہ چار ہزار علما و مشائخ سے کسب علم کیا، لیکن ان میں سب سے زیادہ امام اعظم اور سفیان ثوری سے متاثر ہوئے، وہ خود فرماتے ہیں:

لولا ان اللہ تعالیٰ اغاثنی بابی حنیفة وسفیان کنت کسائر الناس۔

اگر اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے ذریعے میری دستگیری نہ کی ہوتی، تو میں بھی ایک عام آدمی سے بڑھ کر نہ ہوتا۔

علم و فضل

ابن مبارک نے اپنے عہد کے بڑے بڑے محدثین و فقہا سے اسلامی علوم و فنون حاصل کیے اور اپنے دامن کمال کو حدیث و فقہ، شعر و ادب، نحو و لغت کے در و جواہر سے بھر لیا۔ امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ کے علمی و روحانی کمالات کا اعتراف اس طرح کیا گیا ہے۔

☆ سفیان بن عیینہ:۔ لقد کان فقیها عالما عابدا زاهدا شیخا شجاعا شاعرا۔

عبداللہ بن مبارک فقیہ، عالم، عابد، زاہد، شیخ، بہادر اور شاعر تھے۔

☆ نووی:۔ عبداللہ بن مبارک کی امامت و جلالت پر سب کا اتفاق ہے، وہ تمام چیزوں میں امام تھے ان کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی اور ان کی صحبت میں بخشش کی توقع کی جاتی تھی (تہذیب الاسماء ج ا ص ۲۸۵)

☆ حسن بن عیسیٰ:۔ جمع العلم والفقه والادب والنحو واللغة والشعر والفصاحة والورع والانصات وقیام اللیل والعبادة والغزوة والفروسیة والشجاعة والشدة فی بدنه وترك الکلام فیما لایعنیه وقلة الخلاف علی اصحابه۔

عبداللہ بن مبارک نے حدیث، فقہ، نحو، لغت، شعر، فصاحت، زہد، ورع،

خاموشی، قیام لیل عبادت، جہاد، شہ سواری، شجاعت اور جسمانی قوت کو اپنے اندر جمع کرلیا تھا۔ لغو باتوں کو ترک کرنا، اپنے اصحاب سے کم اختلاف کرنا آپ کی عادت تھی۔

حدیث

یوں تو ابن مبارک جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، لیکن آپ کا خاص میدان علم حدیث تھا، جس کی تحصیل کے لیے انہوں نے دور دراز شہروں اور ملکوں کا سفر کیا تھا۔ قوت حفظ وضبط کا یہ عالم تھا، کہ جو باتیں سنتے یاد ہو جاتیں۔

آپ ہر کس وناکس سے حدیث کی روایت نہ کرتے اور نہ ہر شخص سے روایت قبول کرتے، روایت لینے اور نقل کرنے میں حد درجہ احتیاط سے کام لیتے تھے۔

علم حدیث سے اتنا شغف تھا، کہ پوری پوری رات اس کی نقل وضبط میں صرف کردیتے اور بسا اوقات پورے پورے دن گھر سے باہر نہ نکلتے۔ کسی نے کہا، آپ کو تنہائی میں وحشت نہیں ہوتی، فرمایا وحشت کی کیا بات ہے، جب کہ مجھے اس تنہائی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے شرف صحبت کی دولت نصیب ہوتی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۴)

آپ کی جلالت فی الحدیث کے بارے میں ائمہ فن کا اعتراف ہے:

☆ عجلی:۔ ثقة ثبت فی الحدیث رجل صالح وکان جامعا للعلم۔ (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۸۲)

عبداللہ بن مبارک حدیث میں ثقہ، ثبت تھے، نیک آدمی اور جامع علم تھے۔

☆ ابن حبان:۔ کان فیه خصال لم تجتمع فی احد من اهل العلم فی زمانه فی الارض کلها (ایضا)

عبداللہ بن مبارک کے اندر ایسی خصلتیں تھیں جو ان کے زمانے میں دنیا کے کسی اور عالم کے اندر نہیں پائی جاتی تھیں۔

آپ نے کہیں ایک جگہ حلقہ درس قائم نہیں کیا، لیکن آپ کی عالمانہ شخصیت اتنی پرکشش تھی، کہ جہاں جاتے طالبان علم نبوت آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ اسی لیے آپ کے بکثرت شاگرد ہوئے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

حدث عنه خلق لایحصون من اهل الاقالیم.

ممالک اسلامیہ کے اتنے لوگوں نے ان سے حدیث روایت کی جن کا شمار ممکن نہیں۔

فقہ

ابن مبارک امیر المومنین فی الحدیث ہونے کے باوجود فقہ میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ امام اعظم کے ارشد تلمیذ تھے اور فقہ ان ہی کی بارگاہ سے حاصل کی تھی۔ علما نے آپ کے تفقہ کا اعتراف کیا ہے، ایک بار امام مالک کی مجلس میں پہنچے تو انہوں نے تعظیم وتکریم کی اور جب واپس ہوئے تو امام صاحب نے حاضرین سے کہا:

هذا ابن المبارك فقيه خراسان

یہ خراسان کے فقیہ ابن مبارک ہیں۔

ابن شماس کہتے ہیں: میں نے سب سے بڑے فقیہ کو دیکھا اور سب سے بڑے متقی کو بھی اور سب سے زیادہ قوی حافظہ رکھنے والے کو بھی، سب سے بڑے فقیہ ابن مبارک ہیں۔

آپ نے متعدد کتابیں بھی لکھیں، کتاب السنن، کتاب التفسیر، کتاب التاریخ، کتاب البر والصلہ، کتاب الزہد والرقائق۔

(۶) حسن بن زیاد رضی اللہ عنہ ۲۰۴ھ

حسن بن زیاد لولوی کوفی، کوفہ کے باشندے، عظیم فقیہ اور محدث تھے۔ امام اعظم کے مخصوص تلامذہ میں شمار کیے جاتے ہیں اور آپ کی مجلس تدوین فقہ کے اہم رکن

تھے۔مجلس میں سوالات سب سے پہلے آپ ہی پیش کرتے۔ شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا:

الحسن بن زیاد المقدم فی السوال والتفریع (الجواہر المضیۃ ص ۱۲۸)

حسن بن زیاد سوال اٹھانے اور دریافت کرنے میں مقدم تھے۔

اپنی جودت طبع اور نظر وفکر کی بدولت وہ بڑے نادر سوالات پیش کیا کرتے تھے۔لوگ آپ کے ان سوالوں سے پریشان ہوجاتے۔علی بن صالح کا بیان ہے: ایک مرتبہ آپ قاضی ابویوسف کی درسگاہ میں پہنچے، قاضی صاحب نے اپنے شاگردوں سے کہا، تم لوگ ان سے فوراً سوالات شروع کردینا اگر انہوں نے سوالات پوچھنا شروع کردیے، تو پھر تمہارے لیے خاموشی کے سوا کچھ چارہ نہ ہوگا۔امام حسن بن زیاد نے مجلس میں آتے ہی سلام کیا اور اس کے ساتھ ہی ایک سوال کردیا۔راوی کا بیان ہے:

فقد رایت ابا یوسف یلوی وجهه الی هذا الجانب مرة والی هذا الجانب مرة من کثرة ادخالات الحسن علیه ورجوعه من جواب الی جواب.

میں نے ابویوسف کو دیکھا، کہ انہوں نے حسن کے اشکالات اور سوال وجواب کی کثرت کی بنا پر ادھر ادھر دیکھنا شروع کردیا۔

حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اوقات کو مختلف حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، آپ فجر کی نماز سے فراغت کے بعد زوال کے وقت تک فروعی مسائل میں غور وفکر کرتے تھے، پھر گھر تشریف لاتے اور ظہر کی نماز تک گھریلو امور سرانجام دیتے، ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد عصر تک کا وقت ملاقاتیوں سے ملنے کے لیے مخصوص تھا، عصر سے مغرب تک آپ اصول مسائل میں اپنے اصحاب کے ساتھ بحث ومناظرہ میں مشغول رہتے، مغرب پڑھ کر گھر تشریف لے آتے، کچھ دیر بعد واپس آتے اور عشا کی نماز تک پیچیدہ ترین مسائل پر بحث ومباحثہ کا سلسلہ جاری رکھتے، عشا کی ادائیگی کے بعد رات گئے تک مختلف مسائل پر غور وفکر کا سلسلہ جاری رہتا۔

آپ کے علمی انہماک کا یہ عالم ہوتا، کہ کھانے پینے اور وضو کے وقت بھی فقہی مسائل بیان کرتے رہتے تھے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

كان له جارية اذا اشتغل بالطعام اوالوضوء اوبغير ذلك تقرأ عليه المسائل حتي يفرغ من حاجته. (اثمار الجنیہ فی اسماء الحنفیہ ص ۱۲۵)

آپ کی ایک باندی تھی، جب آپ کھانے، وضو یا کسی اور کام میں مصروف ہوتے، وہ آپ سے مسائل پوچھتی، یہاں تک کہ آپ اپنی ضرورت سے فارغ ہوتے۔

پوری پوری رات جاگ کر علمی تحقیق میں بسر کر دیتے۔ خود فرماتے ہیں:

مكثت اربعين سنة لابيت الا والسراج بين يدى.

چالیس برس سے ساری رات چراغ میرے سامنے جلتا رہتا ہے۔

آپ کی فقہی جلالت کا اعتراف بہت سے لوگوں نے کیا ہے۔

☆ یحییٰ بن آدم:۔ مارايت افقه من الحسن بن زياد.

(الجواہر المضیہ ص ۱۲۷)

میں نے حسن بن زیاد سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔

تمر بن حذار سے جب لوگوں نے پوچھا، کہ حسن بن زیاد بڑے فقیہ ہیں یا محمد بن حسن تو انہوں نے کہا، کہ بخدا! میں نے حسن بن زیاد کو ایسا دیکھا ہے کہ جب وہ محمد بن حسن سے کوئی سوال کرتے تو یہاں تک ان کو مضطرب کر دیتے تھے، کہ رونے کے قریب ہو جاتے تھے۔ (حدائق الحنفیہ ص ۱۶۳)

۱۹۴ھ میں حفص بن غیاث کے انتقال کے بعد کوفہ کے قاضی بنائے گئے تو تمام تر فقہی صلاحیتوں کے باوجود یہ منصب ان کے لیے سازگار ثابت نہ ہو سکا اور آپ نے استعفا دے دیا۔

امام اعظم کی کتاب المجرد کی آپ نے روایت کی، اس کے علاوہ یہ کتابیں تصنیف کیں۔

کتاب ادب القاضی، کتاب الخصال، کتاب معانی الایمان، کتاب النفقات، کتاب الخراج، کتاب الفرائض، کتاب الوصایا، کتاب الامالی۔

فقہ میں کمال کے باوصف احادیث نبویہ کے بڑے حافظ تھے، جن کی فقہا کو ضرورت ہوتی تھی، انہوں نے خود فرمایا

سمعت ابن جریج اثنی عشر الف حدیث یحتاج الیہ الفقھاء۔ (اثمار الجنیہ ص ۱۲۵)

میں نے ابن جریج سے بارہ ہزار ایسی حدیثیں سنیں، فقہا جن کے محتاج ہیں۔

حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ تھے، حد درجہ متبع سنت تھے۔

(۷) امام حفص بن غیاث رضی اللہ عنہ ۱۱۷ھ تا ۱۹۴ھ

ابو عمر حفص بن غیاث کوفہ میں پیدا ہوئے، جہاں کا ذرہ ذرہ علم کی تابانیوں سے جگمگا رہا تھا، آپ نے فطری استعداد کے ساتھ تحصیل علم کے کوچے میں قدم رکھا اور مشاہیر علم کی بارگاہوں سے علم وفن کی تحصیل کی۔

اپنے عہد کے مقتدر شیوخ سے کسب علم نے حفص کے علمی درجے کو بہت اونچا کر دیا تھا۔ خاص طور سے حدیث وفقہ میں ان کا پایہ کافی بلند تھا، ان کی ثقاہت اور جلالت فی الحدیث کا اعتراف ائمہ فن نے اس طرح کیا ہے۔

☆ عجلی:۔ ثقة فقیه مامون (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۵۸)

حفص ثقہ، فقیہ، مامون تھے۔

☆ یحییٰ بن سعید:۔ اوثق اصحاب الاعمش۔ (ایضا)

حفص اعمش کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ثقہ ہیں۔

☆ ابن نمیر:۔ کان حفص اعلم بالحدیث من ابن ادریس۔ (ایضا)

حفص، ابن ادریس سے بڑے عالم حدیث تھے۔

☆ابوحاتم:۔ حفص اتقن واحفظ من ابی خالد الاحمر۔ (ایضا)

حفص ابوخالدالاحمر سے زیادہ متقن اور بڑے حافظ ہیں۔

☆ابن سعد:۔ کان ثقة ماموناً کثیر الحدیث۔(ایضا)

حفص، ثقہ، مامون اور کثیرالحدیث تھے۔

☆ ابن معین:۔ کان حفص بن غیاث صاحب حدیث له معرفة۔(ایضا)

حفص بن غیاث محدث تھے اور انہیں اس میں پوری مہارت حاصل تھی۔

ابن معین، ابن خراش اور نسائی نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (ایضا)

حضرت حفص کو ہزاروں حدیثیں ازبر تھیں، ان کا علمی پایہ ان کے شیوخ سے بھی بلند تھا۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

کان حفص کثیر الحدیث حافظا له ثبتا فیه وکان ایضا مقدما علی المشائخ الذین سمع منهم الحدیث۔

(تاریخ بغدادج ۸ص ۱۹۴)

حفص بن غیاث کثیرالحدیث، حافظ اور ثقہ تھے، یہاں تک کہ وہ اپنے شیوخ سے بھی بلند مرتبہ تھے۔

انہوں نے علم کی اشاعت میں بڑی فیاضی سے کام لیا اور سخاوت کا پیکر تھے، اپنے اصحاب کو کھانا کھلاتے۔ ابوجعفر مسندی کا بیان ہے:

کان حفص بن غیاث من اسخی العرب وکان یقول من لم یاکل من طعامی لا احدثه واذاکان یوم ضیافته لایبقی راس فی الرواسین۔(تذکرہ ج اص ۲۷۴)

حفص تمام عربوں سے زیادہ سخی تھے، فرمایا کرتے تھے، جو میرا کھانا

نہیں کھائے گا میں اسے حدیث نہیں پڑھاؤں گا جب وہ دعوت کرتے، تو روا سیوں کے محلے میں ایک آدمی پیچھے نہ رہتا۔

آپ کا حافظہ بہت قوی تھا، ہزاروں حدیثیں سند کے ساتھ حافظے میں محفوظ تھیں اور اپنے تلامذہ کو کتاب کے بغیر درس دیا کرتے تھے۔

ابن معین کہتے ہیں:

جمیع ماحدث به حفص ببغداد وبالكوفة فمن حفظه لم یخرج کتابا کتبوا عنه ثلاثة آلاف واربعة آلاف حدیث من حفظه۔

بغداد اور کوفہ میں حفص نے جتنی حدیثیں روایت کیں، سب صرف اپنے حافظہ سے بغیر کتاب کے بیان کیں، لوگوں نے اس طرح ان سے تین یا چار ہزار حدیثیں لکھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۲۷۴)

آپ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا، جس میں طالبان علوم بڑی تعداد میں شریک ہوتے۔

فقہ و قضا

حفص حدیث کی طرح فقہ میں بھی کامل درک رکھتے تھے۔ عجلی کہتے ہیں:

ثبت فقیه البدن (تہذیب ج۲ ص۳۵۹)

ان کی فقہی بصیرت کی بنا پر ہارون رشید نے ۱۷۷ھ میں بغداد کے عہدہ قضا پر سرفراز کیا، وہ بڑی شان کے ساتھ قرآن و حدیث اور دلائل و نظائر کی بنیاد پر مقدمات کے بے لاگ فیصلے فرمایا کرتے، اس سلسلے میں کسی عہدہ و منصب، دولت و ثروت اور اثر و رسوخ کی ذرا بھی پروانہ کرتے۔ ان کے فیصلوں کو بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا۔

قاضی حفص نے ایک قرض دار مجوسی سردار کے مقدمہ میں دلائل و شواہد کی بنا پر اس

کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ ۲۹/ہزار کے اس قرض کا کچھ تعلق ام جعفر سے بھی تھا، چنانچہ اس نے خلیفہ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا، کہ وہ قاضی حفص کو معزول کر دیں، لیکن ہارون رشید اس کے لیے کسی طرح تیار نہ ہوا، بلکہ وہ اس بے لاگ فیصلہ سے اس قدر خوش ہوا، کہ اس نے حفص بن غیاث کو ۳۰/ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ لیکن بعد میں جب ام جعفر کا دباؤ بڑھا، تو ہارون نے قاضی حفص کو بغداد کے بجائے کوفہ کا قاضی بنا دیا، جہاں وہ ۱۳/سال تک اس منصب کی ذمہ داری پوری دیانت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

وہ تقریباً ۱۵/سال منصب قضا پر فائز رہے، اس پوری مدت میں جرأت، غیر جانبداری، حق گوئی و بے باکی کے ساتھ زیر سماعت قضیوں کا منصفانہ فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے۔ وہ اپنے فیصلوں میں کسی قسم کا دباؤ قبول نہ کرتے، پوری تحقیق اور بصیرت کے ساتھ حق فیصلہ دیتے۔ انہوں نے عہدہ قضا کی تمام تر ذمہ داریوں کو حسن وخوبی کے ساتھ پورا کیا۔ علما و محققین نے آپ کی حیثیت قضا اور برحق فیصلوں کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ وکیع بن الجراح سے کسی بات کا سوال کیا جاتا، تو فرماتے:

اذھبوا الی قاضینا فسئلوہ۔

ہمارے قاضی حفص کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو۔

کہا جاتا ہے: ختم القضاء بحفص حفص پر قضا کا خاتمہ ہو گیا۔ (ایضا)

(۸) مسعر بن کدام رضی اللہ عنہ م ۱۵۵ھ

ابوسلمہ مسعر بن کدام جلیل القدر تبع تابعین میں تھے، وہ علم وورع کا مجمع البحرین تھے، یعلی بن مرہ کہتے ہیں کہ مسعر کی ذات علم اور ورع دونوں کی جامع تھی۔

ہشام کہتے ہیں کہ عراقیوں میں مسعر اور ایوب سے افضل ہمارے یہاں کوئی نہیں ہے۔

آپ نے ابتدا میں بڑے بڑے محدثین سے علم حدیث حاصل کیا اور اس علم

میں ذروہ کمال تک پہنچے، آپ کی ثقاہت وعدالت پر سب کا اتفاق تھا، اختلاف کی صورت میں لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، سفیان ثوری کا بیان ہے: جب ہم لوگوں میں حدیث کی کسی چیز کے بارے اختلاف ہوتا تھا، تو مسعر سے پوچھتے تھے۔ ابراہیم بن سعد کہتے تھے: جب سفیان اور شعبہ میں کسی حدیث کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا تو میزان یعنی مسعر کے پاس جاتے تھے۔

اس جلالت علمی کے باوجود روایت حدیث میں بڑے محتاط واقع ہوئے تھے۔

ابتدا میں آپ امام اعظم کے حاسدین میں تھے اور ان کے عیوب شمار کراتے تھے، آپ کا حلقہ درس علاحدہ قائم ہوتا، لیکن ایک بار امام اعظم کی خدمت میں آئے، تو آپ کا زہد وتقویٰ دیکھ کر سخت نادم ہوئے، چنانچہ معتقد ہو کر صحبت اختیار کرلی اور فقہ میں استفادہ کیا۔

سلیم بن سالم کا بیان ہے ہم امام مسعر بن کدام کے درس میں بیٹھے ہوئے تھے، ہم ان سے سوال کرتے تو امام اعظم کے اقوال سے بات شروع کرتے، ایک شخص نے کہا، ہم آپ سے اللہ اور رسول کی بات پوچھتے ہیں، تو آپ بدعتیوں کی بات شروع کردیتے ہیں۔ امام مسعر اس شخص سے بہت ناراض ہوئے اور فرمایا تمہاری اس بے ہودہ بات کا جواب صرف یہ ہے کہ تم میری مجلس سے اٹھ کر چلے جاؤ تمہیں معلوم نہیں کہ امام اعظم کا چھوٹا شاگرد حج کے ایام میں خانہ کعبہ کے پاس کھڑا ہو جائے تو ساری دنیا کے علما اسے سنتے رہیں۔ اس کے بعد آپ نے یہ دعا مانگی: اے اللہ! میں تیرا قرب چاہتا ہوں اور اس کے لیے امام اعظم کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔

آپ کوفہ کے صاحب افتا فقہا کی جماعت میں شامل تھے۔ آپ فقہ میں امام اعظم کے تلمیذ ومقلد تھے اور فقہ حنفی پر فتویٰ دیتے تھے۔

عبداللہ بن مبارک نے کہا: میں نے مسعر کو امام اعظم سے سوال کرتے ہوئے اور

استفادہ کرتے ہوئے دیکھا۔

آپ بڑے عابد وزاہد اور متقی تھے۔

(۹) وکیع بن الجراح رضی اللہ عنہ ۱۱۹ھ تا ۱۹۷ھ

ابوسفیان وکیع بن الجراح کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کوفہ کے بیت المال کے نگراں تھے۔ کوفہ علم وفن کا مرکز تھا۔ وکیع نے وہیں تعلیم کا آغاز کیا اور اپنی فطری صلاحیت علم کو بروئے کار لانے میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کی۔

قدرت نے انہیں حفظ وذکاوت کی غیر معمولی قوت عطا فرمائی تھی، ان کی ذکاوت وفطانت کے جوہر بچپن ہی سے کھلنے لگے تھے، زمانہ طالب علمی میں ایک حدیث کسی شیخ سے سنی تھی، وہ عمر بھر ان کے حافظے میں محفوظ رہی۔ قاسم جرمی کا بیان ہے:

کان سفیان یدعو وکیعا وھو غلام فیقول ای شئ سمعتہ فیقول حدثنی فلان کذا قال وسفیان یتبسم ویتعجب من حفظہ۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۲)

سفیان ثوری اپنے شاگرد وکیع کو دیکھ کر پوچھتے، جب کہ ابھی وہ بچے تھے، تم نے کون سی حدیث سنی ہے، وہ پوری سند کے ساتھ اس کو بیان کر دیتے، کہ مجھ سے فلاں شخص نے اس طرح حدیث روایت کی ہے۔ سفیان ثوری اپنے شاگرد کی اس حاضر دماغی کو دیکھ کر مسکراتے اور تعجب وحیرت کا اظہار کرتے۔

وکیع اپنی قوت حفظ کے بارے میں کہتے ہیں: میں نے گزشتہ پندرہ سال کے عرصہ میں سوائے ایک دن کے کبھی کتاب کھول کر نہیں دیکھی اور اس ایک مرتبہ میں بھی سرسری طور سے دیکھا اور دیکھ کر کتاب کو اس کی جگہ رکھ دیا۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۷۵)

زمانہ طالب علمی میں دوران درس کبھی حدیثیں قلم بند نہیں کیں، بلکہ گھر آ کر لکھا

کرتے تھے۔ خود فرماتے ہیں: میں نے سفیان ثوری کے درس کے وقت کبھی حدیث نہیں لکھی، بلکہ اس کو دماغ میں محفوظ کر لیتا، پھر گھر واپس آ کر لکھتا تھا۔

علی بن حشرم کا بیان ہے:

رایت وکیعا ومارایت بیدہ کتابا قط انما ھو یحفظہ فسالتہ عن دواء الحفظ فقال ترك المعاصی ماجربت مثلہ للحفظ۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۳)

میں نے امام وکیع کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی، وہ صرف اپنے حافظہ سے درس دیا کرتے تھے، ان کی حیرت انگیز قوت حفظ وضبط دیکھ کر میں نے ان سے ایسی دوا پوچھی، جس سے حافظہ قوی ہو جائے، انہوں نے فرمایا، اجتناب معاصی سے بڑھ کر قوت حافظہ کے لیے کوئی چیز میرے تجربہ میں نہیں آئی۔

حضرت وکیع نے اپنی بے پناہ قوت حفظ اور ذہانت وذکاوت سے کام لے کر اپنے عہد کے تمام محدثین وفقہا کے خزائن علم وفقہ سے استفادہ کیا اور اس سلسلہ میں رحلت وسفر کی مشقتیں برداشت کیں۔

سچے جذبہ تحصیل علم اور سعی بلیغ نے وکیع کو علم وفن کے اتنے اونچے مقام تک پہنچا دیا، کہ دنیا ان کو امام المسلمین، احد ائمۃ الاسلام اور محدث عراق کے خطابات سے یاد کرنے لگی۔ تحصیل علم کی ابتدا ہی میں بعض شیوخ نے آپ کے شاندار مستقبل کی خبر دے دی تھی۔ امام اعمش نے آپ کا نام پوچھنے کے بعد فرمایا "ما احسب الا سیکون لك نبا" "میرا خیال ہے کہ تمہارا مستقبل شاندار ہوگا۔ سفیان ثوری نے آپ کی آنکھوں میں دیکھ کر لوگوں سے کہا "ترون ھذا الرواسی لایموت حتی یکون لہ نبا" "تم لوگ اس رواسی کو دیکھ رہے ہو موت سے پہلے اس کی بڑی منزلت ہو جائے گی۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۶۹)

حلقہ درس اور فضیلت علم

امام وکیع نے حضرت سفیان ثوری کے بعد ان کے جانشین کی حیثیت سے درس دینا شروع کیا۔ یحییٰ بن یمان کہتے ہیں: جب امام سفیان ثوری کا وصال ہوا تو وکیع ان کی جگہ مسند نشیں ہوئے۔

جلد ہی آپ کے درس کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی اور مختلف ملکوں اور شہروں کے طالبان علم کوفہ آ کر حلقہ درس میں شامل ہونے لگے، کوفہ ہی نہیں بلکہ وہ جس مقام پر پہنچتے شائقین علم کا ازدحام ہو جاتا اور وسیع حلقہ درس قائم ہو جاتا تھا۔ آپ کے حلقہ درس کے سامنے دوسرے تمام حلقہائے درس ویران ہو جاتے تھے۔

امام وکیع نے علم حدیث میں جو دستگاہ بہم پہنچائی تھی، اس کا اعتراف ان کے معاصر محدثین اور بعد کے علمائے فن نے بڑی کشادہ دلی سے کیا ہے۔

☆ احمد بن حنبل: ”مارایت اوعی للعلم من وکیع ولا احفظ منہ“ میں نے وکیع سے بڑا علم کا ظرف (جمع کرنے والا) اور ان سے بڑا حافظ نہیں دیکھا۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۰)

☆ ابن معین: ”مارایت احفظ منہ ووکیع فی زمانہ کالاوزاعی فی زمانہ“ میں نے ان سے بڑا حافظ نہیں دیکھا۔ وکیع اپنے زمانہ میں ایسے ہی ممتاز تھے جس طرح اوزاعی اپنے زمانہ میں۔ (ایضاً ص ۱۱۲)

فقہ

حدیث کے ساتھ امام وکیع فقہ میں بھی کمال رکھتے تھے، وہ امام اعظم کے شاگرد تھے، انہیں کے مسلک پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ امام یحییٰ فرماتے ہیں:

مارایت افضل منه یقوم اللیل ویسرد الصوم و یفتی بقول ابی حنیفة۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۲)

میں نے وکیع سے افضل کوئی آدمی نہیں دیکھا وہ رات کو قیام کرتے، دن کو روزہ رکھتے اور ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

یحییٰ بن معین فرماتے تھے، امام وکیع ابوحنیفہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور انہوں نے امام صاحب سے کافی سماعت کی تھی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۷۱)

وکیع امام اعظم کے شاگرد اور ان کے فقہی آرا کے مبلغ اور امام صاحب کی اصابت رائے پر کامل یقین رکھتے تھے۔

آپ کی فقہی بصیرت دیکھ کر ہارون رشید نے کوفہ کے منصب قضا کی پیش کش کی مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۳)

تصانیف

امام وکیع نے درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کو بھی اپنا مشغلہ بنایا تھا، امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے۔ وکیع کی تصنیف کردہ کتابوں کا بالالتزام مطالعہ کرو "علیکم بمصنفات وکیع" (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۳)

امام ابن جوزی نے تحریر فرمایا "صنف التصانیف الکثیرۃ" انہوں نے بکثرت کتابیں تصنیف کیں۔ (صفۃ الصفوہ ج ۲ ص ۱۶۴)

خیر الدین زرکلی لکھتے ہیں "لہ مصنف فی الفقہ و السنن"

افسوس ہے کہ دوسرے اسلاف کی طرح حضرت وکیع کی مصنفات بھی صفحہ ہستی سے ناپید ہو گئیں۔ آج ان کی دو کتابوں کے نام ملتے ہیں۔ (۱) مصنف ابی سفیان (۲) کتاب السنن۔

(۱۰) یزید بن ہارون رضی اللہ عنہ ۱۱۸ھ تا ۲۰۶ھ

کنیت ابوخالد اسم گرامی یزید سلسلہ نسب یہ ہے: یزید بن ہارون بن زاذان بن ثابت۔ آپ کا وطن واسط تھا۔ آبا و اجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ قبیلہ سلم کے غلام

تھے، اس لیے سلمی کہلائے۔ آپ کی ولادت ۱۱۸ھ میں ہوئی اور زندگی کے بیشتر ایام یہیں بسر ہوئے۔

امام یزید نے اپنے وطن واسط میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر طلب علم کا ذوق انہیں کشاں کشاں اسلامی بلاد وامصار کے علمی مرکزوں تک لایا اور انہوں نے اپنے زمانہ کے اکابر تابعین ومحدثین سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی۔

یزید بن ہارون نے غیر معمولی حافظے اور تحصیل علم کے بے پایاں ذوق کے ساتھ رحلت وسفر کی مشقتیں برداشت کر کے علما وشیوخ کی بارگاہوں سے اکتساب علم کیا تھا اور وہ علم کا ظرف بن گئے تھے۔ انہوں نے دوسری صدی کے نصف آخر میں علم وعمل کی ایسی شمع فروزاں کی جس سے ہزاروں قلوب واذہان نے روشنی حاصل کی اور ان کی عظمت وجلالت کا سکہ علمی دنیا میں چلتا رہا۔ ان کی درسگاہ حدیث وفقہ کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ حدیث میں ان کی عظمت ورفعت کا اعتراف بڑے بڑے ائمہ فن نے کیا ہے۔

☆احمد بن حنبل:۔ ”کان حافظا للحدیث صحیح الحدیث عن حجاج بن ارطاة“ وہ حافظ حدیث تھے حجاج بن ارطاۃ کی حدیثوں کے صحیح ناقل تھے۔

(تہذیب ج ۱۱ص ۳۶۱)

☆ابن مدینی:۔ ”هو من الثقات ...... مارایت احفظ منه“ وہ ثقہ تھے، میں نے ان سے بڑا حافظ کسی کو نہیں دیکھا۔ (ایضاص ۳۶۲)

☆ابن حبان:۔ ”کان من خیار عباد الله تعالیٰ ممن یحفظ حدیثه“ وہ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں میں سے تھے، جن سے حدیثیں یاد کی جاتی ہیں۔ (ایضا)

☆ابن سعد:۔ کان ثقة کثیر الحدیث ۔ وہ معتبر اور کثیر الحدیث تھے۔

(ایضا)

یزید بن ہارون کو قدرت نے غیر معمولی قوت حفظ وضبط سے سرفراز فرمایا تھا۔ علی بن مدینی جیسے محدث نے فرمایا، میری نظر میں یزید بن ہارون سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہیں۔ خود امام یزید

فرمایا کرتے تھے:

احفظ اربعة وعشرين الف حديث بالاسناد ولا فخر واحفظ للشامين عشرين الفا لا اسال عنه۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۹۲)

مجھے مع اسناد ۲۴/ ہزار احادیث حفظ ہیں اور اس پر کوئی فخر نہیں۔ نیز مجھے شامی اساتذہ کی بیس ہزار حدیثیں اس طرح یاد ہیں کہ مجھے ان کے متعلق کچھ پوچھنے کی حاجت نہیں ہے۔

فقہ

یزید بن ہارون فقہ میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے، کسی نے امام احمد سے پوچھا کیا ہارون فقیہ تھے؟ جواب دیا ''نعم ما كان افطنه و اذكاه وافقهه'' ہاں! ان سے زیادہ ذہین وفطین اور عقل وشعور والا میری نظر سے نہیں گزرا۔ سائل نے کہا، اچھا ابن علیہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ فرمایا ''كان له فقه لا اعلم انی لم اخبره خبری یزید'' وہ فقیہ ضرور تھے، لیکن مجھ کو ان کی نسبت اتنا علم نہیں جتنا کہ یزید بن ہارون کی نسبت ہے۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۳۲۳)

یزید بن ہارون فقہ میں امام اعظم کے شاگرد رشید تھے اور فقہ حنفی کے مبلغ کی حیثیت سے ان کو شہرت حاصل تھی۔ انہوں نے اس فقہ کو عام کرنے میں بڑی جدوجہد کی۔

ایک دن امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ درس کے دوران امام اعظم کے ارشادات سنا رہے تھے، کہ کسی نے کہا ہمیں حدیثیں سنایئے اور لوگوں کی باتیں نہ کیجیے۔ آپ نے اس سے فرمایا، اے احمق! یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تفسیر ہے، معلوم ہوتا ہے، کہ تمہارا مقصد صرف حدیثیں سننا اور جمع کرنا ہے، اگر تمہیں علم حاصل کرنا ہوتا تو تم حدیث کی تفسیر اور معانی معلوم کرتے اور امام اعظم ابو حنیفہ کی کتابیں اور ان کے اقوال دیکھتے جو تمہارے لیے حدیث کی تفسیر کرتے ہیں، پھر آپ نے اس کو ڈانٹ کر مجلس سے باہر نکال دیا۔ (مناقب للموفق ج ۲، ص ۳۴۴)

آپ فرمایا کرتے تھے، میں بے شمار لوگوں سے ملا ہوں، مگر میں نے کسی کو امام اعظم سے بڑھ کر عاقل، فاضل اور پرہیز گار نہیں پایا۔ (تبییض الصحیفہ ص ۲۵)

علمی دبدبہ

حضرت یزید بن ہارون ان عظیم فقہا ومحدثین میں تھے، جن کی علمی شان اور تمکنت کا سکہ دلوں پر چلتا تھا۔ عوام ہوں یا خواص سب کے دل پر ان کے کمالات علمی کا رعب قائم تھا اور ان کی شخصیت سے خود خلیفہ مامون الرشید بھی مرعوب تھا۔ وہ یونانی منطق وفلسفہ کا دلدادہ تھا، جس کے اثر سے خلق قرآن کا فتنہ رونما ہوا۔ مامون خود بھی قرآن کو مخلوق مانتا تھا، مگر اس باطل عقیدے کی برملا تشہیر اور اعلان سے یزید بن ہارون کی شخصیت مانع تھی۔

یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے، ایک مرتبہ مامون نے ہم سے کہا، ''لولا مکان یزید بن هارون لاظهرت القرآن مخلوق'' اگر یزید بن ہارون کے وقار کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں قرآن کے مخلوق ہونے کا اظہار کر دیتا۔

یزید بن ہارون کا مستقل حلقہ درس واسط میں قائم ہوتا تھا، جب وہ بغداد جاتے وہاں بھی شائقین علم ان کے گرد جمع ہو کر درس حدیث لیتے۔ ان کے حلقہ درس میں لوگوں کا ازدحام ہوتا کبھی کبھی شرکاے درس کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی۔

(۱۱) یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ رضی اللہ عنہ ۱۲۰ھ تا ۱۸۲/۱۸۳ھ

اسم گرامی یحییٰ، کنیت ابوسعید، سلسلہ نسب یہ ہے: یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ میمون بن فیروز ہمدانی کوفی۔ والد کا نام زکریا تھا، لیکن اپنے دادا ابوزائدہ کی نسبت سے مشہور ہیں۔

محمد بن مبشر سے ولاء کا تعلق رکھتے تھے۔ کوفہ میں ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ کوفہ اس زمانے میں علم وفن کا زبردست مرکز تھا، جہاں کے چپہ چپہ سے علم وفضل کی شعاعیں

پھوٹی تھیں، آپ کے والد حضرت زکریا خود صاحب علم اور محدث تھے۔ یحییٰ کو علم کی مناسبت وراثت میں ملی تھی۔

یحییٰ ایک محدث وفقیہ کے فرزند تھے، اس لیے ابتدا ہی سے اپنے والد کے زیر سایہ علمی ماحول میں پروان چڑھے۔ حضرت زکریا اپنے فرزند کو بڑا عالم بنانا چاہتے تھے۔ یحییٰ بن یونس کا بیان ہے: میں نے زکریا بن ابی زائدہ کو دیکھا کہ اپنے صغرسن بچے یحییٰ کو مجالد بن سعید کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۸۴)

انہوں نے فطری صلاحیت، والد کی تربیت اور کوفہ کی علمی فضا سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور علم وفضل میں اتنا کمال پیدا کیا کہ وقت کے ممتاز شیوخ میں شمار کیے جانے لگے۔

یحییٰ بن ابی زائدہ علم وفن میں امتیازی شان کے مالک تھے، حدیث ان کا خاص میدان تھا، اس باب میں ان کی رفعت وبلندی کا اعتراف بڑے بڑے ائمہ حدیث نے کیا ہے۔

☆ علی بن مدینی: ''لم یکن بالکوفة بعد سفیان الثوری اثبت منه ......انتهی العلم الی یحییٰ بن ابی زائدة فی زمانه'' سفیان ثوری کے بعد کوفہ میں ان (یحییٰ) سے زیادہ پختہ کار کوئی نہیں تھا۔ یحییٰ بن ابی زائدہ کے زمانہ میں علم ان پر ختم ہو گیا ہے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۴۷)

☆ ''ابو حاتم: ''مستقیم الحدیث ثقة صدوق'' یحییٰ مستقیم الحدیث ثقہ صدوق تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۸۳)

☆ امام نسائی: ''ثقة ثبت'' وہ ثقہ اور ثبت تھے۔ (ایضا)

☆ ابو خالد: ''کان جید الاخذ'' وہ اخذ حدیث میں جید تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۸۳)

☆ ابن عیینہ: ''ماقدم علینا مثل ابن المبارک ویحییٰ بن ابی زائدہ'' ہمارے پاس عبداللہ بن مبارک اور یحییٰ بن ابی زائدہ جیسا کوئی محدث نہیں آئے۔ (ایضا)

☆ عجلی:۔ ”ثقة وهو جمع له الفقه والحديث وكان على قضاء المدائن ويعد من حفاظ الكوفيين للحديث متقنا ثبتا صاحب سنة“ یحییٰ معتبر ہیں اور ان کی حدیث وفقہ کو جمع کیا گیا ہے وہ مدائن کے قاضی تھے۔ وہ کوفہ کے حفاظ حدیث میں شمار کیے جاتے، متقن، ثبت اور صاحب سنت تھے۔ (ایضا)

یحییٰ اپنے زمانے میں اسناد کے سب سے بڑے مدار تھے۔ علی بن مدینی کا بیان ہے: اسناد کا دارومدار پہلے زمانہ میں چھ بزرگوں پر تھا، پھر ان کا علم ایسے مختلف اصحاب کی طرف منتقل ہوا، جنہوں نے علم کی مختلف شاخوں میں کمال پیدا کیا، پھر ان سب کا علم دو بزرگوں پر آ کر ختم ہو گیا، ایک ابوسعید یحییٰ بن سعید جو بنو تمیم کے غلام تھے (م ۱۹۸ھ) اور دوسرے بزرگ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ ہیں۔ (تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۱۷)

تصانیف

یحییٰ بن ابی زائدہ محدثین کوفہ میں سب سے پہلے امام فن ہیں، جنہوں نے حدیث میں کتاب تصنیف کی۔ خطیب بغدادی، سمعانی، علامہ ابن حجر سب اس بات پر متفق ہیں ”هو اول من صنف بالكوفة“ یحییٰ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے کوفہ میں کتابیں تصنیف کیں۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں، یحییٰ ثقہ حسن الحدیث تھے لوگ کہتے ہیں وہ کوفہ کے اولین صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۸۴)

آپ کا انداز تصنیف اس قدر مقبول ہوا، کہ دوسرے ائمہ فن نے ان کی تفسیر میں کتابیں لکھیں، حضرت وکیع نے اپنی کتابوں میں حضرت یحییٰ کی کتابوں کی پیروی کی ہے۔ عجلی کہتے ہیں: ”وكيع انما صنف كتبه على كتب يحيىٰ بن ابى زائدة“ (ایضا)

امتداد زمانہ کی وجہ سے ان کی کتابیں ناپید ہو چکی ہیں، ابن ندیم نے ان کی ایک کتاب کتاب السنن کا ذکر کیا ہے۔

فقہ

حضرت یحییٰ حدیث کی طرح فقہ میں بھی کمال رکھتے تھے۔آپ امام اعظم کے شاگرد تھے، بکثرت آپ کی مجلس میں حاضری دیتے اور فقہ میں درک حاصل کیا۔اسی مسلک فقہ پر فتویٰ دیتے امام اعظم کی صحبت سے ان کے اند اجتہاد واستنباط مسائل کی قوت بھی پیدا ہوگئی تھی۔جلیل القدر محدث ہونے کے باوجود صرف عطار ہی نہ تھے، بلکہ طبیب بھی تھے۔

ایک بار امام عجلی کے سامنے یحییٰ بن ابی زائدہ کا ذکر آیا، انہوں نے فرمایا، حضرت یحییٰ کے والد زکریا بن ابی زائدہ ثقہ تھے، ان کے فرزند یحییٰ بھی ثقہ ہیں اور یہ دونوں باپ بیٹے ان اکابر امت میں سے ہیں جو حدیث وفقہ دونوں کے جامع تھے۔

(تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۱۶)

حسن بن ثابت ایک بار حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ سے ملاقات کر کے واپس ہوئے تو انہوں نے بیان کیا کہ میں کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ یحییٰ بن ابی زائدہ کے پاس مہمان تھا۔

(تہذیب ج ۱۱ ص ۱۸۳)

آپ کو ہارون رشید نے مدائن کا قاضی بنایا تھا، جہاں چار سال تک فقہ حنفی کے مطابق مقدمات کے فیصلے کیے اور وہیں انتقال فرمایا۔

(۱۲) حماد بن ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ م ۱۷۹ھ

ابو اسماعیل حضرت حماد، امام اعظم کے اکلوتے صاحبزادے، علم وتقویٰ میں درجہ کمال پر فائز تھے۔حدیث وفقہ کی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی تھی۔آپ ان عظیم فقہا میں ہیں، جو امام اعظم کی مجلس تدوین فقہ کے رکن تھے۔فقہ کے ساتھ حدیث وسنت کی کتابت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔تفقہ میں آپ کی عظمت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے، کہ امام اعظم کی زندگی ہی میں فتویٰ دینے لگے تھے، فقہا آپ کو امام ابو یوسف، محمد بن

حسن، زفر اور حسن بن زیاد کے زمرے میں شمار کرتے ہیں۔ آپ بڑے زاہد اور عبادت گزار تھے۔

سمعانی کہتے ہیں: حماد زہد و عبادت، فقہ و کتابت حدیث میں مشغول رہا کرتے تھے۔

فضل بن دکین کا بیان ہے: کہ ایک مرتبہ حماد کسی گواہی کے سلسلے میں قاضی شریک کے پاس تشریف لے گئے، تو انہوں نے کہا اے حماد! آپ عفیف البطن (حرام کھانے سے بچنے والے) اور عفیف الفرج (حرام کاری سے بچنے والے) مسلمان اور نیک آدمی ہیں۔ (مناقب کردری)

بشر بن ولید نقل کرتے ہیں حماد بدمذہبوں کے معاملے میں بہت سختی کیا کرتے تھے۔ ان کے دلائل کی توڑ اور اتمام حجت کے سلسلے میں مشہور تھے۔ آپ کے دلائل کا جواب مخالفین کے مانے ہوئے متکلمین کے پاس بھی نہیں ہوتا تھا۔

قاسم بن معن کے بعد آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا گیا، پھر بغداد کا عہدہ قضا آپ کے سپرد ہوا، آخر میں بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے اور اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ جب آپ پر فالج کا حملہ ہوا، عہدے سے مستعفی ہوئے۔ جب حماد بصرہ کے عہدہ قضا سے الگ ہوئے تو یحییٰ بن اکثم رسم مشایعت کے طور پر ساتھ ہو لیے، لوگوں کو اکٹھا کیا گیا، لوگوں نے کہا، آپ ہمارے مال اور جانوں سے بری الذمہ ہیں۔

آپ کی ذہانت وتقویٰ پر خود امام اعظم ابوحنیفہ کو بھی کامل اعتماد تھا، چنانچہ حسن بن قحطبہ نے امام صاحب کے پاس ایک ہزار دینار بطور امانت رکھوایا، امام صاحب سے عرض کیا گیا، آپ نے اتنی بڑی رقم بطور امانت رکھ لی ہے، لیکن اس میں کئی قسم کے خطرات پوشیدہ ہیں، امام صاحب نے فرمایا "من کان مثل ابن حماد فی الورع فانہ یقبل" جس کا بیٹا حماد جیسا پرہیزگار و امین ہو اسے کوئی تردد نہیں۔

جب امام اعظم کا انتقال ہوا، تو حسن بن قحطبہ حماد کے پاس آئے اور امانت طلب

کی، حماد نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا، کہ آپ کی امانت آپ کے اپنے ہاتھ کے بندھے ہوئے کپڑے میں اسی حالت میں موجود ہے، آپ اسے لے جاسکتے ہیں۔

(مناقب کردری، الجواہر المضیہ ص ۲۸۶)

آپ کے چار صاحبزادے تھے۔ اسماعیل، ابوحیان، عمر اور عثمان۔ اسماعیل بن حماد مامون کے زمانے میں بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے تھے۔

فقہ حنفی کا شیوع

امام اعظم کی زندگی ہی میں اہل عراق کی اکثریت فقہ حنفی پر عمل پیرا ہو چکی تھی، آپ کی وفات کے نصف صدی گزرتے گزرتے فقہ حنفی آپ کے تلامذہ اور تلامذہ کے شاگردوں کے ذریعے باستثنائے اندلس ساری مملکت اسلامیہ میں پھیل چکی تھی اور امام کے مقلدین کا ایک وسیع حلقہ ہر جگہ پایا جانے لگا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے، کہ فقہ حنفی کی اتنے بڑے پیمانے پر اشاعت اس وجہ سے ہوئی، کہ امام اعظم کے شاگردوں نے مسند قضا پر بیٹھ کر فقہ حنفی کے مطابق فیصلے کیے، اس طرح بالواسطہ حکومت وقت فقہ حنفی کی اشاعت میں مدد و معاون ہوئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو فقہ حنفی کا دائرہ اس قدر وسیع نہ ہوتا، یہ خیال ایک خیال خام ہے، فقہ حنفی کی جامعیت، اس کے شیوع میں معاون ہوئی، امام اعظم اور ان کے شاگردوں نے جس وسیع پیمانے پر عبادات کے ساتھ معاملات، سیاسی و سماجی مسائل اور نئے پیش آمدہ مباحث کو اپنی تدوینی سرگرمیوں کا محور بنایا اور قدیم و جدید مسائل سے متعلق لاکھوں جزئیات فراہم کر دیے، جو دیگر فقہا و مجتہدین کے مستنبط مسائل سے کہیں زیادہ ہیں، جن میں ہر مسئلہ کا حل دین و شریعت کی روح کے ساتھ موجود ہے، یہی وجہ تھی، کہ وقت کے فرمانروا فقہائے احناف کو عدالتوں کی ذمہ داریاں دینے پر مجبور ہوئے تاریخ شاہد ہے کہ فقہائے قضا کے عہدوں سے حتی الامکان بچتے تھے، انہوں نے عدلیہ کے مناصب کی خواہش کا اظہار کبھی نہیں کیا اور نہ اس سلسلے میں امرا و خلفا کی دریوزہ گری کی، بلکہ حکومت وقت سلطنت کے وسیع کاروبار کو چلانے کے لیے جس جامع قانون کی ضرورت محسوس کر رہی تھی، اسے صرف فقہ حنفی پورا کر رہی تھی، اس لیے یہ کہنا کہ فقہ حنفی حکومت کے

بل بوتے پر پچھلی تاریخ اور انصاف کا خون کرنا ہے۔

فقہ حنفی کے شیوع اور اس کے پھیلاؤ کا واحد سبب اس کی جامعیت ہے اور وہ جامعیت اس طور پر پیدا ہوئی، کہ امام اعظم نہ صرف فقیہ و مجتہد تھے، بلکہ ایک بڑے تاجر بھی تھے اور انہوں نے بسلسلہ تجارت مختلف علاقوں کا سفر بھی کیا تھا۔ تجارت اور اقتصادیات سے متعلق بہت سی پیش آمدہ پیچیدگیوں اور نت نئے مسائل کا انہیں ادراک تھا۔ نیز مرکز تدوین فقہ کوفہ بہت سے عربی، عجمی قبائل کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ شہر کوفہ عرب وعجم کے تمدن کا سنگم تھا، جہاں ہر روز نئے نئے مسائل پیش آتے تھے، تمدن کی وسعت نے ہزارہا نئے مسئلوں کو جنم دے دیا تھا۔ عباسی دور کی ابتدا میں اس کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہوگیا تھا اور لوگ نئے پیش آمدہ مسائل میں اپنے شہروں کے علما سے رجوع کررہے تھے۔ بالخصوص کوفہ جو نئے مسائل کی آماجگاہ تھا، لوگ امام ابو حنیفہ کی طرف رجوع کرتے، احمد امین مصری اس صورت حال کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ومن اسباب التضخم ان المملكة الاسلامية اصبحت في صدر الدولة العباسية بعيدة الأطراف تضم بين جوانبها امما مختلفة لكل امة عادات اجتماعية وعادات قانونية وطرق في المعاملات ولكل امة دين له تقاليد فلما دخلت هذه الامم في الاسلام واستقرت الامور في العهد العباسي وصبغت الامور كلها صبغة دينية عرضت هذه العادات والتقاليد على الائمة فعرضت امور العراق على ابي حنيفة وامثاله وفيها العادات الفارسية والعادات النبطية وغيرها فكان من عمل هؤلاء الائمة النظر اليها بالقواعد العامة للاسلام واقرار بعضها وانكار بعضها وتعديل بعضها وهذا بلا شك باب واسع من الابواب التي تضخم التشريع وتغذيه

(ضحیٰ الاسلام ج۲ ص۱۶۵)

مسائل کی گونا گونی کی وجہ یہ ہے، کہ عباسی دور حکومت کی ابتدا ہی میں اسلامی مملکت کے حدود بہت وسیع ہو گئے تھے، جن میں مختلف قومیں آباد تھیں، جن کا تمدن، عادتیں اور قانون بہت مختلف تھے اور طریق عبادت و معاملات کی بھی بہت متنوع شکلیں رائج تھیں، لیکن جب یہ مختلف قومیں عباسی عہد تک اسلام میں داخل ہو گئیں اور اسی دور میں استقرار آیا اور سب کاموں پر دینی رنگ چڑھ گیا تو ان مختلف قوموں کو جو مسلمان ہوئیں اپنے اپنے خصوصی تمدن و عادات کو بھی اسلامی رنگ دینے پر مجبور ہونا پڑا، اس کے لیے انہیں اپنے اپنے علاقے کے فقہا سے رجوع کرنے کی ضرورت ہوئی، چنانچہ عراق کے لوگوں نے جن میں فارسی نبطی وغیرہ تمدنوں کی نمود تھی، امام ابوحنیفہ اور ان کے درجہ کے لوگوں سے رجوع کیا، تو ان ائمہ نے ان سب باتوں پر گہری نظر ڈال کر اسلام کے عام اصول و قواعد کی روشنی میں انہیں زندگی گزارنے کے لیے ان کے رواجوں میں کتر بیونت کی یعنی اسلام سے جو چیزیں ہم آہنگ تھیں انہیں برقرار رکھا اور جو صریحاً مخالف تھیں ان کو بدل دیا اور جن میں جزوی تبدیلی سے کام چل سکتا تھا، ان میں بقدر ضرورت ہی تغیر کیا۔ بلاشبہ یہ بہت بڑا اور اہم کام تھا، جسے ان ائمہ نے انجام دیا، جس سے شریعت کو غذا اور وسعت ملی۔

امام اعظم کو ان مسائل میں اسلامی نقطہ نظر واضح کرنے کی اولیت کا شرف حاصل ہے۔ آپ نے سب سے پہلے وقت کی اہم ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے فقہی مسائل کو ماٰخذ شریعت کی روشنی میں مستنبط کرنے کا فیصلہ فرمایا، جس کے لیے انہوں نے علم و تفقہ میں غیر معمولی قوت استنباط و اجتہاد کے باوجود اتنے عظیم کام کے لیے تنہا اپنی ذات پر انحصار نہیں کیا، بلکہ علوم اسلامیہ کے ماہرین، لغت و عربیت کے رمز شناس، سیاسی، ملکی، تجارتی، سماجی، اقتصادی امور و مسائل پر نظر رکھنے والے ارباب فضل و کمال کو اپنے ساتھ شریک کیا اور انہیں ہر مسئلہ پر کھل کر بحث کرنے اور مسائل کی تنقیح کا آزادانہ حق عطا

کیا، اس طرح شورائی نظام کے ذریعہ فقہ حنفی مدون ہوئی اور مسائل کے ممکنہ تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر حتمی فیصلہ کیا گیا جو دین فطرت کے مطابق تھا، یہی وجہ ہے کہ جب اس قانون فقہی کی اشاعت ہوئی تو لوگوں نے اسے بطیب خاطر قبول کیا۔

فقہ حنفی کی قبولیت عام کی ایک اہم وجہ امام ابوحنیفہ کے اصول واجتہاد واستنباط کی وسعت بھی ہے کہ امام صاحب نے ادلہ اربعہ کتاب وسنت، اجماع وقیاس کے علاوہ قضایائے صحابہ، استحسان، عرف استصحاب اور مصالح مرسلہ سے بھی مسائل کے استخراج واستنباط میں مدد لی، جب کہ دوسرے ائمہ کے نزدیک اتنے اصول استنباط نہیں۔

فقہ حنفی کی وسعت کا ایک سبب یہ بھی ہے، کہ اس زمانے میں فقہ تقدیری کو عام طور پر معیوب خیال کیا جاتا تھا، مگر امام صاحب نے اس میدان میں اپنی فکری صلاحیتیں صرف فرما کر ہزاروں تقدیری مسائل کا حل مستنبط فرما کر امت مسلمہ کے لیے وہ آسانی فراہم کردی، جس سے دوسرے فقہا کا دامن اجتہاد تقریباً خالی ہے۔ اگرچہ بعض ناقدین امام نے اس بنیاد پر طنزاً یہاں تک کہا، ''اعلم الناس بمالم یکن'' لیکن امام صاحب کو مسلمانوں کے معاملات ومسائل اور ان کی پیش آنے والی مشکلات کا احساس قبل از وقت ہو گیا تھا، ان کا نقطہ نظر تھا، کہ معاملات اور مسائل سامنے آنے سے پہلے ہی ان کا شرعی حل ڈھونڈ لیا جائے، آپ فرمایا کرتے تھے:

انا نستعد للبلاء قبل نزولها فاذا ماوقع عرفنا الدخول فيه والخروج منه۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۸)

مصیبت آنے سے پہلے اس کے مقابلے کے لیے ہم تیاری کر لیتے ہیں، تاکہ جب وہ پیش آئے تو ہمیں معلوم رہے کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔

ایک بار آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

لولا هذا لبقي الناس في الضلالة۔ (کردری ج ا ص ۴۴)

اگر یہ تیاری نہ ہو تو لوگ گم کردہ راہ ہو جائیں گے۔

فقہ حنفی میں ہر زمانے کے جدید مسائل کا حل پیش کرنے کی کامل صلاحیت موجود ہے۔ امام اعظم نے مسائل فقہیہ کے استنباط میں انسانی فطرت کا لحاظ کیا ہے، کیوں کہ اسلام دین فطرت ہے، اس بنا پر ایسے مسائل میں جہاں کوئی نص موجود نہ ہو یا روایات مختلف ہوں، تو مذہب حنفی میں عام طور پر فطری تقاضوں کو وجہ ترجیح قرار دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مسواک کے متعلق ''عند کل صلوۃ'' کی روایت کے مقابلے میں ''عند کل وضوء'' کو اس لیے ترجیح حاصل ہے، کہ یہ روایت فطری تقاضے کے قریب تر ہے۔ چوں کہ مسواک فطری طور پر منہ اور دانتوں کی صفائی کے کام آتی ہے اور صفائی طہارت کا جز ہے اس لیے احناف کے نزدیک مسواک وضو کی سنت ہے۔ جب کہ دیگر ائمہ کے نزدیک مسواک نماز کی سنت ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمان الٰہی ''یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر'' کے مطابق فرض اور حرام کی تعریفات میں سخت قیود لگا کر لوگوں کے لیے آسانی پیدا کی ہے۔ آپ کے نزدیک فرض وحرام کا اثبات ایسی نص سے ہوتا ہے، جو ثبوت اور دلالت دونوں اعتبار سے قطعی ہو۔ اسی طرح امام اعظم کے وضع کردہ دیگر اصولوں کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حنفی فقہ دیگر فقہوں کے مقابلے میں نہایت آسان اور نرمی پر مبنی ہے۔

جن معاملات میں ائمہ کا اجتہادی اختلاف ہے، ان میں اگر امام اعظم کے موقف کا تجزیہ کیا جائے تو آپ کا نقطہ نظر مبنی بر احتیاط نظر آئے گا۔

یہ وہ اہم خصوصیات ہیں جن کی بنا پر فقہ حنفی کو مسلمانوں کے ہر طبقہ نے قبول کیا اور ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والوں نے اس کی رہنمائی میں زندگی بسر کی، چنانچہ عہد امام اعظم سے لے کر آج تک یہ مکتب فقہ اپنی پوری قوت وتوانائی کے ساتھ پھیلتا چلا جا رہا ہے، دنیا کے تمام ملکوں میں امام اعظم کے مقلد موجود ہیں، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا، کہ آج حنفی مسلک فقہ پر چلنے والے مسلمان سب سے زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں اور امام کی یہ مقبولیت ان کی فقہ کی عظمت وہمہ گیری حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس دعا کا ثمرہ ہے، جو

آپ نے امام صاحب کے والد اور ان کی اولاد واحفاد کے بارے میں ارشاد فرمائی تھی۔امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد کا بیان ہے:

نحن نرجوا ان یکون اللہ تعالیٰ قد استجاب بعلی فینا۔

(تبییض الصحیفہ ص۵)

ہم امید رکھتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کی دعا ہمارے حق میں ضرور قبول فرمائی ہے۔

محدث علی قاری نے گیارہویں صدی ہجری میں حنفی مذہب کے مقلدین کو تمام اہل اسلام کا دوتہائی قرار دیا ہے۔(مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۲۴)

امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

کسی تکلف اور تعسف کے بغیر کہا جاسکتا ہے، کہ کشف کی نظر میں مذہب حنفی ایک عظیم دریا کی صورت میں نظر آتا ہے اور دوسرے مذاہب نہروں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں، ظاہری نظر سے بھی دیکھا جائے تو امت مسلمہ کا سواد اعظم امام اعظم ابوحنیفہ کا پیروکار ہے۔(مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۵۵)

علامہ ابن خلدون ۷۳۲ھ تا ۸۰۸ھ فقہ حنفی کے متبعین کی کثرت اور اس کے بعض اسباب کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

آج امام ابوحنیفہ کی فقہ کے پیرو اہل عراق، مسلمانان ہند وچین وماوراء النہر اور تمام بلاد عجم کے اہل اسلام ہیں، کثرت کی وجہ دراصل یہ ہوئی، کہ اول تو اس مذہب حنفی نے دارالاسلام عراق میں جنم لیا، جس کو قدرتاً مقبولیت عامہ نصیب ہونی چاہیے، پھر ان کے شاگردوں نے خلفاے عباسیہ کی صحبت میں رہ کر تالیفات کے تودے لگادیے تھے، شافعیوں کے ساتھ ان کے زبردست مناظرے رہے اور اختلافی مسائل میں اچھی اچھی بحثیں ان کے قلم سے نکلیں، یوں وہ علم میں منجھ گئے اور عمیق النظر بن گئے اور جو کچھ ان کی فضیلت وبرتری تھی وہ منظر عام پر آگئی۔حنفیوں کے کچھ علمی کارنامے قاضی ابن العربی

اور ابوالولید الباجی کے توسط سے مغرب میں پہنچ گئے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۳۰، ۴۳۱)

ابن خلدون کا یہ تجزیہ تقریباً سوا چھ سو سال پرانا ہے، اس دور میں فقہ حنفی کی مقبولیت اور اس کے متبعین کے دائرے میں بڑی وسعت پیدا ہوگئی ہے، عراق، ایران، افغانستان، پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، چین، برما، سری لنکا، نیپال، ترکی، مصر، شام، سوڈان، یورپ وامریکہ میں جہاں بھی سنی مسلمان موجود ہیں ان کی غالب اکثریت فقہ حنفی کی پیرو ہے۔ مصر جہاں امام شافعی نے اپنی فقہ کو از سر نو مرتب کیا تھا، وہاں بھی حنفیوں ہی کی اکثریت ہے اور حکومت کا آئین ودستور مسلک حنفی ہی ہے۔ اس طرح بلاشک وشبہ یہ بات کہی جاسکتی ہے، کہ دنیا میں مسلمانوں کی دو تہائی سے زیادہ اکثریت حنفی فقہ پر عمل کرتی ہے۔

فقہ حنفی کی عالم گیر مقبولیت کا اندازہ ۱۹۱۱ء کی اس رپورٹ سے بھی لگایا جاسکتا ہے، جس میں عالمی سطح پر تمام مسلمانان عالم کے فقہی مسالک کے ماننے والوں کا عمومی جائزہ پیش کیا گیا تھا، کہ کس مسلک کے ماننے والوں کی تعداد کیا ہے۔

زیدیہ مکتب فکر کی تعداد تقریباً ۳۰/لاکھ　　اثنا عشریہ ایک کروڑ ۳۵/لاکھ

اور اہل سنت وجماعت میں سے امام احمد کے مقلدین کی تعداد تقریباً تیس لاکھ

امام مالک کے مقلدین چار کروڑ امام شافعی کے مقلدین تقریباً دس کروڑ

امام اعظم کے مقلدین تقریباً چونتیس کروڑ۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مختصر لیڈن ۱۹۱۱ء)

فقہ حنفی کا قبول عام

قرآن وحدیث کے احکام اور صحابہ وتابعین کے فیصلوں اور فتاوی کی نظیروں کی چھان بین کر کے اہل علم کی ایک مجلس نے ابوحنیفہ جیسے متبحر عالم اور نکتہ رس مجتہد کی سربراہی میں قانون اسلامی کے جو احکام منقح شکل میں نکال کر دنیا کے سامنے پیش کیے، مزید براں اصول شریعت کی روشنی میں وسیع پیمانہ پر اجتہاد کر کے زندگی کے ہر پہلو میں پیش آنے والی امکانی صورتوں کے لیے جو قابل عمل آئین مرتب کر دیے تھے، ان کے بعد مشکل ہی سے انفرادی کوشش کرنے والے فقہا کی آرا کو وقیع سمجھا جا سکتا تھا، چنانچہ مشہور فقیہ یحیٰ بن آدم کہتے ہیں:

وکانت الکوفة مشحونة بالفقه وفقهاء ها کثیر مثل ابن شبرمة وابن ابی لیلیٰ والحسن بن صالح وشریك وامثالهم فکسدت اقاویلهم عند اقاویل ابی حنیفة وسیر بعلمه الی البلدان وقضی به الخلفاء والائمة والحکام واستقر علیه الامر (موفق ج۲ص ۴۱)

کوفہ فقہ سے بھرا ہوا تھا، وہاں بے شمار فقہا تھے، مثلاً ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ، حسن بن صالح اور شریک وغیرہ مگر ابوحنیفہ کے اقوال کے آگے دوسرے فقہا کے اقوال کا بازار سرد پڑ گیا، انہیں کا علم مختلف علاقوں میں پھیل گیا، اسی پر خلفا، ائمہ اور حکام فیصلے کرنے لگے اور معاملات کا چلن اسی پر ہو گیا۔

خلیفہ مامون الرشید کے عہد تک حنفی فقہ کا چلن اس بڑے پیمانے پر عام ہو گیا تھا، کہ امام اعظم کے مخالف ایک فقیہ نے خلیفہ مامون کے وزیر اعظم فضل بن سہل کو مشورہ

دیا، کہ حنفی فقہ کا استعمال بند کرنے کے احکام جاری کردیے جائیں، وزیراعظم نے اس سلسلے میں معاملہ فہم دانشوروں کو بلا کر رائے لی، انہوں نے بالاتفاق کہا:

ان هذا الامر لاينفذ وينتقص جميع الملك عليكم ومن ذكرلك هذا فهو ناقص العقل فقال له الفضل بن سهل هذا ان سمعه امير المومنين لا يرضى به.(موفق ج۲ص۱۵۷)

یہ بات نہیں چلے گی اور سارا ملک آپ لوگوں پر ٹوٹ پڑے گا، جس شخص نے آپ کو یہ مشورہ دیا ہے "ناقص العقل" ہے، وزیر نے کہا میں خود بھی اس خیال سے متفق نہیں ہوں اور امیر المومنین بھی اس سے راضی نہ ہوں گے۔

اسلامی تاریخ کا یہ اہم واقعہ ہے، کہ شخص واحد کی قائم کی ہوئی، فقہی کونسل کے شرعی فیصلے اور فقہی مسائل ارکان مجلس کے علمی وقار اور ان کی حسن نیت و اخلاص کی بدولت اسلامی حکومتوں کا قانون اور مسلمانوں کی دینی و معاشرتی زندگی کا قابل قبول راستہ بن گیا۔ مزید براں مستقبل کے لیے انفرادی طور پر قانون اسلامی کو مدون و مرتب کرنے والوں کے لیے روشن لائحہ عمل عطا کردیا۔ چنانچہ بعد میں جتنے دوسرے بڑے بڑے فقہی نظام بنے وہ اپنے طرز اجتہاد اور نتائج اجتہاد میں چاہے اس سے مختلف ہوں، مگر ان کے لیے فقہ حنفی کا اصول اجتہاد ہی نمونہ تھا، جنہیں سامنے رکھ کر دیگر فقہی نظام کی تشکیل و تعمیر کی گئی۔

امام موفق نے بہ سند متصل امام ابوالقسم بن برہان نحوی ثقہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

من رزقه الله فهما لمذهب ابی حنیفة ونحو الخلیل رای منهما الآیة الباهرة والجرعة المعجزة واستنار فی قلبه ان الله لم یخص بهما الا منهج الحق وشرعة الصدق۔

جس کو اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ کے مذہب اور امام خلیل بصری کی نحو کے سمجھنے کی صلاحیت عنایت کرتا ہے، وہ متحیر کرنے والی نشانی اور عاجز کردینے والا گھونٹ بھرے گا اور اس کے دل میں نور پیدا ہوگا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ کے

مذہب اور خلیل کی نحو سے راہ حق اور طریقہ صدق کو مخصوص کیا ہے۔

استاذ ادیب ابو یوسف یعقوب بن احمد نے کہا ہے۔

حسبی من الخیرات ما اعددته یوم القیامة فی رضی الرحمن

دین النبی محمد خیر الوری ثم اعتقادی مذهب النعمان

کافی ہیں مجھ کو قیامت کے دن وہ بھلائیاں جو اللہ کی رضا مندی کے لیے میں نے مہیا کر رکھی ہیں اور وہ حضرت محمد ﷺ بہترین خلائق کا دین اور ابوحنیفہ نعمان کے مذہب کا اعتقاد ہے۔

ابتدا میں بعض اہل علم کا گمان تھا، کہ فقہ حنفی اپنے مرکز تدوین سے باہر پھیلنے کی قوت نہیں رکھتی، لیکن ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ امام اعظم کی وفات کو ابھی چند دہائیاں ہی گزری تھیں، کہ فقہ حنفی دنیائے اسلام کے غالب خطوں تک پہنچ گئی۔

سفیان بن عیینہ کہتے تھے:

شیئان ماظننت انهما یجاوزان قنطرة الکوفة وقدبلغا الآفاق قرأة حمزه ورای ابی حنیفة۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۷)

دو چیزوں کے متعلق مجھے خیال نہیں آتا تھا، کہ وہ کوفہ کے پل پار پہنچیں گی حالاں کہ وہ دنیا کے دور دراز گوشوں تک پہنچ گئیں۔ حمزہ کی قرأت اور ابوحنیفہ کی فقہ۔

امام صاحب کی مصنفات اور ان کی اہمیت

عالم اسلام میں حدیث وفقہ کے موضوع پر کتابوں کی تالیف کا آغاز دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں ہو چکا تھا۔ اس دور میں ہمیں متعدد اصحاب علم وقلم کی کتابوں کا سراغ ملتا ہے۔ ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ نے بصرہ میں، معمر راشد متوفی ۱۵۳ھ نے یمن میں، ابن جریج متوفی ۱۵۰ھ نے مکہ میں، سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ نے کوفہ میں عبداللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ نے خراسان میں، ولید بن مسلم متوفی ۱۹۴ھ نے شام میں، ھشیم بن بشیر متوفی ۱۸۳ھ نے واسط میں اور اسی زمانہ میں امام ابوحنیفہ نے بھی کوفہ میں فقہ کی تدوین کی۔ اپنے تلامذہ کی ایک جماعت کو لے کر المجمع الفقہی قائم کیا اور احادیث وفقہ کا املا کرایا، بعد میں تلامذہ نے ان کتابوں کو اپنے حلقہ درس میں روایت کیا، جس کی وجہ سے وہ کتابیں شاگردوں کی طرف منسوب ہوئیں۔ پھر بھی کچھ کتابیں امام صاحب کے نام سے باقی رہ گئیں۔ ابن ندیم نے ان کتابوں کے نام دیے ہیں (۱) کتاب الفقہ الاکبر (۲) کتاب رسالۃ الی البتی (۳) کتاب العالم والمتعلم (۴) کتاب الرد علی القدریہ۔

(الفہرست ص ۲۸۵)

امام صاحب کی وفات کے بعد تک ان کی کتابوں سے استفادہ ہوتا رہا اور ان کا ذکر اس زمانہ کے اہل علم کے یہاں ملتا ہے۔ عبداللہ بن داؤد واسطی کا قول ہے:

من اراد ان یخرج من ذل العمی والجھل ویجد لذۃ الفقہ فلینظر فی کتب ابی حنیفۃ۔ (اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ ۷۸)

جو شخص چاہتا ہے کہ کورچشمی اور جہالت کی ذلت سے نکل کر فقہ کی لذت

پائے وہ ابوحنیفہ کی کتابوں کو دیکھے۔

زائدہ بن قدامہ کا بیان ہے، کہ میں نے سفیان ثوری کے سرہانے ایک کتاب پائی، جس کو وہ دیکھا کرتے تھے، میں نے اس کو دیکھنے کی اجازت چاہی، تو انہوں نے دے دیا:

فاذا کتاب الرهن لابی حنیفة فقلت له تنظر فی کتبه فقال وددت انها کلها عندی مجتمعة انظر فیها فما بقی فی شرح العلم غایة ولکن ماننصفه. (اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ ص ۶۵)

وہ ابوحنیفہ کی کتاب الرہن تھی، میں نے کہا، کہ آپ ان کی کتابیں دیکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا، میری خواہش ہے، کہ ان کی تمام کتابیں میرے پاس جمع ہوتیں اور میں ان کو دیکھتا رہتا علم کی تفصیلات کی کوئی انتہا نہیں ہے، ہم نے ابوحنیفہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

امام مالک نے خالد بن مخلد قطوانی کو خط لکھ کر ابوحنیفہ کی کتابیں طلب کیں اور انہوں نے بھیجا:

یساله ان یحمل الیه شیئا من کتب ابی حنیفة ففعله.

(عقود الجمان ص ۱۸۶)

امام مالک نے خالد سے سوال کیا کہ ابوحنیفہ کی کچھ کتابیں بھیج دو چنانچہ انہوں نے یہ کام کیا۔

عبداللہ بن داؤد کہتے ہیں، کہ ایک مرتبہ اعمش نے حج کا ارادہ کیا اور کہا، کہ

من ههنا یذهب الی ابی حنیفة یکتب لنا کتاب المناسك.

(اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ ص ۷۰)

کوئی یہاں ہے، جو ابوحنیفہ کے پاس جا کر ہمارے لیے کتاب المناسک لکھ دے۔

امام ابوحنیفہ کی تصانیف اور کتابوں کے بارے میں ان کے معاصر ائمہ دین کی شہادت

کے بعد یہ سمجھنا کہ انہوں نے کوئی کتاب نہیں لکھی، بڑی نادانی کی بات ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے، کہ امام صاحب کی کتابیں کئی صدیوں تک دائرو سائر رہیں اور فقہا و محققین ان سے استفادہ کرتے تھے، امیر بن ماکولا نے الاکمال میں ابوحامد احمد بن اسماعیل بن جبریل بن قیل مقری قرام متوفی ۳۳۴ھ کے حال میں لکھا ہے:

وسمع كتب ابى حنيفة وابى يوسف من احمد بن نصر عن ابى سليمان الجوزجانى عن محمد وغير ذلك.

انہوں نے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کی کتابیں احمد بن نصر سے سنی ہیں اور احمد بن نصر نے ابوسلیمان جوزجانی سے اور انہوں نے امام محمد سے یہ کتابیں سنی ہیں۔

قاضی ابوعاصم محمد بن احمد عامری مروزی کبار ائمہ احناف میں سے ہیں، ان کا قول ہے:

لوفقدت كتب ابى حنيفة رحمه الله لامليتها من نفسى حفظا.

اگر امام ابوحنیفہ کی کتابیں معدوم ہو جائیں تو میں ان کو اپنے حافظہ کی مدد سے املا کرا سکتا ہوں۔

کتاب الآثار

ازمنہ ماضیہ میں کتاب سازی کا یہ بھی انداز تھا، کہ شیوخ واساتذہ کی مرویات تلامذہ ضبط تحریر میں لاتے تھے اور وہ کتابیں شیوخ واساتذہ کی جانب منسوب ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ احکام الاحکام جو ابن دقیق العید کی تصنیف قرار دی جاتی ہے، اصل میں ان کی تصنیف نہیں ہے، بلکہ انہوں نے اپنے تلمیذ رشید قاضی اسماعیل سے املا کرایا۔ اسی طرح کتاب الآثار بھی ہے، جسے امام اعظم کے تلامذہ قاضی ابویوسف، محمد، زفر، حسن بن زیاد نے حدثنا واخبرنا کے صیغوں کے ساتھ منضبط کیا گو کہ مولانا شبلی نے کتاب الآثار کو امام

صاحب کی تصنیف تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ (سیرۃ النعمان ص ۱۲۲)

مگر یہ ان کا اپنا خیال ہے، جس کی تائید کسی اور محقق کے قول سے نہیں ہوتی۔

علمائے ماسبق نے کتاب الآثار کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیا ہے۔

☆ ملا علی قاری:۔ امام ابوحنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔

(مناقب امام اعظم بحوالہ تذکرۃ المحدثین ص ۸۰)

☆ امام احمد بن حنبل:۔ امام ابوحنیفہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار حدیثوں سے کیا۔ (ایضاً ص ۸۰)

☆ علی بن حجر عسقلانی:۔ "والموجود من حدیث ابی حنیفة مفردا انما هو کتاب الآثار التی رواه محمد بن الحسن" اس وقت امام اعظم کی احادیث میں سے "کتاب الآثار" موجود ہے، جسے محمد بن حسن نے روایت کیا ہے۔ (ایضاً ص ۸۶)

☆ امام عبداللہ بن مبارک:۔

روی الآثار عن نبل ثقات

غزار العلم شیخة حصیفه

امام اعظم نے "الآثار" کو ثقہ اور معزز لوگوں سے روایت کیا ہے، جو وسیع العلم اور عمدہ مشائخ تھے۔ (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۹۱)

☆ امام عبدالقادر حنفی امام یوسف بن قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

روی کتاب الآثار عن ابی حنیفة وهو مجلد ضخم۔ (الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۲۲۵)

امام یوسف نے اپنے والد ابو یوسف کے واسطے سے امام ابوحنیفہ سے کتاب الآثار کو روایت کیا ہے جو ایک ضخیم جلد میں ہے۔

مسانید امام اعظم

امام اعظم کی مرویات کو بعد کی صدیوں میں ان کے ہر ہر شیخ کے نام سے علاحدہ

علاحدہ ترتیب دیا گیا، جسے مسند ابی حنیفہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔

مرتبین مسانید ابی حنیفہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حافظ محمد بن مخلد ۳۳۱ھ (۲) حافظ عصر بن عقدہ ۳۳۲ھ (۳) حافظ ابوالقاسم ۳۳۳ھ (۴) حافظ اشتانی ۳۳۹ھ (۵) امام عبداللہ حارثی ۳۴۰ھ (۶) حافظ محمد بن مظفر ۳۷۹ھ (۷) حافظ ابن عدی ۳۳۶ھ (۸) حافظ طلحہ ۳۸۰ھ (۹) حافظ ابن المقری (۱۰) حافظ ابن شاہین ۳۵۰ھ (۱۱) حافظ دارقطنی ۴۳۰ھ (۱۲) حافظ ابن نعیم اصفہانی ۵۰۷ھ (۱۳) حافظ ابن عساکر ۵۷۱ (۱۴) حافظ ابن القیسرانی ۵۲۲ھ (۱۵) حافظ ابن خسر ۴۲۵ھ (۱۶) مسند الدنیا ۵۷۱ھ (۱۷) عیسی جعفری ۱۰۸۰ھ

امام عبدالوہاب شعرانی مسانید امام اعظم کو ان الفاظ سے خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

قد من الله علی بمطالعة مسانيد الامام ابی حنيفة الثلاثة فرايته لايروی حديثا الا عن اخبا رالتابعين العدول الثقات الذين هم من خير القرون بشهادة رسول الله صلی الله عليه وسلم كالاسود وعلقمة وعطاء وعكرمة ومجاهد ومكحول والحسن البصری واضرابهم رضی الله عنهم اجمعين فكل الرواة الذين هم بينه وبين رسول الله صلی الله عليه وسلم عدول ثقات اعلام اخبار ليس فيهم كذاب ولامتهم بكذب۔

(میزان الشریعۃ الکبری ج۱ص۶۸)

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا، کہ میں نے امام اعظم کی مسانید ثلاثہ کا مطالعہ کیا، پس میں نے دیکھا کہ امام اعظم ثقہ اور صادق تابعین کے سوا کسی سے روایت نہیں کرتے جن کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

خیر القرون ہونے کی شہادت دی جیسے اسود، علقمہ، عطا، عکرمہ، مجاہد، مکحول اور حسن بصری وغیرہم پس امام اعظم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تمام راوی عدول ثقہ اور مشہور اخیار میں سے ہیں جن کی طرف کذب کی نست بھی نہیں کی جاسکتی نہ ہی وہ کذاب ہیں۔